ہند اور پاکستان کے اولیا

از

مفتی شوکت علی فہمی

اولیائے کرام کی سات سو سالہ تبلیغی جدوجہد کی مکمل تاریخ

ہند اور پاکستان کے اولیا

جس میں ہندوستان اور پاکستان کے تمام مقتدر اولیائے کرام کے حالات زندگی بڑی تحقیق اور تصدیق کے بعد تاریخ کی روشنی میں درج کئے گئے ہیں اور ان مقدس حضرات کے روحانی کمالات کو منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔ نیز یہ بتایا گیا ہے کہ ان مقدس ہستیوں نے اس بر عظیم کے باشندوں کی کیسی اہم خدمات انجام دی ہیں

168

از

مفتی شوکت علی فہمی

شائع کردہ:۔ دین دنیا پبلشنگ کمپنی جامع مسجد دہلی

پہلا ایڈیشن
جنوری ۱۹۵۱ء میں
شائع کیا گیا

۲۹۷۶۹۲
ف
۹۲
۲۹۴۰ ۱۱

قیمت
تین روپے آٹھ آنے

شائع کردہ
دین دنیا پبلشنگ کمپنی۔ جامع مسجد۔ دہلی
مطبوعہ خواجہ برقی پریس دہلی

اولیائے کرام

فہرست مضامین

دیباچہ

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت معین الدین چشتی سنجری اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت داتا گنج بخش ابوالحسن علی ہجویریؒ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مخدوم علاءالدین صابر کلیری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی رح

حضرت شیخ محمد نصیر الدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ابو الحسن امیر خسرو دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ احمد امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولنا شہباز بھاگلپوری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سرمد شہید رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولٰنا فضل الرحمٰن گنج مُرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولٰنا حاجی سید وارث علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ

اولیائے کرام کے ملفوظات

دیباچہ

ہندوستان اور پاکستان کے مقدس اولیا کا اگرچہ کسی زمانہ میں بھی اس برِ عظیم کی سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اور ان کی تمام تر سرگرمیاں صرف روحانی جدوجہد تک محدود رہیں لیکن پھر بھی اس چیز سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی روحانی سرگرمیوں کا اس ملک کی سیاسیات پر بہت ہی گہرا اثر پڑا ہے۔ اور ان کے روحانی تصرف کی بدولت اس برِعظیم کی تاریخ میں ایک غیر متوقع انقلاب رُونما ہوگیا ہے۔

یہ امر واقعہ اور حقیقت ہے کہ اولیائے کرام نے اس برِعظیم کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر انسانیت کی وہ قابلِ قدر خدمت انجام دی ہے جس کی مثال اس ملک کی تاریخ میں مفقود ہے۔ ان مقدس بزرگوں نے بے کسوں اور بے بسوں کو شہنشاہیت کے اس پنجہ سے بچانے میں نمایاں حصہ لیا ہے جس کے بوجھ تلے انسانیت بُری طرح کچلی جا رہی تھی۔

اولیائے کرام کی یہ امتیازی خصوصیت رہی ہے کہ ان کی ہمدردیاں کسی خاص مذہب یا ملت کے لئے محدود نہ تھیں بلکہ وہ ہر بنی نوعِ انسان کے لئے ابرِ رحمت بن کر آئے تھے۔

چنانچہ اس برعظیم کی ہر قوم اور ملت نے بلا امتیاز مذہب و ملت ان اولیائے کرام کے فیوض سے یکساں فائدہ اُٹھایا۔ یعنی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری۔ جہاں مسلمانوں کے لئے سایۂ رحمت تھے۔ وہاں غیر مسلموں کے لئے بھی ایک نعمت تھے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیاری کے فیوض سے جس طرح مسلمان بہرہ ور ہوئے اسی طرح غیر مسلم بھی۔ حضرت بابا فرید کا فیض جملہ مذاہب کے افراد کے لئے یکساں تھا۔ حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی کے روحانی کمالات سے جہاں مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا وہاں غیر مسلم بھی آپ کے فیض سے محروم نہ رہے۔ حضرت نظام الدین اولیا کی نظر کیمیا اثر سے جہاں مسلمانوں کو فائدہ پہنچا وہاں غیر مسلم بھی پوری طرح آپ سے فیضیاب ہوئے۔

اولیا اللہ کی اس وسیع نظری اور فیض رسانی کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ انکے اعلیٰ اخلاق۔ بلند کردار اور روحانی کمالات یہاں کے قدیم مذاہب کے لوگوں کو متاثر کئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور اُن بزرگوں کے طفیل اور صدقہ میں ہزار دو ہزار نے نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔

یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ اگر ہندوستان کے اولیائے کرام نے اس درجہ وسیع نظری سے کام نہ لیا ہوتا تو شائد ہندوستان میں کبھی بھی اسلام اس طرح نہ پھولتا پھلتا اور غیر مسلموں کو اسلام کی جانب کبھی بھی رغبت نہ پیدا ہوتی۔ یعنی اولیا اللہ نے جہاں اس برعظیم میں انسانیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ وہاں اُن کے اعلیٰ کردار اور روحانی کمالات کی وجہ سے اشاعتِ اسلام میں بھی بے حد مدد ملی ہے۔

اس ملک کے متعصب مورخین مسلمان بادشاہوں پر یہ الزام زمانہ دراز سے لگاتے رہے ہیں کہ مسلمان بادشاہوں نے اس ملک میں تلوار کے زور سے اسلام پھیلایا لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ مسلمان بادشاہوں کو کبھی تبلیغ اور اشاعت اسلام سے رغبت ہی نہیں ہوئی۔ ان کا مقصد اور منشا تو صرف یہ تھا کہ ان کی مملکت کی حدود میں وسعت ہو جائے۔ اور ایسا وہ کرتے

رہے۔ پھر ان کو کیا ضرورت تھی کہ وہ اشاعتِ اسلام کی جانب متوجہ ہوتے بلکہ انھوں نے تو ہمیشہ اشاعتِ اسلام سے محض اس اندیشہ کی بنا پر گریز کیا ہے کہ کہیں اسلام کے نام سے ان کی غیر مسلم رعایا نہ بھڑک جائے اور ان کے لئے حکمرانی کے راستہ میں دقتیں نہ پیدا ہو جائیں۔

اس برِ عظیم میں مسلمان بحیثیت فاتح کے سب سے پہلے محمد بن قاسم کے دورِ حکومت میں داخل ہوئے لیکن انھوں نے سندھ کے فتح کرنے کے بعد سندھ میں غیر مسلم حکام کو بدستور برقرار رکھا اور محمد بن قاسم اور اس کے بعد کسی مسلم بادشاہ نے بھی اشاعتِ اسلام کو اپنا مقصد نہیں بنایا۔ اور نہ ایسا وہ کر سکتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر وہ اس ملک کے باشندوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کی کوشش کریں گے تو ان کی حکومت کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ چنانچہ محمد بن قاسم کے دور سے لیکر محمود غزنوی کے دورِ حکومت تک کئی صدی کے زمانہ کے باوجود اس برِ عظیم میں مسلمان آٹے میں نمک کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور اس ملک میں مسلمانوں کی جو تھوڑی بہت تعداد تھی وہ یا تو باہر سے آئی تھی۔ یا وہ لوگ تھے جنھوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا تھا۔

محمود غزنوی کے عہدِ حکومت سے لیکر مغلیہ حکومت کے زوال تک اگرچہ ہندوستان میں سیکڑوں مسلمان بادشاہ صدیوں تک فرمانروائی کرتے رہے ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی کبھی تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کی جانب توجہ نہیں کی اس لئے کہ ایسا کرنا حکمرانی کی مصلحتوں کے خلاف تھا۔ بلکہ انھوں نے اُلٹی ان لوگوں کی ہمت شکنی کی ہے جو ذاتی حیثیت میں اس ملک میں اشاعتِ اسلام کے لئے کوشاں تھے۔

اس برِ عظیم میں اسلام کی ترقی اور مسلمانوں کی تعداد کے بڑھنے کی وجوہ پر اگر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ ہندوستان کے اولیائے کرام کے اعلیٰ اخلاق اور روحانی تصرف کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اس ملک کے باشندے ان کے پاکیزہ کردار اور روحانی کمالات سے متاثر ہونے کے بعد خود بخود حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے چلے گئے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر اولیا اللہ کا تصرف شاملِ حال نہ ہوتا تو اس برِ عظیم میں تو اس کثرت سے مسلمان دکھائی دیتے اور نہ

مسلمانوں کو اس ملک میں کوئی سیاسی حیثیت اور اقتدار کبھی حاصل ہوتا۔

اولیائے کرام نے بلاشبہ اس برِ عظیم میں ایک ایسی اہم مذہبی، اخلاقی اور سیاسی خدمت انجام دی ہے جسے کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن اولیاء اللہ کی اس اہم خدمت کے باوجود اس برِ عظیم کے باشندے اولیائے کرام کے حالات سے بہت کم واقف ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اولیائے کرام کے حالات پر جتنی بھی کتابیں ہیں وہ زیادہ تر غیر زبانوں میں ہیں۔ اردو زبان میں اس موضوع پر اس وقت تک جو کتابیں بھی شائع ہوئی ہیں وہ یا تو تشنہ ہیں یا غیر مکمل۔ اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے میں نے سوچا کہ اردو زبان میں ہندوستان اور پاکستان کے اولیائے کرام سے متعلق ایک ایسی کتاب شائع کر دی جائے۔ جو مختصر ہونے کے ساتھ جامع بھی ہو۔ اور جس میں تقریباً ان تمام اولیائے کرام کے مختصر حالات آ جائیں، جنہوں نے کہ اس برِ عظیم کے باشندوں پر عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً احسانِ عظیم کیا ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں جہاں میں نے پرانے تذکروں سے مدد لی ہے وہاں۔ ان مقتدر مضمون نگاروں کے مضامین سے بھی فائدہ اٹھایا ہے جو گذشتہ نصف صدی کے اندر اولیائے کرام کے حالات پر رسائل اور اخبارات میں نہایت مفید مضامین شائع کرتے رہے ہیں۔ ان مقتدر مضمون نگاروں میں سے حضرت خواجہ حسن نظامی دہلوی۔ جناب محمد الدین صاحب فوق۔ ملا واحدی صاحب دہلوی اور سردار احمد خاں جلال پوری کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مجھ کو امید ہے کہ میری اس حقیر خدمت کو ہندوستان اور پاکستان کی مملکتوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔

جن اولیائے کرام کا اس مختصر سی کتاب میں تذکرہ ہے وہ سب کے سب اس برِ عظیم کے وہ مقتدر بزرگ ہیں۔ جن کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ نہ صرف باعثِ برکت ہے۔ بلکہ جن کی زندگی کے ہر واقعہ میں ہمارے لئے درس و ہدایت کا ایک سمندر پوشیدہ ہے۔ مجھ کو توقع ہے کہ اگر اس برِ عظیم کے باشندوں نے ان بزرگانِ دین کے حالات سے استفادہ حاصل کیا

تو ایک طرف ان کی دینی اور دنیاوی زندگی سدھر جائے گی۔ اور دوسری طرف ان کو بے پایاں روحانی مسرت حاصل ہوگی۔

خاکپائے اولیا

شوکت علی فہمی

دین دنیا پبلشنگ کمپنی دہلی

دسمبر ۱۹۵۰ء

——— ✻ ———

حضرت
خواجہ عثمان ہارونی
رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ صرف ایک مرتبہ اپنے قدم مبارک سے ہندوستان کی سرزمین کو شرف بخشا ہے لیکن آپ برِ عظیم ہند اور پاکستان کے اس لئے سب سے مقتدر روحانی پیشوا مانے جاتے ہیں چونکہ آپ ہی ہندوستان اور پاکستان کے روحانی شہنشاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے پیر و مرشد ہیں۔ اور آپ ہی کے زیرِ ہدایت حضرت خواجہ غریب نواز نے اس برِ عظیم میں آ کر اسلام اور ایمان کی روشنی پھیلائی۔

حضرت عثمان ہارونی کا تقدس اور بزرگی

حضرت خواجہ عثمان ہارونی گیارہ واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا وطن شریف قصبہ ہارون ہے۔ جو ملکِ خراسان میں نیشاپور کے قریب ہے۔ آپ کی ریاضت اور مجاہدہ کا بچپن ہی سے یہ عالم تھا کہ آپ ایک قرآنِ مجید تو دن میں ختم فرماتے تھے اور ایک شب میں۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے تقدس اور بزرگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ستر برس تک آپ نے سخت سے سخت مجاہدے کئے اور کبھی شکم سیر ہو کر نہ کھانا کھایا اور نہ پانی پیا۔ آپ رات کو بہت کم استراحت فرماتے تھے۔

کتاب سیر الاقطاب میں درج ہے کہ آپ مجیب الدعوات تھے یعنی جو کچھ زبان سے فرما دیتے تھے وہی ہو جاتا تھا۔ آپ ہمیشہ روزہ سے رہتے تھے اور آپ کا روزہ اس قدر طویل ہوتا تھا کہ پانچ روز کے بعد افطار فرماتے تھے۔ آپ کی روحانی طاقت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ آپ کی نظر کیمیا اثر جس پر بھی پڑ جاتی تھی وہ چشم زدن میں روحانیت کے مدارج اعلیٰ تک

پہنچ جاتا تھا۔ کشف وکرامات آپ کی اس قدر بڑھی ہوئی ہیں کہ انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اور اس کی تفصیل بیان کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔

حاجی شریف زندنی سے بیعت

سیر الاقطاب میں مرقوم ہے کہ جب حضرت عثمان ہارونی رح حاجی شریف زندنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض بیعت حاضر ہوئے اور آپ کے ارادت مندوں میں داخل ہو گئے تو آپ نے حضرت عثمان ہارونی پر کمال مہربانی فرماتے ہوئے شرف بیعت سے مشرف فرمایا۔ کلاہ چار ترکی خود اپنے دست مبارک سے آپ کے سر پر رکھی اور نصیحت فرمائی۔

"اے عثمان اب جبکہ تم نے کلاہ چار ترکی سر پر رکھ لی ہے تو تم کو چاہیئے کہ ان چار باتوں پر بھی عمل کرو۔ اوّل ترک دُنیا۔ اور دُنیا کے لوازمات سے پرہیز۔ دوئم ترک حرص و آز۔ سوئم خواہشات نفس سے گریز۔ چہارم شب بیداری معہ ذکر الٰہی۔ کیونکہ بزرگوں کا حکم ہے کہ کلاہ چار ترکی وہ شخص اپنے سر پر رکھے جو اللہ کے ماسوا دُنیا کی ہر چیز کو ترک کر دے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جس وقت سے اس کلاہ کو اپنے سرِ اقدس پر رکھا تھا۔ فقر و فاقہ اختیار فرمالیا تھا۔ آپ کے بعد یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا جب مجھ تک یہ تبرک پہنچا۔ تو میں نے بھی فقر و فاقہ اختیار کیا۔ اب یہی متبرک کلاہ شریف میں نے تمہارے سر پر رکھ دی ہے۔ لہٰذا تم کو چاہیئے کہ تم بھی پیرانِ عظام کی تقلید اختیار کرو۔ اور خلق خدا کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ۔"

بیعت اور کلاہ چار ترکی سے مشرف ہونے کے بعد حضرت عثمان ہارونی اپنے پیر طریقت حاجی شریف زندنی کی خانقاہ میں رہ کر تین سال تک برابر عبادت اور مجاہدات میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ آپ درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔ اور حضرت حاجی شریف زندنی نے آپ کو

نہ صرف اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمادیا۔ بلکہ وہ اسم اعظم بھی تعلیم فرمایا جو سینہ بسینہ بزرگان چشت سے چلا آتا تھا۔ اور جس کی تعلیم کے بعد علوم ظاہری اور باطنی کے تمام دروازے آپ کی ذات مبارک پر کھل گئے۔

حضرت عثمان ہارونی کے درجہ کمال کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب آپ نماز پڑھتے تھے تو غیب سے آواز آتی تھی کہ "اے عثمان ہم نے تمہاری نماز قبول کرلی جو مانگنا ہو مانگو عطا ہوگا" اس کے جواب میں آپ فرماتے "اے بار خدایا میں تجھ سے تیری معرفت طلب کرتا ہوں"۔ دوبارہ آواز آتی کہ "ہم نے یہ دعا قبول کرلی خاطر جمع رکھو"۔ آپ یہ سن کر سر بسجدہ ہوجاتے اور پھر دعا فرماتے کہ "الٰہی گنہگاران امت محمدیہ کو بخشدے"۔ اس وقت الہام ہوتا کہ "ہم نے تیس ہزار گنہگاروں کو بخشدیا۔ غرضکہ ہر روز پانچوں وقت کی نماز میں آپ گنہگاران امت محمدیہ کے لئے دعا فرماتے۔ اور اس طرح روزانہ ڈیڑھ لاکھ گنہگاران امت کو بخشوا لیتے۔

ہندوستان کی سرزمین کے لئے یہ چیز باعث فخر ہے کہ آپ کے قدوم میمنت لزوم سے اس برعظیم کی سرزمین مشرف ہوچکی ہے۔ چنانچہ کتاب گنج الاسرار میں مرقوم ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی ایک مرتبہ اپنے فرزند معنوی حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے ملنے کے لئے دہلی تشریف لائے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی دہلی میں تشریف فرما تھے لیکن آپ صرف چند روزہ قیام کے بعد ہندوستان سے واپس تشریف لے گئے۔

حضرت عثمان ہارونی آخری عمر میں مکہ معظمہ میں گوشہ نشین ہوگئے تھے۔ اسی مقدس شہر میں ۵ر شوال ۶۰۷ھ ہجری (۱۲۱۱ء عیسوی) کو آپ واصل حق ہوگئے۔ چنانچہ آپ کا مزار مبارک مکہ معظمہ میں مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔

حضرت خواجہ

معین الدین چشتی سنجری

اجمیری رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیریؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح جن کے آستانہ مبارک پر ہندوستان اور پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کی گردنیں جھکی رہتی ہیں۔ ہندوستان اور پاکستان کے مسلمانوں کے وہ محسن اعظم اور مقتدر روحانی پیشوا ہیں جن کے طفیل اور صدقہ میں ان ممالک کے مسلمانوں کو نہ صرف حیات نو حاصل ہوئی۔ بلکہ ان مملکتوں میں مسلمانوں کو جو سیاسی اقتدار حاصل ہے وہ آپ ہی کے تصرف باطنی کا نتیجہ ہے۔

ہندوستان میں مسلمان یوں تو رسول اللہ صلعم کے عہد رسالت ہی میں آنے شروع ہوگئے تھے اور اس برعظیم میں مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھتی رہی لیکن صحیح معنوں میں ہندوستان میں شمع اسلام کو جس مقتدر ہستی نے فروزاں کیا وہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہی کی ذات گرامی ہے۔ آپ کی آمد کے بعد شمع رسالت کی روشنی ہندوستان کے ایک کونے سے لیکر دوسرے کونے تک پھیل گئی۔ اور اس ملک کے گوشہ گوشہ سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔

ہندوستان کے فاتح اول محمد بن قاسم کے زمانہ سے لیکر قیام پاکستان تک، ہندوستان میں ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں مسلمان بادشاہ ہوئے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان مسلمان بادشاہوں کا مقصد حکمرانی اور فتوحات سے زیادہ کچھ نہیں تھا اور انھوں نے ہمیشہ ہی تبلیغ اور اشاعت اسلام سے اجتناب کیا ہے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اپنی حکومتوں میں تبلیغ اسلام کا شعبہ تک کھولنا پسند نہیں کیا۔ بس ان کا منشا صرف یہ رہا ہے کہ ان کو حکمرانی اور فرمانروائی کے لئے ایک وسیع خطہ مل جائے اس کے برخلاف ہندوستان کے سب سے بڑے روحانی تاجدار حضرت خواجہ معین الدین

چشتی کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ہندوستان کو اسلام کی روشنی سے جگمگا دیا جائے۔ اور ہندوستان میں روحانی تعلیم کا ایک ایسا سنگِ بنیاد رکھ دیا جائے جس کے اثرات سے ہندوستان کے زیادہ سے زیادہ باشندے بخوشی حلقہ بگوش اسلام ہوتے چلے جائیں چنانچہ آپ ہی کے زمانہ سے مسلمانوں کی تعداد ہندوستان میں اس سُرعت سے بڑھنی شروع ہوئی کہ کروڑوں تک پہنچ گئی۔ اگر بغور دیکھا جائے۔ تو آپ ہندوستان اور پاکستان میں اسلامی قصر کے معمارِ اوّل ہیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے اس برِ عظیم میں جب اپنا روحانی مشن شروع کیا۔ تو ہندوستان کے حکمرانوں نے اس مشن کو اپنے شاہی اقتدار کے لئے زبردست خطرہ سمجھتے ہوئے۔ آپ کے اور آپ کے روحانی جانشینوں کے راستہ میں شدید رُکاوٹیں پیدا کیں لیکن ان تمام رُکاوٹوں کے باوجود آپ کا قائم کردہ روحانی مشن برابر جاری رہا۔ اور اس مشن ہی کا یہ صدقہ اور طفیل ہے کہ آج اس برِ عظیم میں دس گیارہ کروڑ مسلمان دکھائی دے رہے ہیں۔

مسلمانوں کو یہ معلوم کرکے بڑی حیرت ہوگی کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے رُوحانی مشن میں رُکاوٹیں پیدا کرنے والوں میں ہندو راجاؤں سے کہیں زیادہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہ تھے۔ چنانچہ ان بادشاہوں کے ہاتھوں ہندوستان کے اکثر اولیائے کرام کو شدید تکالیف اُٹھانی پڑیں لیکن یہ مقدس اولیا جیلوں میں بند ہونے کے باوجود اور اپنی زندگیوں کو خطرہ میں ڈال کر اشاعتِ اسلام کے مقدس مشن کو برابر پورا کرتے رہے۔ یہ امرِ واقعہ ہے کہ ان پاکباز ہستیوں نے خطرات میں مبتلا ہونے کے باوجود اگر اپنی خاموش تبلیغ کو جاری نہ رکھا ہوتا۔ تو اس برِ عظیم کے کسی ایک حصہ میں بھی آج مسلمانوں کی اکثریت نہ دکھائی دیتی بلکہ کوئی تعجب نہ تھا کہ رفتہ رفتہ اس برِ عظیم سے بھی مسلمانوں کا نام و نشان اُسی طرح مٹ جاتا جس طرح کہ اسپین سے مٹ چکا ہے۔

حضرت کی آمد سے پہلے ہندوستان کی حالت

حضرت کے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھنے سے قبل اگرچہ ڈھائی سو برس تک مسلمان سندھ اور پنجاب پر حکمرانی کرتے رہے تھے۔ اور سلطان محمود غزنوی کے حملوں کی وجہ سے ہندوستان کی سرزمین پر مسلمانوں کی دھاگ بیٹھ چکی تھی۔ لیکن پھر بھی ہندوستان میں مسلمان نہایت ہی محدود تعداد میں تھے جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمان بادشاہوں کو تبلیغ اور اشاعت اسلام سے ذرّہ برابر بھی لگاؤ نہ تھا۔ بس ان کی کوشش تو یہ تھی کہ ان کی سلطنتوں کی حدود زیادہ سے زیادہ وسیع ہوتی چلی جائیں۔

آپ نے جس زمانہ میں ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حکومت غزنوی کا نیّرِ اقبال غروب ہو چکا تھا۔ شاہانِ غوری۔ غزنوی حکومت پر قابض ہو چکے تھے اور ہندوستان میں گذشتہ اسلامی حکومتوں کے نقوش اس قدر مدہم پڑ چکے تھے کہ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اس ملک میں آگے چل کر کبھی مسلمان اُبھر بھی سکیں گے لیکن آپ کے اس برِ عظیم پر قدم رکھتے ہی اچانک مسلمانوں کی حالت میں انقلاب پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ وہی مسلمان جو عالم نزع میں دَم توڑ رہے تھے ایسے اُبھرے کہ وہ صدیوں تک اس ملک کے واحد حکمران بنے رہے۔ ذرا غور فرمایئے کہ یہ سب کچھ حضرت کی توجہات کا طفیل اور آپ کی روحانی طاقت کا کرشمہ نہیں تھا تو اور کیا تھا۔

حضرت نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھ کر اس برِ عظیم کے مسلمانوں پر جو احسان عظیم کیا ہے۔ اسے مسلمان قیامت تک فراموش نہیں کر سکتے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اگر حضرت نے ہندوستان کی جانب رُخ نہ کیا ہوتا اور اس ملک میں تبلیغ اسلام کی داغ بیل نہ ڈالی ہوتی تو شاید ہندوستان اور پاکستان کی تاریخ۔ موجودہ تاریخ سے بالکل مختلف دکھائی دیتی حضرت کب ہندوستان تشریف لائے۔ اور آپ نے ہندوستان میں اپنے روحانی مشن کو کس طرح اور کن حالات میں جاری کیا اس پر روشنی ڈالنے سے قبل ہم یہ ضروری سمجھتے

ہیں کہ اس کتاب کے ناظرین کو حضرت کی ابتدائی زندگی سے واقف کر دیں تاکہ مسلمانوں کو حضرت کی ذاتِ گرامی سے پوری طرح واقفیت حاصل ہو جائے۔

حضرت کی ابتدائی زندگی

حضرت کی پیدائش اور ابتدائی زندگی کے حالات پر اگرچہ بڑی حد تک پردہ پڑا ہوا ہے لیکن پرانے تذکروں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ملک سجستان میں ۵۳۷ھ ہجری (۱۱۴۲ء) میں ہوئی تھی۔ یہ زمانہ تھا جبکہ سلجوقی حکومت کا ستارہ اقبال غروب ہو چکا تھا اور شاہانِ زنگی کا اقتدار بڑھ رہا تھا۔ اور خلافت اسلامیہ کے زوال کے بعد مصر۔ شام۔ عراق۔ اور ایران کی حکومتیں نئے نئے فرمانرواؤں کے زیر تسلط چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹ چکی تھیں۔ غرضکہ آپ کی پیدائش ایسے زمانہ میں ہوئی تھی جبکہ اسلامی حکومتیں نازک ترین دَور سے گذر رہی تھیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز کے آباؤ اجداد کا آبائی وطن کیونکہ ہرات کے قریب شہر چشت میں تھا اس لئے آپ چشتی کہلائے، آپ کے والدِ ماجد کا نام حضرت خواجہ غیاث الدین حسن چشتی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا شمار اپنے زمانہ کے بہت بڑے علما میں تھا۔ آپ عالم دین ہونے کے ساتھ نہایت ہی متقی اور پرہیزگار بھی تھے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کی ابتدائی تعلیم اور تربیت آپ ہی کے زیر نگرانی شہر خراسان میں ہوئی ہے لیکن حضرت خواجہ غریب نواز کی عمر مشکل سے گیارہ سال تھی کہ آپ کے والدِ ماجد عراق میں وفات پا گئے۔ وہیں آپ مدفون ہوئے۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے تین بھائی اور بھی تھے۔

حضرت پر ایک مجذوب کی نظر

حضرت کو باپ کی میراث سے ایک باغ ملا تھا۔ آپ اسی باغ کی آمدنی اور پیداوار سے اپنی اور اپنے متعلقین کی ضروریات پوری فرمایا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت

خواجہ غریب نواز اس باغ میں بیٹھے تھے کہ ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب اس باغ میں تشریف لائے۔ حضرت خواجہ غریب نواز جو بچپن ہی سے اولیائے کرام کے دلدادہ تھے، ان مجذوب کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ ہاتھ چوم کر ایک درخت کے سائے میں بٹھایا۔ اور بہت سے انگور توڑ کر ان مجذوب کے سامنے رکھے اور خود ان کے سامنے نہایت ہی مودّب ہو کر بیٹھ گئے۔

ان مجذوب نے حضرت خواجہ کے پیش کردہ انگوروں کی جانب ذرا بھی توجہ نہ کی اور اپنی بغل سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکال کر منھ میں رکھ لیا۔ اور چبانے کے بعد اسے منھ سے نکال کر خود حضرت خواجہ کے منھ میں چبائی ہوئی کھلی دیدی۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے اس تبرک کو ذوق شوق کے ساتھ نوش فرما لیا۔ اس کے کھاتے ہی حضرت کو یہ محسوس ہوا جیسے آپ کا دل روشن ہو گیا ہو۔ غرضکہ ایک خاص کیفیت آپ پر طاری ہو گئی۔ دُنیا اور دُنیا والوں سے آپ کا دل بیزار ہو گیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ غریب نواز نے باغ اور اپنا سارا سامان فروخت کر کے اس کی رقم کو رشتہ داروں اور غربا میں تقسیم کر دیا۔ اور ترک وطن کرنے کے بعد طلب حق میں روانہ ہو گئے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارُونی سے بیعت

آپ ترک وطن کے بعد سب سے پہلے سمرقند پہنچے۔ وہاں آپ نے قرآنِ مجید حِفظ کیا اور علوم ظاہری کے حصول میں مصروف رہے۔ اس کے بعد آپ قصبہ ہارون میں تشریف لے گئے۔ یہ قصبہ نیشاپور کے اطراف میں ہے۔ وہاں پہنچنے کے ساتھ ہی آپ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے آپ کے باطنی اوصاف کو پہلی ہی نظر میں پرکھنے کے بعد آپ کو اپنے مُریدانِ خاص میں شامل کر لیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ دو رکعت نماز ادا کرو اور کلمہ سُبحَانَ اللّٰہِ وَالحَمدُ لِلّٰہِ الخ ساٹھ بار پڑھو۔ آپ نے فوراً تعمیل فرمائی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا۔ آؤ تمہیں خدا تک پہنچا دیں، یہ فرما کر

کلاہ چارترکی آپ کے سر پر رکھی اور گلیم خاص عنایت فرمائی۔ پھر حکم ہوا کہ سورۂ اخلاص ہزار بار پڑھو۔ آپ یہ حکم بھی بجا لائے۔ پھر فرمایا کہ ہمارے مشائخ کے سلسلہ میں شامل ہونے والوں کے لئے ایک دن رات کا مجاہدہ لازمی ہے تم بھی مجاہدہ کرو آپ تعمیلِ حکم کے لئے مجاہدہ میں مصروف ہو گئے۔

مجاہدہ سے فارغ ہونے کے بعد جب آپ پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عثمان ہارونی نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ اور آسمان کی جانب نظر اُٹھاؤ۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ پیر نے پوچھا کہاں تک نظر جاتی ہے۔ آپ نے جواب دیا عرشِ اعظم تک۔ پھر فرمایا زمین کی طرف دیکھو۔ آپ نے زمین کی جانب دیکھا۔ پوچھا کہاں تک نظر آتا ہے۔ آپ نے جواب دیا تحت الثریٰ تک۔ حکم ہوا کہ ایک ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص اور پڑھو۔ آپ فوراً سورۂ اخلاص کی تلاوت میں مصروف ہو گئے جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ پھر آسمان کی طرف دیکھ کر بتاؤ کہ کہاں تک نظر پہنچتی ہے۔ آپ نے جواب میں کہا کہ حجابِ عظمت تک۔ پھر حضرت عثمان ہارونی نے دو انگلیاں اُٹھا کر حضرت کو دکھائیں اور پوچھا کہ کیا دکھائی دیتا ہے آپ نے عرض کیا کہ ہجدہ ہزار عالم، ارشاد ہوا کہ اب تمہارا کام پورا ہو گیا جاؤ سامنے جو اینٹ پڑی ہے اُسے اُٹھا لاؤ۔ آپ نے اینٹ کو اُٹھایا تو اس کے نیچے سے بہت سے دینار نکلے۔ حکم ہوا کہ یہ سب مساکین میں تقسیم کر دو۔ آپ نے تمام دینار مساکین میں تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد خواجہ عثمان ہارونی نے حضرت سے پوچھا کہ کیا چند روز ہمارے پاس رہو گے۔ آپ نے جواب دیا مالک کے حکم کے سامنے غلام کو کیا اختیار ہو سکتا ہے۔ چنانچہ آپ نے خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت بابرکت میں بیس سال رہ کر علم باطن کی تکمیل فرمائی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی جس زمانہ میں کہ خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت میں رہتے تھے۔ آپ کو حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ہمراہ دمشق کے سفر کا اتفاق ہوا وہاں آپ نے درویشوں کی ایک ایسی جماعت دیکھی جو عشق الٰہی میں مست تھی۔ ان درویشوں

کی حالت یہ تھی کہ یہ زمانۂ دراز سے بالکل مدہوش تھے۔ حضرت نے ان سے بھی فیض حاصل کیا اس کے بعد آپ حرمین شریفین کو روانہ ہوئے۔ جب مکۂ معظمہ پہنچے اور طواف سے فارغ ہوئے تو میزاب رحمت کے نیچے جو قبولیت دعا کا مقام ہے۔ خواجہ عثمان ہارونی نے حضرت کا ہاتھ پکڑ کر آپ کے حق میں دعا فرمائی آواز آئی کہ "ہم نے معین الدین حسن کو قبول کیا"۔ اس کے بعد خواجہ عثمان ہارونی آپ کو ساتھ لیکر مدینہ تشریف لے گئے۔ اور روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور حضرت سے فرمایا کہ "بارگاہِ رسالت میں سلام عرض کرو"۔ آپ نے سلام عرض کیا۔ روضۂ اقدس سے آواز آئی "وعلیک السلام یا قطب المشائخ"۔ الغرض آپ بیس برس تک حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی خدمت میں رہ کر برابر منزل سلوک طے کرتے رہے۔

حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی آپ پر بے حد نظر کرم تھی۔ چنانچہ آپ نے حضرت کو سلوک کی انتہائی بلندی تک پہنچا دیا تھا۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی جانب سے ایک روز حکم ہوا کہ ہر روز صبح چاشت کے وقت ہمارے پاس آیا کرو تاکہ تم کو فقر کی تعلیم دی جائے چنانچہ آپ ہر روز چاشت کے وقت حاضر ہوتے اور خواجہ ہارونی جو کچھ فرماتے اس کو قلم بند کر لیتے۔ خواجہ ہارونی برابر اٹھائیس دن تک آپ کو فقر کی تعلیم دیتے رہے اور آپ برابر ان اٹھائیس مجلسوں کے ارشادات کو تحریر فرماتے رہے جس سے کہ ایک رسالہ مرتب ہو گیا۔ اٹھائیس دن کی اس تعلیم کے بعد حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے فرمایا کہ "اے معین الدین یہ سب تعلیم تمہاری تکمیل کے واسطے تھی، تم کو ان تعلیمات پر تا زندگی عمل کرنا ہے تاکہ قیامت کے روز مجھ کو شرمندگی نہ ہو"۔ اس کے بعد آپ کو خرقہ، مصلا، نعلین اور عصا مرحمت کر کے فرمایا کہ یہ اشیا ہمارے پیران طریقت کی یادگار ہیں تم ان کو نہایت ادب سے اپنے پاس رکھنا اور اپنے بعد جس کو لائق دیکھنا اس کے سپرد کر دینا"۔ پھر آپ کو رخصت کر دیا۔ اس وقت آپ کی عمر باون برس کی تھی۔

رسول اللہ صلعم کی جانب سے ہندوستان جانے کا حکم | حضرت خواجہ عثمان ہارونی

کی تعلیمات سے فارغ ہوکر آپ اپنے آبائی وطن سجستان واپس تشریف لے گئے۔ اور وہاں کچھ دن قیام فرمانے کے بعد زیارت حرمین کے لئے روانہ ہوگئے۔ دوران سفر میں آپ نے بہت سے شہروں میں قیام فرمایا۔ مشائخ اور اولیا اللہ سے ملاقاتیں کیں اس کے بعد مکہ معظمہ پہنچے۔ جہاں آپ نے حج ادا کیا۔ پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اور روضۂ اطہر کے سائے میں عبادت میں مصروف ہوگئے۔ ایک روز آپ عبادت میں مصروف تھے کہ روضہ مبارک سے آواز آئی۔

اے معین الدین حسن۔ تو ہمارے دین کا معین اور مددگار ہے۔ ولایت ہندوستان ہم نے تجھے عطا کی۔ جا اور اجمیر میں جاکر اقامت اختیار کر وہاں بڑی طرح تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ تیرے وہاں کے قیام سے بے دینی دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا۔

اس مژدہ جاں بخش کو سننے کے بعد آپ بے حد مسرور ہوئے مگر آپ یہ معلوم کرنے کے لئے بڑے بیتاب اور پریشان تھے کہ اجمیر کہاں ہے اور ہندوستان میں کس جگہ واقع ہے اسی فکر میں آنکھ لگ گئی تو آپ کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہیں سیرو دوعالم نے آپ کو مشرق سے مغرب تک دنیا کی سیر کرادی اور کوہ اجمیر کا بھی مشاہدہ کرادیا پھر ایک انار عنایت کرکے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تجھ کو خدا کے سپرد کیا۔

ہندوستان کے لئے حضرت کی روانگی

حضرت بیدار ہوتے کے ساتھ ہی ہندوستان کے لئے روانہ ہوگئے

جس شہر سے آپ گذرتے اولیا اللہ سے ملاقات فرماتے۔ اور قبرستان میں فروکش ہوتے اور ہر روز دورانِ سفر میں دو قرآن مجید ختم فرمالیتے۔ جس جگہ بھی آپ پہنچتے وہاں آپ کے گرد عقیدتمندوں کا ہجوم ہوجاتا اور دُور دُور تک آپ کی شہرت پھیل جاتی لیکن آپ کسی جگہ بھی قیام نہ فرماتے بلکہ فوراً ہی ایک مقام سے دوسرے مقام کے لئے روانہ ہوجاتے۔

حضرت جب منزلیں طے کرتے ہوئے ہرات پہنچے تو ہرات کا حاکم محمد یادگار آپ کا دشمن ہوگیا۔ یہ نہایت ظالم اور جابر تھا صحابہ کرام کو گالیاں دیتا تھا۔ اور اس کے ملک میں جس کا نام بھی صحابہ کرام کے نام پر ہوتا۔ اس کو قتل کرا دیتا تھا۔ غرضکہ اولیا اللہ اور درویشوں کا یہ حاکم شدید مخالف تھا۔ حضرت خواجہ جب ہرات پہنچے تو اتفاق سے اسی ظالم کے باغ میں فروکش ہوگئے۔ جب یادگار محمد اس باغ میں آیا اور حضرت خواجہ کو دیکھا تو غصہ کی وجہ سے آپے سے باہر ہوگیا اور اس نے چاہا کہ حضرت خواجہ کو کسی قسم کا گزند پہنچائے کہ اچانک حضرت کی نظر پڑتے ہی بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ اور اس کے ساتھی بھی حضرت خواجہ کے خوف سے کانپنے لگے حضرت خواجہ نے حاکم کے چہرہ پر پانی چھڑکا تو ہوش میں آگیا۔ حضرت نے حکم دیا کہ اپنے ناپاک عقائد سے توبہ کر۔ اس نے اسی وقت توبہ کی اور مع اپنے ہمراہیوں کے فوراً حضرت کا مرید ہوگیا۔ اس کے بعد اس حاکم نے حضرت کی خدمت میں بے اندازہ مال وخزانہ پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا یہ مال تیری ملکیت نہیں ہے بلکہ اس کے حقدار وہ ہیں جن سے کہ تو نے ظلم کرکے وصول کیا ہے۔ تجھ کو چاہیے کہ یہ سارا مال جائز حقداروں کو واپس کردے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت کی توجہ کا اس پر اس قدر اثر ہوا کہ تھوڑے دنوں میں اسے ہرات کی خلافت ظاہری اور باطنی حاصل ہوگئی۔

حضرت خواجہ جب بلخ پہنچے تو آپ نے حکیم ضیاء الدین کے مکان سے بالکل متصل قیام فرمایا۔ حکیم ضیاء الدین اس زمانہ کا مشہور فلسفی تھا جو منکر خدا تھا۔ اور جس کے عقائد ملحدانہ تھے۔ جب حکیم کو حضرت کی آمد کا علم ہوا تو وہ بحث ومباحثہ کی غرض سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن حضرت خواجہ کی زیارت کے بعد اس کے دل پر کچھ ایسا اثر ہوا کہ وہ حضرت کے سامنے بولنے کی جرأت ہی نہ کرسکا۔ اسی دوران میں حضرت کا ایک خادم بھنے ہوئے کباب لیکر آگیا۔ حضرت نے بسم اللہ کہہ کر کباب خود بھی نوش فرمائے اور ایک ٹکڑا حکیم کو بھی عطا کیا۔ کباب کا حلق سے اترنا تھا کہ ملحد حکیم کے تمام ملحدانہ خیالات ختم ہوگئے۔ اور اسکے

قلب میں ایک خاص روشنی پیدا ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت نے اپنا جھوٹا لقمہ اس حکیم کو کھلایا تو اس پر اسرار الٰہی کھل گئے۔ حکیم نے فوراً فلسفہ کی تمام کتابیں دریا میں ڈبو دیں اور مع اپنے شاگردوں کے ملحدانہ خیالات سے تائب ہو کر حضرت کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہوگیا۔

حضرت بلخ سے غزنی تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے ہندوستان کی جانب روانہ ہوئے۔ آپ جس شہر سے بھی گذرتے عوام کو اپنے روحانی فیض سے مستفید فرماتے جاتے یہانتک کہ آپ لاہور پہنچ گئے پھر لاہور سے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ دہلی میں آپ نے صرف چند روز قیام فرمایا۔ جتنے دن بھی آپ دہلی میں رہے آپ کی قیام گاہ پر ہر وقت خلق خدا کا بے پناہ ہجوم رہتا تھا۔ غرضکہ آپ دہلی میں چند روز قیام فرمانے کے بعد اپنی منزل مقصود کی جانب یعنی اجمیر شریف کے لئے روانہ ہوگئے۔

اجمیر شریف میں حضرت کی تشریف آوری

۵۵۸ھ (۱۱۹۳ء) میں جب آپ دہلی سے اجمیر شریف کے قریب پہنچے تو آپ کے ساتھ چالیس معتقدین اور خدام تھے۔ قصبہ سمانا میں راجہ پرتھوی راج کے ملازموں نے آپ کو روک لیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ راجہ پرتھوی راج پتھورا کی ماں جو علم نجوم سے واقف تھی اس نے آپ کے آنے کی خبر پہلے سے دیدی تھی اور بیٹے سے کہدیا تھا کہ قوم ترک کا ایک بزرگ یہاں آئے گا۔ اور اس کی آمد کے بعد سے تیری دولت اور حکومت کو زوال شروع ہو جائے گا۔ چنانچہ راجہ نے اپنی ماں سے حضرت کا حلیۂ مبارک معلوم کر کے ملازمین شاہی کو ہدایت کر دی تھی کہ اس حلیہ کا جو شخص بھی ہماری سلطنت میں آئے اس کو روک لیا جائے۔ غرضکہ ملازمین شاہی نے آپ کو اس حلیہ کے مطابق پاکر بظاہر تو آپ کی تعظیم کی لیکن در پردہ حضرت کو کسی نامعلوم مقام پر لیجانے کے لئے کوشاں رہے۔ اور حضرت سے عرض کیا کہ "آپ کے قیام کے واسطے ایک نہایت ہی عمدہ مقام تجویز کیا

گیا ہے۔ آپ وہاں چلکر آرام فرمائیں“۔

حضرت کو ملازمینِ شاہی کی باتوں سے مکرو فریب معلوم ہوا تو حضرت نے مُراقبہ فرمایا مُراقبہ میں آپ نے رسول مقبول صلعم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ ”اے معین الدین ان مکاروں کے گروہ پر ہرگز اعتبار نہ کرنا۔ یہ تمہیں تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں“۔ اس بشارت کے بعد حضرت نے ملازمینِ شاہی کی درخواست کو مسترد کر دیا اور اجمیر شریف کے لئے روانہ ہو گئے یہاں تک کہ آپ شہر اجمیر کی حدود میں داخل ہو گئے۔

اجمیر شریف میں آپ کی پہلی کرامت

اجمیر شریف پہنچنے کے بعد حضرت نے آبادی کے باہر ایک درخت کے نیچے قیام فرمایا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں راجہ کے اُونٹ باندھے جاتے تھے۔ رات کو جب راجہ کے اُونٹ آئے تو ملازمین شاہی نے حضرت سے کہا کہ ”یہ جگہ راجہ کے اُونٹوں کے لئے ہے۔ یہاں آپ کو قیام نہیں کرنا چاہیئے“۔ آپ نے فرمایا ”اچھا بھائی ہم یہاں سے اُٹھے جاتے ہیں۔ تمہارے اُونٹ یہاں شوق سے بیٹھیں“۔ یہ فرمانے کے بعد حضرت وہاں سے اُٹھ کر تالاب آناساگر کے کنارے چلے گئے یہاں بہت سے مندر تھے اور وہاں قیام فرمایا لیکن صبح کو جب ساربانوں نے اُونٹوں کو اُٹھانا چاہا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اُونٹوں کے جسم زمین سے چپک گئے ہیں۔ ساربان سمجھ گئے کہ یہ اس فقیر کو ستانے کی سزا ہے۔ فوراً دوڑے ہوئے حضرت کی خدمت میں آگئے۔ اور حضرت سے معافی مانگی۔ آپ نے فرمایا ”جاؤ تمہارے اُونٹوں کے اُٹھنے کے لئے حکم ہو گیا“۔ چنانچہ جب ساربان اُونٹوں کے پاس واپس آئے تو دیکھا کہ سب اُونٹ کھڑے تھے۔

آناساگر کا پانی خشک ہو گیا

آناساگر چونکہ ایک ایسا مقام تھا جہاں بہت سے مندر تھے۔ اس لئے آناساگر کے قریب قیام کرنے کی وجہ سے غیر مسلموں میں ناگواری پیدا ہو گئی۔ اور یہ ناگواری اس لئے اور بھی بڑھ گئی

چونکہ حضرت کے ساتھیوں نے حوض پنسلہ سمندر کے کنارے بیٹھ کر وضو کرنا شروع کر دیا تھا۔ کٹر برہمن جن کا عقیدہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ لگانے سے حوض کا پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ انھوں نے وضو کے معاملہ میں حضرت کے خادموں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا۔ خدام حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برہمنوں کے ناروا سلوک کا ذکر کیا تو حضرت کو سخت ناگواری پیدا ہوئی۔ آپ نے عالمِ غیظ میں حکم دیا کہ اناساگر میں سے پانی کا ایک پیالہ بھر لاؤ۔ پیالے کا بھرنا تھا کہ اناساگر اور حوض پنسلہ سمندر دونوں خشک ہو گئے۔ اور ان کے علاوہ جس قدر حوض اور چشمے اجمیر کے مضافات میں تھے وہ بھی خشک ہو گئے۔ یہاں تک کہ عورتوں کی چھاتیوں اور جانوروں کے تھنوں کا دودھ تک خشک ہو گیا۔ آپ کی اس کرامت سے تمام اجمیر میں ایک تہلکہ برپا ہو گیا۔

راجہ کے آدمیوں کے جسم سوکھ گئے

تالابوں اور چشموں کے خشک ہو جانے کے بعد عوام کے دلوں پر تو حضرت کی عظمت قائم ہو گئی لیکن ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو اجمیر شریف میں حضرت کی موجودگی کو کسی طرح بھی گوارہ کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ اس طبقہ کے آدمیوں نے راجہ پرتھوی راج سے جا کر گزارش کی کہ "یہ فقیر جو ہمارے مندروں کے پاس ٹھیرا ہوا ہے۔ ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اسے مندروں کے قریب رہنے دیا جائے۔ اوّل تو اس کا مذہب دوسرا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی کرامتوں سے عوام کے عقائد پر اثر پڑنے کا بہت بڑا اندیشہ ہے۔ لہٰذا جس طرح بھی ممکن ہو اسے یہاں سے نکال دیا جائے"۔ راجہ نے اس طبقہ کی عرضداشت کو سننے کے بعد فوراً حضرت کو اجمیر شریف سے نکال دینے کا حکم دیدیا۔ خود راجہ بھی یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح اس باکمال فقیر سے اس کو نجات مل جائے۔ لیکن راجہ کے آدمی جب حضرت کو نقصان پہنچانے کے لئے آپ کے پاس پہنچے تو آپ نے ایک مٹھی خاک پر آیۃ الکرسی دم کر کے ان لوگوں پر ڈال دی۔ جس شخص کے جسم پر بھی یہ

خاک پڑی اس کا جسم فوراً خشک ہوگیا اور اپنی جگہ سے حرکت نہ کرسکا۔ یہ کرامت دیکھنے کے بعد راجہ کے تمام آدمی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور کسی کو حضرت کے قریب جانے کی ہمت نہ ہوئی۔

شادی دیو کی حضرت سے عقیدت

بیان کیا جاتا ہے کہ اجمیر شریف میں زمانۂ دراز سے ایک جن رہتا تھا۔ راجہ اور اجمیر کے باشندے اس جن کے اس قدر عقیدتمند تھے کہ وہ اس کی پرستش کیا کرتے تھے۔ راجہ نے اس جن کے واسطے چند پرگنے بھی وقف کردئے تھے۔ حضرت کی آمد کے بعد جب آپ کی کرامتوں کی شہرت عام ہوئی تو یہ جن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور حضرت کے اوصاف باطنی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے فوراً ہی اسلام قبول کرلیا۔ اور حضرت کے عقیدتمندوں کے زمرہ میں شامل ہوگیا۔ حضرت نے اس جن کا نام شادی دیو رکھا۔ اور اسے مرتبہ کمال تک پہنچا دیا۔ اس جن کا حضرت کے خادموں میں شامل ہوتا تھا کہ حضرت کے مخالفین کو یقین ہوگیا کہ حضرت نعوذ باللہ بہت بڑے جادوگر ہیں اور انھوں نے محض جادو کے زور سے ان کے معبود "جن" کو قابو میں کرلیا ہے۔ لہٰذا حضرت کے مقابلہ کے لئے باکمال جادوگروں کی تلاش شروع ہوگئی۔

جیپال جادوگر سے حضرت کا مقابلہ

اس زمانہ میں جیپال جادوگر بہت بڑا جادوگر شمار کیا جاتا تھا جیپال کے بارے میں عام خیال یہ تھا کہ دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا ساحر اس کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ اپنے زمانہ کا بہت بڑا اور باکمال ساحر تھا۔ چنانچہ راجہ پرتھوی راج نے جیپال کو حضرت کے مقابلہ کے لئے متعین کیا۔ جیپال جادوگر جب حضرت کے مقابلہ کے لئے آیا تو اس کے ساتھ ڈیڑھ ہزار مزید جادوگر تھے۔ سات سو جادو کے خوفناک اژدھے اور سانپ تھے۔ اور پندرہ سو طلسمی چکر تھے ان طلسمی چکروں کا کمال یہ تھا کہ

یہ ہوا میں جادو کے زور سے تیرتے پھرتے تھے۔ اور ایک سو میل تک دشمن کے لشکر میں جاکر دشمنوں کے سر اُڑا دیتے تھے۔ غرضکہ جیپال جادوگر بڑے اہتمام کے ساتھ حضرت کے مقابلہ پر آن ڈٹا۔

حضرت کو جب اطلاع ملی کہ جیپال جادوگر پوری طاقت کے ساتھ حملہ آور ہونیوالا ہے تو آپ نے وضو کرکے اپنے ہمراہیوں کے گرد عصائے مبارک سے ایک حلقہ کھینچ دیا۔ اور فرمایا کہ انشاء اللہ اس حلقہ کے اندر نہ تو دشمن آسکے گا اور نہ اس کا جادو ہی اثر کرسکے گا۔ چنانچہ جب جیپال مع اپنے ساتھیوں کے اس حلقہ کے پاس پہنچا اور حلقہ کے اندر قدم بڑھانے کی کوشش کی تو سب کے سب منہ کے بل گر پڑے۔ اس کوشش میں ناکام ہونے کے بعد جیپال نے اپنے سحر کی دوسری طاقتوں سے کام لینا چاہا لیکن قدرت الٰہی سے جیپال کا کوئی سحر بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ بلکہ اُلٹا اسی کی تباہی کا باعث بن گیا۔ حالت یہ تھی کہ جیپال حضرت پر جو بھی سحر کرتا تھا وہ پلٹ کر جیپال ہی کے آدمیوں کو فنا کر دیتا تھا۔ اس کے پھینکے ہوئے خوفناک طلسمی چکر پلٹ پلٹ کر اسی کے آدمیوں کی گردنیں اُڑا دیتے تھے۔ اور اس کے جادو کے تمام سانپ اور اژدہے۔ حضرت پر حملہ کرنے کی بجائے پہاڑوں میں گھس گئے تھے۔

جیپال کی اس ناکامی نے حضرت کے مخالفین اور راجہ کو جب مایوس کر دیا تو راجہ نے نہایت عجز کے ساتھ عرض کی کہ "خلق خدا پیاس کی شدت سے مری جارہی ہے، آپ فقیر ہیں ان پر رحم فرمایئے"۔ حضرت نے جیپال کو حکم دیا کہ "ہمارا پیالہ اُٹھالے"۔ جیپال نے ہر چند زور لگایا مگر پیالہ نہ اُٹھ سکا۔ اس کے بعد حضرت نے شادی دیو سے کہا کہ "پیالہ اُٹھا"۔ اس نے پیالہ اُٹھاکر حضرت کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ نے اُس میں سے تھوڑا سا پانی لیکر تالابوں اور چشموں کی طرف چھڑک دیا۔ پانی کا چھڑکنا تھا کہ آن واحد میں سارے تالاب چشمے، حوض، کنویں پانی سے لبالب ہوگئے اور عورتوں کی چھاتیوں میں اور جانوروں کے تھنوں میں

بھی حسب سابق دُودھ اُتر آیا۔ حضرت کی ان کرامتوں کو دیکھنے کے بعد حضرت کے مخالفین اور راجہ سب حیران رہ گئے۔

جیپال جادوگر کی ہوا میں پرواز

حضرت کے ان کمالات کے مشاہدہ کے بعد جیپال جادوگر نے حضرت سے کہا کہ اپنا کوئی انتہائی کمال دکھایئے۔ حضرت نے فرمایا۔ پہلے تم اپنا کمال ہمیں دکھاؤ۔ پھر اس کے بعد ہماری قوت کو آزمانا۔ جیپال نے اپنا کمال دکھانے کے لئے ہرن کی ایک کھال کو آسمان کی جانب اُچھالا۔ یہ کھال ہوا میں معلق ہوگئی۔ پھر جیپال کود کر اس کھال کے اُوپر جاکر بیٹھ گیا۔ جیپال کے بیٹھتے ہی کھال اُوپر کی جانب فضا میں بلند ہونے لگی۔ جیپال کے معتقدین یہ شعبدہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے جب جیپال ہوا میں اُڑتا اُڑتا نظروں سے غائب ہوگیا۔ تو حضرت نے اپنی نعلینِ مبارک کو حکم دیا کہ وہ ہوا میں پرواز کریں۔ اور جیپال کے سر پر پہنچ کر اچھی طرح سے اس کی سرکوبی کریں۔ اور اس کو مارتے ہوئے نیچے اُتار لائیں۔ چنانچہ نعلین مبارک ہوا میں پرواز کرنے لگیں تھوڑی دیر کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ جیپال کے سر پر تڑاتڑ جوتیاں پڑ رہی ہیں۔ جیپال اسی طرح پٹتا ہوا زمین پر اُتر آیا اور حضرت کے قدموں پر سر رکھنے کے بعد امان کا طالب ہوا۔ حضرت نے اسے امان دیدی۔

حضرت نے جیپال کی رُوح کو عرش بریں تک پہنچا دیا

حضرت کے ان کمالات سے جیپال کو بھی حضرت کا معتقد بنا دیا۔ جیپال نے عرض کی کہ حضرت میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنے کسی رُوحانی کمال کا مشاہدہ کرائیں۔ حضرت نے مراقبہ فرمایا اور مراقبہ کے بعد حضرت کی روح مقدس عالم بالا کی جانب روانہ ہوئی۔ آپ نے جیپال کی رُوح کو بھی اپنی رُوح مقدس کے ہمراہ لے لیا۔ جیپال کی روح پہلے آسمان تک تو حضرت کی روح کے ہمراہ جا سکی لیکن جب حضرت کی روح آگے بڑھنے لگی تو جیپال کی روح کے لئے سامنے راستے بند ہوگئے

جیپال کی روح نے حضرت کی روح سے مدد مانگی۔ حضرت کی روح نے پھر جیپال کی روح کو اپنے ساتھ لے لیا۔ غرضکہ جب حضرت کی روح جیپال کی روح کو ہمراہ لئے ہوئے زیر عرش پہنچی تو حضرت کی روح پر فتوح کے طفیل میں جیپال کی روح کے سامنے سے سارے حجاب اُٹھ گئے تو اس نے دیکھا کہ فرشتے حضرت کی روح کے روبرو ادب سے جھک جاتے ہیں اور بڑی تعظیم کرتے ہیں۔ حضرت کی یہ عظمت دیکھ کر جیپال کی رُوح نے اسی عالم میں اسلام قبول کرلیا۔ جیپال نے حضرت سے خواہش کی کہ "میرے لئے دُعا کیجئے کہ میں قیامت تک زندہ رہوں"۔ حضرت نے درگاہ الٰہی میں اس کے لئے دُعا کی آپ کی دُعا مقبول ہوئی۔ حضرت نے جیپال سے ارشاد فرمایا کہ "جا تو قیامت تک زندہ رہے گا"۔ اس کے بعد جب حضرت نے مُراقبہ سے سر اُٹھایا تو جیپال نے فوراً اپنا سر حضرت کے پائے مُبارک پر رکھدیا۔ اور تین مرتبہ باوازِ بلند کلمۂ شہادت پڑھا۔ جیپال کا کلمہ پڑھنا تھا کہ راجہ اور حضرت کے مخالفوں کی ہمت پست ہوگئی۔ اور وہ ناکام و نامُراد واپس چلے گئے۔ حضرت نے جیپال کا نام عبداللہ رکھا چنانچہ اب تک یہ اجمیر میں عبداللہ بیابانی کے نام سے مشہور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اگرچہ یہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں لیکن آج بھی زندہ ہیں۔ بھولوں کو راستہ بتاتے ہیں۔ اور مصیبت کے ماروں کے کام آتے ہیں۔

راجہ کی مخالفت پھر بھی جاری رہی

راجہ پرتھوی راج پتھورا کو اگرچہ قدم قدم پر حضرت کے مقابلہ میں ناکامی ہوئی تھی لیکن پھر بھی راجہ بدستور حضرت کی مخالفت پر آمادہ رہا۔ اور آئے دن آپ کے لئے نئی نئی مصیبتیں کھڑی کرتا رہتا تھا۔ حضرت نے اسے بار بار متنبہ کیا۔ اور نصیحتیں فرمائیں لیکن وہ پھر بھی نہ مانا۔ حضرت نے پھر ایک بار اس سے کہا کہ "تیرے لئے بہتر یہی ہے کہ تو شرارتوں سے باز آجائے" لیکن وہ بدستور حضرت کو تکلیفیں پہنچاتا رہا آخر ایک روز حضرت نے عالم جلال میں فرمادیا کہ "ہم نے تیری حکومت کو غارت کردیا

اور لشکر اسلام سے تجھے قتل کرا دیا۔" چنانچہ چند ہی روز کے بعد محمد غوری نے اجمیر پر چڑھائی کر دی۔ اور اجمیر فتح کرنے کے بعد پرتھوی راج کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا۔ پرتھوی راج کے مارے جانے کے بعد جیپال عرف عبداللہ۔ اور شادی دیو حضرت کو اجمیر شہر میں لے گئے اور حضرت نے شہر میں قیام فرمانے کے بعد روحانی تبلیغ اور اشاعت اسلام کا وہ مبارک مشن جاری کیا جس کی تجلیاں آج تک اس برعظیم کے کونے کونے میں پھیلی ہوئی ہیں حضرت خواجہ نے اجمیر شریف میں قدم رنجہ فرمانے کے بعد اپنے لئے عبادت خانہ اور باورچی خانہ تعمیر کرایا چنانچہ جس جگہ حضرت کا باورچی خانہ تھا اسی جگہ آج کل آپ کا روضۂ مبارک ہے۔

حضرت کی سادہ زندگی اور غیر معمولی ریاضت

حضرت کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ آپ کی کم خوراکی کا یہ عالم تھا کہ اکثر تین روز کے بعد روٹی کے خشک ٹکڑے پانی میں تر کر کے نوش فرماتے تھے۔ اور ان خشک ٹکڑوں کی بھی مقدار مشکل سے ڈیڑھ دو تولہ ہوتی تھی۔ لباس نہایت ہی سادہ پہنتے تھے۔ جب آپ کے کپڑے پھٹ جاتے تھے تو خود ہی اپنے ہاتھ سے پیوند لگا لیتے تھے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ میں بیس برس حضرت کی خدمت اقدس میں رہا لیکن میں نے کبھی یہ نہیں سُنا کہ حضرت نے کبھی اپنی صحت کے لئے دعا مانگی ہو بلکہ اکثر یہ دُعا مانگا کرتے تھے کہ "الٰہی جہاں کہیں درد اور محنت ہو وہ اپنے بندے معین الدین کو عنایت فرما۔" میں نے از راہ گستاخی ایک مرتبہ عرض کیا "یا حضرت آپ اپنے لئے یہ کیسی دُعا مانگا کرتے ہیں؟" آپ نے فرمایا "جب کوئی مسلمان درد میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے گناہ مُعاف ہو جاتے ہیں اور درد میں مبتلا ہونا مسلمان کے لئے صحت ایمان کی دلیل ہے۔"

آپ بہت بڑے عباد تگذار اور دُرویش شب زندہ دار تھے۔ آپ نے پا پیادہ بے شمار حج کئے ہیں۔ آپ کے بارے میں مذکور ہے کہ آپ ہر شب اجمیر سے خانہ کعبہ کے طواف

کے لئے جاتے تھے۔ چنانچہ خانہ کعبہ میں جو لوگ آپ کے شناسا تھے وہ آپ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے لیکن اجمیر کے خدام یہی سمجھتے تھے کہ آپ اپنے حجرہ میں مصروف عبادت ہیں۔ آپ مسلسل ستر برس تک رات کو نہیں سوئے اور اس مدت میں پہلوئے مبارک کو زمین سے نہیں لگایا۔ آپ صائم النہار اور قائم الیل تھے۔ قضائے حاجت کے وقت کے علاوہ آپ ہمیشہ باوضو رہتے تھے۔

حضرت کو دستِ غیب حاصل تھا

حضرت کی بظاہر اگرچہ کوئی آمدنی نہیں تھی لیکن حضرت کے لنگر خانہ کا خرچ بادشاہوں جیسا تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ فرماتے ہیں کہ "میں بیس سال تک حضرت کی خدمت بابرکت میں رہا لیکن میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ آپ نے اشارۃً بھی کسی کے سامنے اپنی کسی ضرورت کا اظہار کیا ہو۔ جب آپ کا باورچی خانہ سرد ہو جاتا اور خادم آکر عرض کرتا تو آپ جانماز اُلٹ دیتے اور خادم سے فرماتے جس قدر آج اور کل کے لئے رقم کی ضرورت ہو وہ اُٹھا لو۔ اسی طرح جب کوئی حاجتمند یا غریب آتا تو جانماز کے نیچے سے اس کو حسب ضرورت مل جاتا۔"

آپ کبھی کسی پر غصہ نہیں ہوتے تھے لیکن ایک روز آپ اپنے مرید شیخ علی نامی کے ہمراہ کہیں تشریف لئے جا رہے تھے کہ راستہ میں آپ کے مُرید شیخ علی کو ایک قرضخواہ نے پکڑ لیا اور کہا کہ جب تک میرا قرض ادا نہ کرو گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ آپ نے قرضخواہ سے اپنے مرید کے لئے مہلت مانگی۔ مگر وہ اور بھی سختی کے ساتھ پیش آنے لگا۔ آپ کو غصہ آگیا۔ اور آپ نے غصہ میں چادر مبارک کاندھے سے اُتار کر زمین پر ڈال دی۔ اُسی وقت چادر سونے چاندی کے سکوں سے بھر گئی۔ آپ نے فرمایا جس قدر تیرا قرض ہے اس میں سے لے لے۔ قرضخواہ نے بے اندازہ دولت دیکھی تو اسے طمع نے گھیر لیا اور اس نے اپنے مطالبہ سے زیادہ رقم لینے کی کوشش کی کہ فوراً اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ چلا کر

حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور توبہ کی حضرت نے اس کے خشک ہاتھ پر دستِ مبارک پھیر دیا فوراً اچھا ہو گیا۔

آپ کے حالاتِ زندگی میں اس قسم کے بے شمار واقعات ملتے ہیں کہ آپ مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے اور وہ سونا بن جاتی تھی اور آپ کے ادنیٰ اشارہ پر خزانہ غیب سے سیم وزر کے انبار لگ جاتے تھے۔

حضرت خواجہ بزرگ کی کرامتیں

آپ ہر وقت قرآنِ مجید کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے جب آپ قرآنِ مجید ختم فرماتے تو غیب سے آواز آتی کہ "ہم نے قبول کیا۔"

ایک روز آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ نے آپ سے بطریق نصیحت فرمایا کہ "اے معین الدین تو نے درویشوں کا خرقہ پہنا ہے۔ کام بھی درویشوں کے اختیار کر۔ درویشوں کے کام یہ ہیں۔ فقر و فاقہ۔ رنج و محنت۔ شادی و غم کو برابر سمجھنا۔ بلا و مصیبت پر صبر کرنا۔ غربا اور فقرا سے محبت۔ مسکینوں اور درویشوں کے ساتھ صحبت۔ اہلِ دنیا سے گریز۔" پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر دعا فرمائی کہ "الٰہی معین الدین کو قبول فرما اور مقربِ بارگاہ کر۔" آواز آئی "ہم نے اس کا نام محبوبوں کے زمرہ میں لکھ لیا۔ اور اسے سر کردہ مشائخ کا درجہ عطا کر دیا ہے۔"

بغداد میں آٹھ ایسے مجوسی رہتے تھے۔ جو چھ مہینے کے بعد ایک لقمہ سے روزہ افطار کرتے تھے۔ اور غیب کی باتیں بتاتے تھے۔ اہلِ بغداد ان مجوسیوں کے بے حد معتقد تھے۔ ایک روز یہ آٹھوں آتش پرست آپ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ "اے بے دینو۔ آگ کو پوجتے ہو، آگ کے پیدا کرنے والے کو کیوں نہیں پوجتے۔" انھوں نے جواب دیا کہ "ہم آگ کو اس لئے پوجتے ہیں کہ قیامت کے روز اس سے کام پڑے گا۔ ممکن ہے کہ آج کی آگ کی پرستش کل کام آ جائے اور آگ ہمیں نہ جلائے۔"

آپ نے فرمایا کہ "یہ تمہاری جہالت ہے کہ آتش پرستی کی لعنت میں مبتلا ہو۔ خدا تعالیٰ کی بندگی کروگے تو دُنیا میں بھی عزت حاصل کروگے اور آخرت میں بھی آتشِ دوزخ سے محفوظ رہوگے" مجوسیوں نے کہا کہ "آپ نے اتنے روز عبادت الٰہی کی ہے۔ اگر آگ آپ کو ضرر نہ پہنچائے تو ہم ایمان لے آئیں گے"۔ فرمایا "ہماری جوتی کو بھی آگ ضرر نہیں پہنچا سکتی"۔ یہ فرما کر نعلین مبارک کو آگ میں ڈال کر کہا "خبردار معین الدین کی جوتی کو داغ نہ لگے"۔ آگ فوراً سرد ہوگئی اور حضرت کی نعلین پر داغ تک نہ لگا۔ یہ کرامت دیکھ کر آٹھوں آتش پرست مسلمان ہوگئے آپ کے دستِ حق پر بیعت کی اور بعد کو انھیں مرتبہ ولایت حاصل ہوا۔

حضرت خواجہ کا ایک مخالف جو بظاہر بڑا عقیدتمند بنتا تھا۔ ایک روز چھری بغل میں دبائے حضرت کے قتل کے ارادہ سے آیا۔ آپ بار بار اس کی طرف دیکھتے تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ آخر آپ سے نہ رہا گیا آپ نے فرمایا کہ "بابا فقیروں کے پاس ازراہ صفا آنا چاہیئے یا ازراہ خطا"۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ اس نے چھری بغل سے نکال کر پھینک دی اور سچے دل سے حضرت کا مُرید ہوگیا۔

ایک روز ایک مُرید حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ اور والی شہر کے ظلم وستم کی شکایت کرتے ہوئے حضرت سے کہا کہ "اس حاکم نے خلق خدا کو بے حد پریشان کر رکھا ہے"۔ آپ نے پوچھا "اس وقت وہ ظالم کہاں ہے"۔ مُرید نے عرض کیا کہ "ابھی ابھی سوار ہوکر میدان کی طرف گیا ہے"۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "وہ گھوڑے سے گر کر مر گیا اور خلق خدا کو اس سے نجات مل گئی"۔ مُرید تحقیق حال کے لئے میدان کی جانب گیا تو اس نے دیکھا کہ والی شہر واقعی گھوڑے سے گر کر مر چکا ہے۔ اور خلق خدا اس کی لاش کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

ایک شخص روتا ہوا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ "میرے لڑکے کو ظالم حاکم نے بے گناہ قتل کر دیا ہے۔ میں حضور سے طالب انصاف ہوں"۔ حضرت خواجہ یہ سُن کر اس کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ اور اس کے بیٹے کی لاش کے قریب جا کر کھڑے ہوگئے آپ نے

مقتول لڑکے کے سر کو جسم سے ملا کر ارشاد فرمایا کہ "اے نوجوان اگر ظالم حاکم نے تجھ کو ناحق قتل کیا ہے تو بحکم الٰہی زندہ ہو جا"۔ لڑکا اسی وقت زندہ ہو گیا۔

ایک روز آپ تشریف فرما تھے شیخ احدالدین اور شیخ شہاب الدین بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے کہ شمس الدین تیر کمان لئے ادھر سے گذرا۔ آپ نے شمس الدین کو دیکھ کر فرمایا کہ "یہ لڑکا دہلی کا بادشاہ ہوگا"۔ چنانچہ حضرت کی پیشین گوئی کے مطابق سلطان شمس الدین التمش دہلی کا بادشاہ ہوا۔ یہ بادشاہ فقیر منش اور درویش دوست تھا۔

حضرت خواجہ کے ارشادات

آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ "جو شخص معین الدین اور فرزندان معین الدین کا مرید ہوگا اس کے بغیر معین الدین بہشت میں ہرگز قدم نہیں رکھے گا"۔ لوگوں نے پوچھا حضرت فرزندوں سے کون لوگ مراد ہیں۔ فرمایا "خلفاء" پھر ارشاد ہوا کہ "قیامت تک جو لوگ اس سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ ان کو نجات کی پوری امید رکھنی چاہیئے"۔

حضرت فرماتے ہیں کہ "ایک روز میں خانہ کعبہ میں مشغول ذکر تھا کہ آواز آئی کہ "اے معین الدین ہم تجھ سے خوش ہوئے اور تیرے گناہ بخش دئے"۔ میں نے عرض کیا کہ "الٰہی تو نے اپنے فضل و کرم سے مجھ کو تو بخش دیا لیکن میں امیدوار ہوں کہ میرے تمام مریدوں اور مریدوں کے مریدوں کو بھی بخش دے"۔ آواز آئی کہ "ہم نے ان کو بھی بخش دیا"۔

آپ کا ارشاد ہے کہ "عاشق کا دل محبت کا آتشکدہ ہے۔ ماسوائے محبت الٰہی جو کچھ اس میں آتا ہے جل کر نیست نابود ہو جاتا ہے اس لئے کہ آتش محبت سے زیادہ تیز کوئی آگ نہیں"۔

آپ نے فرمایا "ندیوں اور نہروں کی آواز سنتے ہو کس زور سے آتی ہے لیکن جب ندی اور نہریں سمندر میں مل جاتی ہیں تو سارا شور ختم ہو جاتا ہے اسی طرح جو طالب واصل بحق ہو جاتا ہے تو گم ہو جاتا ہے اور اس کا جوش و خروش دور ہو جاتا ہے"۔

ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "حضرت پیر و مرشد کا قول ہے کہ جس شخص میں تین خصلتیں ہوتی ہیں حق تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے۔ اوّل سخاوت جیسے دریا کی سخاوت۔ دوسرے شفقت جیسے آفتاب کی شفقت۔ تیسرے تواضع جیسے زمین کی تواضع"۔

آپ کا ارشاد ہے کہ "نیکوں کی صحبت کار نیک سے بہتر ہے۔ اور بدوں کی صحبت کار بد سے بدتر ہے"۔

آپ نے فرمایا کہ "مرید اس وقت توبہ میں پختہ ثابت ہوتا ہے کہ بائیں طرف کے فرشتہ کو بیس سال تک گناہ کے لکھنے کی نوبت نہ آئے"۔

آپ نے اپنے مریدوں سے ارشاد فرمایا کہ "میرے پیر و مرشد فرماتے تھے کہ انسان اس وقت فقیری کا مستحق ہوتا ہے۔ جب دنیا میں اس کے لئے کوئی چیز باقی نہ رہے"۔

آپ نے فرمایا کہ "ایک درجہ ایسا ہے کہ جب عارف اس درجہ پر پہنچتا ہے تو اسے سارا عالم دو انگلیوں کے مابین دکھائی دیتا ہے۔ اور عارف وہ ہے کہ جو چاہے ہو جائے"۔

آپ نے فرمایا کہ "جب کوئی بندہ محبت الٰہی میں آئینہ دل کو آلائش دنیا کے زنگ سے پاک کرتا ہے تو ذکر حق کے ساتھ اسے انس ہو جاتا ہے۔ اور جب ماسوا کی ہستی درمیان میں سے اٹھ جاتی ہے تو یگانہ حق ہو جاتا ہے۔ اس کے بغیر واصل حق نہیں ہو سکتا"۔

آپ نے فرمایا کہ "عارف کی محبت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس میں صفات حق جلوہ گر ہو جائیں اور اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی دعویٰ کر کے آئے تو اس کو قوت کرامت سے الزام دے"۔ نیز فرمایا کہ "عارف وہ ہے کہ ماسوا کو دل سے مٹا دے"۔

آپ کا ارشاد ہے کہ "مسلمان کو گناہ اتنا ضرر نہیں پہنچاتا جتنا کہ مسلمان بھائی کو ذلیل اور خوار کرنا"۔

آپ نے فرمایا کہ "معرفت میں خاموش رہنا خداشناسی کی علامت ہے۔ عارف وہ ہے جو خاموش اور اندوہگیں رہے"۔

آپ نے فرمایا کہ "اہلِ محبت کا گروہ وہ گروہ ہے جن میں اور حق تعالیٰ میں کوئی حجاب باقی نہیں رہتا"۔

آپ کا ارشاد ہے کہ "مردِ مومن کی چار چیزیں ہیں۔ اوّل درویشی میں اظہار تونگری دوسرے بھوک میں اظہار سیری۔ تیسرے غم میں اظہار خوشی۔ چوتھے دشمن کے ساتھ اظہارِ دوستی"۔

آپ نے فرمایا کہ "میرے پیرو مرشد ارشاد فرماتے تھے کہ مسلمان تین چیزوں کو دوست رکھے، اوّل درویشی کو، دوسرے بیماری کو، تیسرے موت کو جو شخص ان چیزوں کو دوست رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور فرشتے اس کو دوست رکھتے ہیں اور اس کا بدلہ بہشت ہے"۔

آپ کا ارشاد ہے کہ "درویش وہ ہے کہ جب کوئی حاجتمند اس کے پاس آئے تو محروم نہ جائے۔ عارف وہ ہے کہ کونین سے دل برداشتہ ہو۔ اور متوکل وہ ہے کہ مخلوق سے بار بار رنج اُٹھائے مگر بھول کر بھی شکایت نہ کرے"۔

آپ نے فرمایا کہ "عارف کی یہ علامتیں ہیں۔ موت کو دوست رکھنا۔ راحت کو چھوڑ دینا اور ذکرِ الٰہی سے مانوس رہنا"۔

آپ کا ارشاد ہے کہ "عارفین آفتاب کی مثال ہیں کہ تمام عالم پر سایہ فگن ہیں۔ سارا عالم اُن کے نور سے روشن رہتا ہے۔ نماز کے بغیر سالک منزلِ قریب کو نہیں پہنچتا کیونکہ نماز مؤمن کی معراج ہے"۔

آپ نے فرمایا کہ "ایک مدّت تک میں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر جب میں حق سے واصل ہو گیا تو کعبہ میرا طواف کرنے لگا"۔

آپ کا ارشاد ہے کہ "عارف اس کو کہتے ہیں کہ اگر ہر روز لاکھ کرشمے اسرارِ تجلی کے اس پر نازل ہوں تو ان کا ذرا بھی اظہار نہ کرے"۔

آپ نے فرمایا کہ "اہلِ محبت کی توبہ تین قسم کی ہے۔ اوّل ندامت۔ دوسرے ترکِ معاملت تیسرے مطلب سے بے لوثی"۔

آپ کا ارشاد ہے کہ "جب ہم سانپ کی طرح کینچلی سے باہر نکلے تو عشق۔ عاشق اور معشوق کو ایک ہی پایا"۔

آپ نے فرمایا کہ "ایک بزرگ ایک قبر کے سرہانے بیٹھے تھے اور اس میت پر عذاب ہو رہا تھا۔ بزرگ نے یہ حال مشاہدہ کر کے ایک نعرہ مارا اور جاں بحق تسلیم ہو گئے اور ایک ساعت کے بعد پانی ہو کر بہہ گئے۔ اے غافلو اگر تمہیں مُردوں کے حال سے واقفیت ہو جائے اور ان کے عذاب کی کیفیت دیکھ سکو تو ہیبت کے مارے نمک کی طرح پگل کر بہہ جاؤ"۔

حضرت کی ازواج عالیہ اور اولاد

جب اجمیر شریف پر سلطان محمد غوری کا تسلط ہو گیا اور راجہ پرتھوی راج اسیر ہو کر مارا گیا تو محمد غوری نے اپنی طرف سے سید وجیہ الدین اور میر سید حسین کو جو سادات عالی نسب اور شریف خاندان سے تھے تارا گڈھ اور اجمیر کی حکومت پر مامور کیا۔ اُمرائے سادات کے اس تقرر کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ "اے معین الدین تم احکام شریعت کی بجا آوری میں تو بڑی خوبی سے کوشش کر رہے ہو مگر تم نے اب تک طریقہ سُنت کے مطابق عقد شریعت کیوں نہیں کیا"۔ رسول اللہ صلعم کے اس ارشاد کے بعد جب حضرت نے عقد کا ارادہ کیا تو سید وجیہ الدین نے خواب میں حضرت امام جعفر صادقؓ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ "اپنی بیٹی بی بی عصمت کا نکاح خواجہ صاحب سے کر دے"۔ اس خواب کے دیکھنے کے بعد سید وجیہ الدین صبح کو حضرت خواجہ غریب نواز کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت سے خواہش ظاہر کی کہ حضرت ان کی بیٹی کو قبول فرمالیں۔ حضرت نے اس رشتہ کو قبول فرمالیا۔

حضرت کا دوسرا نکاح بی بی اُمت اللہ سے ہوا تھا۔ جن کی بابت بیان کیا جاتا ہے کہ

وہ ایک راجپوت راجہ کی بیٹی تھیں جو ملک خطاب حاکم قلعہ بیٹلی کو مالِ غنیمت میں ملی تھیں چونکہ ملک خطاب حضرت کا مُرید تھا۔ اس لئے اس نے ان کو حضرت کی نذر کر دیا آپ نے قبول فرماکر مسلمان کیا اور امت اللہ نام رکھنے کے بعد ان سے نکاح فرمالیا۔

ان دونوں ازواجِ عالیہ سے ایک صاحبزادی اور تین فرزند پیدا ہوئے جن کے نام نامی یہ ہیں۔ بی بی جمال۔ حضرت شیخ ابو سعید۔ حضرت شیخ فخر الدین حضرت شیخ حسام الدین۔ حضرت محمد گیسو دراز کا بیان ہے کہ بی بی عصمت کے بطن سے صرف حضرت ابو سعید تولد ہوئے تھے۔ باقی تین اولادیں حضرت کی نو مسلم بیوی بی بی امت اللہ سے تھیں۔

حضرت خواجہ غریب نواز ازدواجی زندگی میں کس عمر میں داخل ہوئے اس کے بارے میں تذکرہ نویسوں کا اختلاف ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق تو آپ نے رسول اللہ صلعم کی ہدایت کے بعد ۷۹ سال کی عمر میں شادی کی تھی۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ آپ ۸۹ سال کی عمر میں ازدواجی زندگی میں داخل ہوئے تھے یعنی آپ نے بالکل آخر عمر میں ازدواجی رشتہ قبول کیا اور وہ بھی اس صورت میں جبکہ آقائے دوجہاں رسول اللہ صلعم نے آپ کو ہدایت فرمائی۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی وفات

حضرت خواجہ غریب نواز کو اپنی وفات سے قبل ہی اپنی رحلت کی اطلاع مل گئی تھی چنانچہ آپ نے وفات سے چندروز پیشتر اس پیش آنے والے حادثہ سے اپنے متوسلین کو آگاہ فرمادیا تھا۔ چنانچہ وفات سے قبل آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوگئی تھی وہی کیفیت جو کسی عاشق پر محبوب سے ملنے سے قبل طاری ہوتی ہے۔

حضرت نے اپنی وفات سے چندروز قبل حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمتہ اللہ علیہ کو خلیفہ مقرر فرمایا۔ اپنے ہاتھ سے عمامۂ خاص زیبِ سر کیا۔ اور قطبِ جہاں کا خطاب عطا فرمانے کے بعد آپ کو راہِ سلوک کے سلسلہ میں ہدایتیں فرمائیں۔ اس کے

بعد دہلی کے لئے رخصت فرمادیا۔

۵ رجب ۶۳۳ھ کی شام کو آپ پر ایک خاص کیفیت کا بہت زیادہ غلبہ ہوگیا۔ چنانچہ بعد نمازِ عشاء حضرت خواجہ غریب نواز نے حجرہ کا دروازہ بند فرمانے کے بعد خدام کو اندر آنے سے منع فرمادیا۔ خدام تمام رات حجرہ کے دروازہ پر حاضر رہے اور صدائے وجد سنتے رہے لیکن آخیر شب میں آواز آنی موقوف ہوگئی

نماز فجر کے وقت خدام دروازہ کھلنے کا انتظار کرتے رہے۔ جب دروازہ نہ کھلا تو خدام نے دستک دی۔ کوئی جواب نہ آیا تو دروازہ توڑا گیا۔ دیکھا کہ آپ واصل حق ہو چکے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی رحلت ۹۶ سال کی عمر میں بروز اتوار ۶ رجب ۶۳۳ھ (۱۲۳۶ء) کو ہوئی تھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ بعد انتقال حضرت کی جبینِ مبارک پر یہ عبارت بخط نور لکھی ہوئی تھی۔ حَبِیْبُ اللّٰهِ مَاتَ فِیْ حُبِّ اللّٰه۔ یعنی خدا کا دوست خدا کی محبت میں فنا ہوگیا۔ جب جسدِ مقدس قبر میں اتارا گیا تو پیشانی کا نور آفتاب کی طرح چمکتا تھا جس سے زمین وآسمان اور در و دیوار منور ہوگئے۔

تذکروں میں لکھا ہے کہ جس شب کو حضرت خواجہ غریب نواز واصل حق ہوئے اس رات کو بعض اولیا اللہ نے حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں کہ "ہم خدا کے دوست معین الدین کے استقبال کے لئے آئے ہیں"

آپ کا روضۂ اقدس اجمیر شریف میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ ہر وقت روضۂ مبارک پر میلہ لگا رہتا ہے۔ اس روضۂ مبارک کی سب سے پہلے خواجہ حسین ناگوری نے تعمیر کرائی اور پھر شاہانِ وقت اور عقیدتمند اس میں مزید عمارتوں کا اضافہ کرتے رہے حضرت کا عرس یکم رجب کو شروع ہوکر ۶ رجب کے قل پر ختم ہوتا ہے۔

حضرت کے زمانہ میں ہندوستان کے مسلمان بادشاہ

حضرت نے

جس زمانہ میں ہندوستان میں قدم رکھا تھا یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان میں غزنوی حکومت کا ستارۂ اقبال غروب ہو چکا تھا۔ اور اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد اس برِ عظیم کے مسلمان نہایت ہی سراسیمگی اور پریشانی کے عالم میں تھے۔ چنانچہ خود حضرت غریب نواز کو بھی ہندوستان کے غیر مسلم حکمرانوں کے ہاتھوں شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ کی آمد کے فوراً بعد ہی ہندوستان میں محمد غوری نے اسلامی حکومت قائم کر کے ایک ایسی سلطنت کی داغ بیل ڈال دی جو آٹھ سو برس تک ہندوستان پر حکمرانی کرتی رہی۔

آپ کی آمد کے بعد ہندوستان میں جو سب سے پہلا مسلمان بادشاہ ہوا ہے وہ محمد غوری تھا۔ جو چند سال کے بعد ہی قرامطہ کے ہاتھوں شہید ہو گیا۔ محمد غوری کے بعد قطب الدین ایبک ۶۰۲ھ (۱۲۰۶ء) میں تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد آرام شاہ ۶۰۷ھ (۱۲۱۰ء) میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ پھر اسی سال شمس الدین التمش تخت پر بیٹھا۔ التمش کے بعد رکن الدین کو ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) میں تخت نشین کیا گیا۔ گویا حضرت کے دورِ حیات میں ہندوستان کے تخت پر پانچ بادشاہوں نے فرمانروائی کی۔

بادشاہوں کی حضرت سے عقیدت

ہندوستان کے بیشتر مسلمان بادشاہ نہ صرف حضرت خواجہ غریب نواز کے زمانۂ حیات میں آپ کے ساتھ اپنی انتہائی عقیدت کا اظہار کرتے رہے ہیں بلکہ آپ کے وصال کے بعد بھی آپ کے روضہ مبارک کے سامنے ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں بادشاہوں کی گردنیں برابر جھکی رہی ہیں۔ چنانچہ شاہانِ غلامان کے بعد تغلق، خلجی، لودھی اور مغل بادشاہوں نے ہمیشہ ہی آپ کی ذات گرامی کے ساتھ انتہائی عقیدت کا اظہار کیا ہے شہنشاہ اکبر کی حالت تو یہ تھی کہ وہ جب کسی بڑی مہم کو شروع کرتا تھا تو سب سے پہلے حضرت خواجہ غریب نواز کے روضہ مبارک پر حاضری دیتا تھا۔ اکبر نرینہ اولاد سے محروم تھا۔ حضرت کے روضہ مبارک پر حاضر ہونے کے بعد جب وہ گھر آیا تو خدا نے اسے جہانگیر جیسا فرزند

عطا کیا۔ اکبر نے کئی مرتبہ آگرہ سے پا پیادہ چلکر آپ کے روضۂ مقدس پر حاضری دی ہے۔
جہانگیر کو بھی حضرت کے روضہ اقدس سے بے حد عقیدت تھی۔ یہی عالم شاہجہاں کا تھا
غرضکہ آپ کا روضۂ مبارک وہ مقدس مقام ہے جس کے رو برو گذشتہ آٹھ سو برس سے نہ
صرف عوام بلکہ شاہانِ وقت تک کے سر جھکے رہے ہیں۔ انگریزی دورِ حکومت میں آپ
کے روضہ مبارک سے انگریز حکمرانوں کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی ہندوستان میں کوئی
بھی نیا وائسرائے آتا تھا وہ اولین فرصت میں حضرت کے روضہ اقدس پر سلام کے لئے حاضر
ہونا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ انگریزی حکومت کے خاتمہ کے بعد اب حکومت ہند کے ذمہ دار
ارکان بھی برابر اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ حضرت کے روضہ مبارک کے احترام میں
کوئی فرق نہ آنے پائے +

حضرت داتا گنج بخش

ابوالحسن علی ہجویری

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت داتا گنج بخش ابوالحسن علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت داتا گنج بخش ابوالحسن ہجویری لاہوری نے اس نازک زمانہ میں ہندوستان کو اپنی روحانی تجلیوں سے معمور کیا تھا جبکہ ہندوستان میں الحاد اور بے دینی کی تاریکی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ تاریخ اور سیر کی کتابوں سے اس کا تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ آپ کس سنہ میں ہندوستان تشریف لائے تھے لیکن اتنا سراغ ضرور ملتا ہے کہ آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کی آمد سے بھی قبل ہندوستان آچکے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سلطان محمود غزنوی کے جانشین پنجاب پر حکومت کر رہے تھے۔ عام خیال ہے کہ آپ یا تو سلطان محمود غزنوی کے آخری دورِ حکومت میں پنجاب تشریف لائے تھے یا محمود غزنوی کے جانشینوں کے دورِ حکومت میں لاہور آکر قیام پذیر ہوگئے تھے۔

حضرت داتا گنج بخش کی ابتدائی زندگی

حضرت داتا گنج بخش کی ابتدائی زندگی پر بڑی حد تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ کتب سیر کے مطالعہ سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ کا شجرہ نسب حضرت امام حسین ؑ سے جا کر ملتا ہے۔ اور آپ کے آباؤ اجداد علاقہ غزنی میں آباد تھے۔ قصبہ ہجویری جو علاقہ غزنی میں ہے اس کو آپ کی جائے پیدائش ہونے کا فخر حاصل ہے۔ چنانچہ اسی قصبہ کے نام کی رعایت سے آپ ہجویری کہلائے۔

آپ کی علمی استعداد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے زمانہ کے صفِ اول کے علما میں شمار ہوتے تھے۔ کتب سیر میں لکھا ہے کہ علوم ظاہری اور باطنی کی تکمیل کے بعد آپ سالہا سال تک شام۔ عراق۔ ایران۔ آذربائیجان۔ طبرستان۔ کرمان۔ خراسان ماوراالنہر۔ ترکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کی سیاحت فرماتے رہے۔ آپ چین تک

میں بھی گئے وہاں کے علمائے طریقت سے آپ نے استفادہ حاصل کیا۔

ہندوستان میں آپ کی آمد

ہندوستان میں آپ کی آمد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کا کہنا ہے کہ آپ ۴۲۸ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور بعض کی یہ رائے ہے کہ آپ ۴۳۸ھ میں وارد ہندوستان ہوئے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اپنے پیر و مرشد کے حکم سے ہندوستان آئے تھے چنانچہ آپ کو اپنے پیر و مرشد کی جانب سے حکم ملا تھا کہ :۔

▪ ہندوستان جاؤ اور وہاں جانے کے بعد اس ملک سے کفر اور بے دینی کو ختم کرو۔"

اس حکم کے ملنے کے بعد آپ ہندوستان کے لئے روانہ ہو گئے۔ اور لاہور آنے کے بعد آپ نے قیام فرمایا۔ اور آخر عمر تک لاہور ہی میں بیٹھ کر ہندوستان کے تشنگان معرفت کی پیاس بجھاتے رہے۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ نے آپ کے مزار مبارک پر چلّہ کیا تھا۔ چلّہ سے فارغ ہونے لگے تو آپ نے حضرت ابوالحسن علی ہجویری کی شان میں یہ شعر پڑھا :ے

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا

ناقصاں را پیرِ کامل کاملاں را رہنما

روحانیت کے شہنشاہِ اعظم حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ جس بزرگ کے مزار مبارک پر چلّہ کشی کریں اور جس کی شان میں مندرجہ بالا شعر فرمائیں اس کا درجہ دنیائے معرفت میں کیا ہوگا۔ اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے کہا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے اسی شعر کی وجہ سے آپ گنج بخش کے نام سے مشہور ہوئے۔

بعض سیرت نویسوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ حضرت بابا فرید الدین گنجشکرؒ نے بھی آپ کے مزار مبارک پر چلّہ کیا تھا۔ غرضکہ آپ کا مزارِ مبارک وہ مقدس آستانہ ہے جس سے

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح اور حضرت بابا فرید الدین گنجشکر جیسے روحانی پیشواؤں نے بھی فیض حاصل کیا ہے۔

آپ کا مزار مبارک مرجع خلائق

آپ کا مزار مبارک جو وسط لاہور میں واقع ہے صدیوں سے مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ آپ کے مزار مبارک پر خواص اور عوام کی رجوعات کا یہ عالم ہے کہ ہر روز میلہ سا لگا رہتا ہے۔ اور جمعرات کو تو اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ کئی کئی فرلانگ تک انسانی سروں کا ایک سمندر سا لہراتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

آپ کے مزار مبارک کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہاں حاضری کے بعد بے چین قلب کو ایک اطمینان اور سکون سا حاصل ہو جاتا ہے۔ کتب سیر کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ۴۶۵ھ ہجری میں اس دنیا سے رحلت فرمائی تھی۔

حضرت قطب الاقطاب
خواجہ قطب الدین بختیار کاکی
رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ

ہندوستان اور پاکستان کے روحانی شہنشاہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اس برِ عظیم میں جس شمع رسالت کو روشن فرمایا تھا اس کی روشنی کو اس ملک میں پھیلانے میں سب سے زیادہ جس متبرک ہستی نے حصہ لیا وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات بابرکت ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اگر ہندوستان کے روحانی تاجدار ہیں تو آپ کے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی اس برِ عظیم کے سلطان الاولیا ہیں۔ آپ کے فیض اور کرم کی بارش اس ملک میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک ہوتی رہی اور اب بھی جاری ہے۔ غرضکہ آپؒ کے روحانی تصرف کی بدولت اس برِ عظیم میں اسلام خوب پھولا پھلا۔

حضرت خواجہ قطب الدین کی ابتدائی زندگی

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اگرچہ تذکرہ نویسوں نے اختلاف کیا ہے۔ لیکن عام قیاس یہ ہے کہ آپ ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ء) میں اوش میں پیدا ہوئے تھے۔ (اوش ماوراالنہر کے علاقہ میں واقع ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرح آپ بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں چنانچہ آپ کا سلسلۂ نسب ۱۴ پشتوں کے بعد حضرت امام حسینؑ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد محترم کا نام نامی خواجہ کمال الدین تھا۔ جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگ تھے حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرح آپ بھی بچپن ہی میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے تھے جس وقت آپ کے والد محترم کا انتقال ہوا آپ کی عمر صرف ڈیڑھ سال تھی۔

حضرت قطبُ الدین بختیار کاکیؒ چونکہ پیدائشی ولی تھے اس لئے بچپن ہی سے آپ کی ذاتِ گرامی سے کرامتوں کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ جو تنہا آپ کی کفیل اور نگراں تھیں جب انھوں نے آپ کے باطنی جوہر دیکھے تو تعلیم کی فکر ہوئی۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ پڑھنے کے قابل ہوئے تو آپ کی والدہ محترمہ نے اپنے کسی پڑوسی کو بلا کر اس سے کہا کہ "اس بچہ کو کسی مکتب میں بٹھا آؤ"۔ یہ پڑوسی حضرت کو مکتب میں بٹھانے جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک بزرگ ملے اور انھوں نے پڑوسی سے پوچھا کہ "یہ بچہ کس کا ہے"۔ پڑوسی نے جواب دیا کہ "یہ ایک بیوہ کا بچہ ہے جسے میں کسی مکتب میں داخل کرنے لے جا رہا ہوں"۔ ان بزرگ نے پڑوسی سے کہا کہ "بھائی یہ کام تم میرے سپرد کر دو۔ میں اس بچہ کو ایک ایسے اُستاد کے پاس پہنچا دوں گا جس کی تعلیم اور صحبت سے یہ لاثانی انسان بن جائے گا"۔ پڑوسی نے جواب دیا "بسم اللہ آپ جہاں مناسب سمجھیں اس کی تعلیم کا بندوبست فرما دیں"۔

پڑوسی اور یہ بزرگ دونوں حضرت قطب الدین بختیار کاکی کو اپنے ساتھ لیکر ابو حفص نامی ایک بزرگ کے مکان پر پہنچے۔ ابو حفص اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگ اور عالمِ دین تھے۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی سے بھی سرفراز کیا تھا۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی جب پڑوسی اور بزرگ کے ہمراہ ابو حفص کے پاس پہنچے تو بزرگ نے حضرت خواجہ کا ہاتھ ابو حفص کے ہاتھ میں دیکر کہا۔ "ابو حفص یہ بچہ ایک روز سلطان الاولیا ہونے والا ہے۔ اسے خاص غور اور توجہ سے پڑھانا"۔ یہ کہکر وہ بزرگ فوراً باہر چلے گئے۔ ابو حفص نے پڑوسی سے پوچھا "جانتے ہو یہ کون بزرگ تھے"۔ اس نے کہا "جی نہیں۔ اتفاق سے آج ہی یہ مجھے راستہ میں مل گئے تھے۔ اس سے پہلے میں نے ان کو کبھی نہیں دیکھا"۔ ابو حفص نے فرمایا "یہ حضرت خضر علیہ السلام تھے"۔ غرضکہ اس عجیب و غریب طریقہ پر حضرت خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکی کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور آپ نے ابو حفص کی تعلیم سے خوب لیاقت حاصل کی۔ یہاں تک کہ آپ بہت

تھوڑے عرصہ میں پورے عالم دین بن گئے۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی کو پیر کامل کی تلاش

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد حضرت کو اپنے اُن باطنی جوہروں کو اُجاگر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جو بچپن ہی سے آپ کے اندر موجود تھے۔ اور آپ اس فکر میں مستغرق رہنے لگے کہ آپ کو کوئی ایسا مرد کامل مل جائے جو آپ کو راہ سلوک کی منزلیں طے کرا دے۔ چنانچہ آپ پیر کامل کی تلاش میں اُوش سے چلدئے۔ اور پھرتے پھرتے بغداد جا پہنچے۔ اس زمانہ میں بغداد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کا بڑا شہرہ تھا۔ لہذا آپ ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی بارگاہ اقدس میں باریاب ہوئے اور مریدوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔

مُرید ہونے کے بعد آپ رات دن حضرت خواجہ بزرگ کی خدمتِ بابرکت میں حاضر رہتے۔ اور زمانہ دراز تک حضرت کے ساتھ عبادت و ریاضت میں شریک رہے۔ یہاں تک کہ آپ نے راہِ سلوک کی تمام دُشوار گذار منزلیں طے فرمالیں۔ اور آپ کو وہ دُرِ مقصود حاصل ہو گیا جس کی تلاش میں آپ اپنے وطن سے نکلے تھے۔

حضرت قطب الدین کی ہندوستان میں آمد

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ جب بغداد سے ہندوستان چلے آئے اور اجمیر شریف میں مستقل قیام فرمالیا تو حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کو حضرت کی جُدائی بے حد شاق گذرنے لگی۔ چنانچہ آپ نے بھی ترک وطن کر کے ہندوستان جانے کا فیصلہ کرلیا چنانچہ آپ ہندوستان کے لئے روانہ ہو گئے۔ غرضکہ آپ دشوار گذار منزلیں طے کرتے ہوئے ملتان پہنچے۔ وہاں کچھ دن حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے ہاں مہمان رہ کر دہلی روانہ ہو گئے۔

جب آپ دہلی کے لئے روانہ ہونے لگے تو سلطان ناصرالدین قباچہ اور سارے ملتان والے آپ سے عرض کرنے لگے کہ "یہاں سے نہ جائیے" لیکن آپ اپنے پیر کے عشق میں ایسے سرشار تھے کہ وہاں سے فوراً روانہ ہو گئے۔ پیر کی محبت ہی آپ کو ہندوستان کھینچ کر لائی تھی۔ جب آپ دہلی تشریف لائے تو یہاں آکر آپ نے حضرت خواجہ بزرگ کی خدمت میں اس مضمون کی ایک عرضی روانہ کی۔

"حضور کی قدم بوسی کا شوق کشاں کشاں یہاں تک لے آیا ہے۔ اب ارشاد ہو تو آستانہ عالی پر حاضر ہو کر جبہ سائی کا شرف حاصل کروں"۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو جب اجمیر شریف میں یہ عرضی ملی تو آپ نے جواب میں لکھا کہ

"قرب رُوحانی کے مقابلہ میں بعد جسمانی کوئی چیز نہیں۔ ہمارے تمہارے لئے دُوری اور نزدیکی یکساں ہے تمہیں دہلی ہی میں قیام کرنا چاہیئے میں خود وہاں آکر تم سے ملوں گا"۔

حضرت بختیار کاکیؒ کا دہلی میں مستقل قیام

خواجہ غریب نوازؒ کے اس حکم کے بعد حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دہلی کے باہر موضع کلوکھڑی میں دریائے جمنا کے کنارے قیام فرما لیا۔ حضرت کا قیام فرمانا تھا کہ دہلی اور دہلی کے گرد و نواح میں حضرت کے کمالات کی شہرت پھیل گئی پھر کیا تھا ہر وقت اس قصبہ میں خلق خدا کا بے پناہ ہجوم رہنے لگا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سلطان شمس الدین التمش ہندوستان پر فرمانروائی کر رہا تھا۔ التمش بہت بڑا صاحب اعتقاد اور درویش دوست بادشاہ تھا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ حضرت دہلی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اور قصبہ کلوکھڑی میں قیام فرما ہیں تو دوڑا ہوا آیا اور حاضر خدمت ہونے کے بعد عرض کیا کہ "حضور اس جنگل سے شہر میں تشریف لے چلیں اور اپنے قدموں سے شہر کو برکت عنایت فرمائیں۔ آپ نے عذر کر دیا کہ "شہر میں کیونکہ پانی کی کمی ہے۔ اس لئے میں

شہر میں نہیں رہ سکتا۔"

حضرت کے انکار کے بعد سلطان شمس الدین التمش کا یہ معمول تھا کہ وہ ہفتہ میں دو مرتبہ قصبہ کلوکھڑی میں آکر حضرت کی زیارت کرتا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد سلطان نے کسی نہ کسی طرح حضرت کو شہر چلنے کے لئے راضی کر لیا۔ چنانچہ حضرت شہر چلے آئے۔ سلطان نے آپ کے قیام کے لئے ایک نہایت ہی مناسب جگہ تجویز کر دی۔ حضرت کا شہر دہلی میں تشریف لانا تھا کہ خلق خدا آپ پر ٹوٹ پڑی۔ خاص وعام۔ امیر وغریب سب آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گئے۔ بادشاہ نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اور امرائے سلطنت مریدوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔

حضرت کا شیخ الاسلام کا عہدہ قبول کرنے سے انکار

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو شہر دہلی میں آئے چند ہی دن گذرے تھے کہ شیخ الاسلام مولانا جمال الدین بسطامیؒ کا انتقال ہو گیا۔ مولانا کے انتقال کے بعد سلطان شمس الدین نے آپ سے درخواست کی کہ آپ شیخ الاسلام کا عہدہ قبول فرمالیں لیکن آپ نے اس عہدہ کے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر یہ عہدہ شیخ نجم الدین صغریٰ کو جو بہت بڑے عالم تھے دیدیا گیا۔

نجم الدین صغریٰ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ملنے والے اور بڑے باخدا شخص تھے لیکن اس عہدہ جلیلہ پر ممتاز ہوتے کے ساتھ ہی ان کا رنگ بالکل بدل گیا۔ ان کی ساری بزرگی اور شان فقیری۔ دنیاوی وجاہت کے نیچے دب کر رہ گئی۔ اور حالت یہ ہو گئی کہ نجم الدین صغریٰ ہر وقت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رح کے درپئے آزار رہنے لگے۔

حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کے پاس دہلی تشریف لائے تو سارا شہر امنڈ کر ان

کی زیارت کے لئے چلا گیا۔ لیکن شیخ نجم الدین صغریٰ اُن سے گہرا تعلق رکھنے کے باوجود محض اس لئے ملنے کے لئے نہیں گئے کیونکہ وہ حضرت بختیار کاکیؒ کے پیر تھے۔ آخر خواجہ اجمیری خود شیخ نجم الدین صغریٰ سے ملنے کے لئے تشریف لے گئے۔ لیکن نجم الدین بجائے اس کے کہ آپ کی آمد کو باعث فخر سمجھتے۔ نہایت بے التفاتی سے پیش آئے اس پر حضرت خواجہ اجمیری نے فرمایا کہ "نجم الدین معلوم ہوتا ہے کہ شیخ الاسلامی نے تمہارا دماغ بگاڑ دیا ہے کہ تم دوستوں کے ساتھ بھی نخوت سے پیش آنے لگے ہو"۔ اس پر نجم الدین صغریٰ اپنے مخالفانہ جذبات اور عناد کو نہ چھپا سکے اور انہوں نے حضرت خواجہ بزرگ سے کہا کہ "حضرت میں تو آپ کا ویسا ہی عقیدت کیش ہوں جیسا کہ پہلے تھا لیکن آپ نے اس شہر میں اپنا ایک ایسا مرید بھیجا ہے کہ جس کے سامنے شیخ الاسلامی کی ذرہ برابر بھی قدر و قیمت نہیں"۔ اس کے جواب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا کہ "خاطر جمع رکھو میں بابا قطب الدین کو اپنے ہمراہ اجمیر لئے جاتا ہوں"۔ اور یہ فرما کر آپ وہاں سے چلے آئے۔

نجم الدین صغریٰ کے ہاں سے واپس آنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز نے حضرت خواجہ قطب الدین سے فرمایا "یہاں تمہاری شہرت سے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ تم میرے ساتھ اجمیر چلے چلو"۔ حضرت خواجہ قطبُ الدین تو دل سے چاہتے تھے کہ ان کو اپنے پیر کے قدموں میں جگہ مل جائے۔ آپ یہی تمنا اور آرزو لیکر ہندوستان آئے تھے۔ لہذا فوراً اجمیر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن جب آپ کی روانگی کی خبر شہر میں پھیلی تو لوگوں میں سخت ہیجان اور اضطراب برپا ہو گیا۔ چنانچہ بادشاہ سے لیکر امیر و غریب تک روتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سب نے یہ التجا کی کہ آپ دہلی چھوڑ کر نہ جائیں۔

حضرت خواجہ بزرگ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے ساتھ عوام کی یہ عقیدت اور محبت دیکھی۔ تو آپ نے ان کو اپنے ساتھ لیجانے کا ارادہ بدل دیا اور فرمایا کہ:۔

"بابا میں تم کو لیجا کر اتنے دلوں کو صدمہ نہیں پہنچانا چاہتا۔ تم یہیں رہو۔ میں تمہیں اللہ کے

سپرد کرتا ہوں اور دہلی کو تمہارے سپرد۔" خواجہ بزرگ کے اس ارشاد اور فیصلہ کے بعد تمام شہر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی لیکن جب شیخ الاسلام کو معلوم ہوا کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کو دہلی ہی میں رہنے کا حکم ہو گیا ہے تو ان کو بے حد صدمہ ہوا۔ غرضکہ شیخ کا بغض و حسد برابر بڑھتا ہی چلا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ نہ صرف شیخ الاسلامی کے عہدہ سے معزول ہوئے بلکہ انتہائی رسوائی اور ذلت کے بعد انہیں موت کا منہ دیکھنا پڑا۔

ریاضت و عبادت

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کو نو عمری کے زمانہ ہی سے عبادت و ریاضت کا شوق تھا۔ چنانچہ آپ کی ریاضت اور عبادت کا یہ عالم تھا کہ آپ دن رات میں نماز کی ڈھائی سو رکعتیں پڑھتے تھے اور روزانہ تین ہزار مرتبہ حضور رسول مقبول صلعم کی روح پاک پر درود بھیجتے تھے۔

رسول مقبول صلعم کے ساتھ حضرت کے عشق کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ قصبہ اوش میں آپ کے ایک مرید نے خواب میں دیکھا کہ رسول مقبول صلعم لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ایک محل کے اندر قیام فرما ہیں اور ایک صاحب عبداللہ مسعود اس محل کے اندر آ رہے ہیں اور جا رہے ہیں اور رسول مقبول صلعم کے پیغامات نام بنام لوگوں کو پہنچا رہے ہیں حضرت خواجہ کے مرید نے عبداللہ مسعود سے کہا کہ "حضور سے عرض کیجئے کہ فلاں شخص آپ کے دیدار کا متمنی ہے"۔ عبداللہ اندر گئے اور حضور کا جواب لائے کہ تم میں ابھی ہمارے دیدار کی اہلیت نہیں ہے۔ تم جاؤ اور قطب الدین سے ہمارا سلام کہہ کر یہ پیغام دینا کہ جو تحفہ تم ہر شب ہمارے لئے بھیجا کرتے تھے۔ تین شب سے وہ ہمارے پاس نہیں پہنچا۔ جب مرید کی آنکھ کھلی تو فوراً حضرت کے پاس دوڑا ہوا گیا، اور اس نے اپنے خواب کی ساری کیفیت حضرت کو سنا دی۔ حضرت نے خواب کا حال سنتے ہی بیوی کو طلاق دیدی اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت نے نکاح کیا تھا اور اس وجہ سے تین شب سے درود شریف کا ورد آپ نہیں کر سکے تھے۔

حضرت کو نو عمری کے زمانہ ہی سے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کا شوق تھا کسی نے آپ کو یہ بتادیا کہ حضرت خضر فلاں مینارے کے پاس روزانہ تشریف لاتے ہیں اور جو شخص وہاں بیٹھ کر شب بیداری کرتا ہے اور دعا مانگتا ہے۔ تو حضرت خضر اس سے ضرور ملاقات کرتے ہیں۔ حضرت فوراً اس مینارہ کے پاس پہنچ گئے اور تمام رات عبادت اور ریاضت میں مصروف رہے لیکن آپ کو کوئی نہ دکھائی دیا آخر مایوس ہو کر گھر روانہ ہو گئے راستہ میں ایک شخص ملا اور اس نے آپ سے پوچھا کہ "خواجہ کہاں گئے تھے۔" آپ نے سارا واقعہ سنادیا۔ اس نے کہا "اگر ملاقات ہو جاتی تو تم ان سے کیا مانگتے۔" آپ نے جواب دیا کہ "خدا کی محبت کے علاوہ اور کیا مانگتا۔" اس شخص نے کہا کہ "میں نے سنا ہے کہ اسی شہر میں ایک بزرگ رہتے ہیں جن کے پاس حضرت خضر خود آیا کرتے ہیں۔" وہ شخص صرف اتنا کہنے پایا تھا کہ ایک سفید ریش بزرگ برابر سے نکل کر سامنے آگئے اور اس شخص نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ "یہ صاحبزادے آپ سے ملنے کے متمنی ہیں۔" حضرت خواجہ سمجھ گئے کہ یہی حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ حضرت خضرؑ کی ملاقات سے حضرت خواجہ بے حد محظوظ ہوئے۔

حضرت خواجہ میں عبادت و ریاضت کا کس قدر بے پایاں ذوق موجود تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نہ سوتے تھے اور نہ آرام فرماتے تھے۔ ۲۴ گھنٹے عبادت الٰہی میں مستغرق رہتے تھے اور آپ کا قاعدہ یہ تھا کہ آپ چھپ کر عبادت فرماتے تھے۔ اور اپنے مریدوں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت شیخ فریدالدین گنجشکر رح نے آپ سے عرض کیا کہ "میں ایک مقررہ وقت پر اوراد و وظائف کرنا چاہتا ہوں۔" حضرت خواجہ نے منع فرمایا اور کہا کہ "ہمارے پیروں کا یہ قاعدہ نہیں رہا اس سے شہرت ہوتی ہے اور فقیروں کے لئے شہرت بہت بڑی آفت ہے۔"

حضرت کی زندگی کے چند اہم واقعات

حضرت خواجہ اور آپکے اہل وعیال کی زندگی

نہایت ہی تنگدستی میں گذرتی تھی۔ یہانتک کہ کئی کئی وقت کے فاقوں کی نوبت آجاتی تھی اس تنگدستی کی بنا پر اکثر آپ اپنے پڑوسی مسلمان بقال سے قرض لے لیا کرتے تھے۔ ایک روز بقال کی بیوی نے حضرت خواجہ کی اہلیہ کو قرض لینے پر طعنہ دیا اور انھوں نے آپ سے شکایت کی تو حضرت نے فرمایا کہ "آئندہ سے قرض نہ لیا کرو میرے اس مصلے کے نیچے تمہیں ضرورت کے موافق کاک (روٹیاں) مل جایا کریگی۔ چنانچہ ایک زمانہ تک حضرت کا کنبہ ان ہی کاکوں کی بدولت پلتا رہا۔ اور اسی بنا پر آپ کاکی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

آپ کا یہ قاعدہ تھا کہ آپ ضرورت سے زیادہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے تھے اگر کوئی کچھ نذر کرتا تھا تو واپس فرما دیتے تھے۔ ایک دفعہ سلطان شمس الدین نے اشرفیوں کی کچھ تھیلیاں آپ کی خدمت میں بھیجیں۔ آپ نے انہیں واپس کر دیا۔ ایک اور موقع پر بادشاہ نے کچھ گاؤں آپ کو نذر کرنے چاہے لیکن آپ نے انہیں قبول نہیں کیا اور کہلوا دیا کہ "جو ضرورتمند ہوں ان کو یہ گاؤں دیدو"

جس زمانہ میں کہ حضرت خواجہ اپنے وطن سے ہندوستان آتے ہوئے ملتان میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مہمان تھے۔ اسی زمانہ میں کچھ شرارت پسندوں نے شورش برپا کر کے شہر کو گھیر لیا۔ ملتان کا حاکم سلطان ناصر الدین قباچہ حملہ آوروں کی شورش سے گھبرا کر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی رح کی خدمت میں حاضر ہوا اور باطنی امداد چاہی حضرت خواجہ بھی اس وقت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رح کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اس نے آپ سے بھی دعا کے لئے التجا کی حضرت خواجہ کے ہاتھ میں اس وقت تیر تھا آپ نے وہ تیر قباچہ کو دیکر کہا کہ جاؤ اسے دشمن کے لشکر پر پھینکدو۔ قباچہ نے ایسا ہی کیا چنانچہ تیر کے پھینکتے ہی حملہ آوروں کا لشکر خود بخود منتشر ہو گیا۔

ایران کا مشہور شاعر ناصری جب سلطان شمس الدین کے دربار میں قصیدہ پڑھنے کے لئے جانے لگا تو بادشاہ کے پاس جانے سے قبل حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور

حضرت سے عرض کیا کہ "میں دربار میں قصیدہ پڑھنے کے لئے جا رہا ہوں میری کامیابی کے لئے دعا فرمائیے" حضرت خواجہ نے ارشاد فرمایا "جاؤ کامیابی ہوگی" لیکن دربار میں پہنچنے کے بعد ناصری نے جب قصیدہ پڑھنا شروع کیا تو بادشاہ نے ذرا بھی توجہ نہ کی ناصری نے فوراً حضرت خواجہ کا تصوّر کیا تو بادشاہ ہمہ تن ناصری کی جانب متوجہ ہوگیا۔ اور قصیدہ کو بار بار پڑھوایا۔ اور ایسا خوش ہوا کہ ناصری کو چھپن ہزار اشرفیاں انعام میں دیدیں ناصری یہ بے اندازہ دولت لیکر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آدھی اشرفیاں حضرت کو نذر کرنی چاہیں۔ آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ایک روز شاہی نانبائی سے سلطان التمش کے کاک (روٹیاں) جل گئے نانبائی بہت پریشان تھا کہ اتفاقاً حضرت کا ادہر سے گذر ہوا۔ اس کا یہ حال دیکھ کر حضرت نے فرمایا کہ "پریشانی کی کیا بات ہے بسم اللہ کہہ کر ہاتھ ڈال اور کاک نکال لے" اس نے تکمیل کی تو کیا دیکھتا ہے کہ سب کاک بغیر جلے تھے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو گانا سننے کا بے حد شوق تھا۔ علمائے ظاہر جو در پردہ حضرت کے مخالف تھے۔ انھوں نے سلطان شمس الدین التمش سے کہا کہ "آپ جیسے دیندار بادشاہ کے دَور حکومت میں خواجہ قطب الدین کے ہاں گانے بجانے کے جلسے ہوتے ہیں۔ اور آپ ان کو نہیں روکتے۔ اس کے علاوہ جبکہ خود خواجگان چشت کے نزدیک بغیر ڈاڑھی مونچھ کے لڑکوں کا محفل سماع میں شریک ہونا ممنوع ہے۔ تو پھر حضرت خواجہ جو ڈاڑھی مونچھ نہیں رکھتے۔ گانے کی مجلسوں میں کیوں شریک ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کی عمر ابھی جواز کی حد کو نہیں پہنچی ہے"۔ بادشاہ نے علما کو جواب دیا کہ مناسب یہ ہے کہ آپ سب خود جاکر اس معاملہ کو حضرت خواجہ ہی سے طے کرلیں"۔ علما بادشاہ کے کہنے کے بموجب خانقاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "آپ کے ابھی ڈاڑھی مونچھ نہیں نکلی۔ آپ امرد کے حکم میں ہیں۔ طریق چشتیہ کے مطابق محفل سماع میں آپ کا شریک

ہونا کسی صورت میں بھی جائز نہیں پھر آپ گانا کیوں سنتے ہیں؟ حضرت نے تبسم فرمایا اور
چہرہ پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ ادھر دیکھو۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ علماء یہ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ ایک نو
نوجوان کی بجائے ایک دراز ریش فرشتہ صورت بزرگ سامنے تشریف فرما ہیں۔ علما فوراً
قدموں پر گر پڑے اور آپ سے معافی مانگی۔

حالتِ سماع میں حضرت کی وفات

شیخ علی سنجری جو حضرت خواجہ کے مخلصین میں تھے ان کی خانقاہ میں قوالی ہو رہی تھی۔ حضرت خواجہ بھی محفل سماع میں شریک تھے۔ محفل کا رنگ جما ہوا تھا کہ قوالوں نے حضرت احمد جام کی غزل شروع کی اور یہ شعر پڑھا ۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت پر وجدانی کیفیت طاری ہونی شروع ہو گئی۔ آپ بار بار اپنی زبانِ مبارک سے اس شعر کی تکرار فرماتے رہے یہاں تک کہ بیہوش ہو گئے۔ جب حضرت کی حالت زیادہ خراب ہوئی اور نزع کے آثار نمایاں ہوئے تو آپ کو خانقاہ سے لے آئے اور پھر قوالی شروع ہوئی اور کامل چار روز تک اسی شعر کی تکرار ہوتی رہی۔

حضرت کی کیفیت یہ تھی کہ آپ پر کامل بیہوشی طاری تھی صرف نماز کے وقت ہوش آجاتا تھا۔ اس کے بعد حضرت بدستور بے ہوش ہو جاتے تھے۔ جب پہلا مصرعہ پڑھا جاتا تھا تو حضرت اس طرح بے حس و حرکت پڑے رہتے تھے گویا بے جان ہیں لیکن دوسرے مصرعہ کے پڑھنے کے ساتھ ہی آپ کے جسم مبارک میں جنبش شروع ہو جاتی تھی۔ آخر دوسرے مصرعہ کا پڑھنا بند کر دیا گیا اور اول مصرعہ کی تکرار سے حضرت جاں بحق تسلیم ہو گئے (انا للہ و انا الیہ راجعون)۔

آپ کا وصال اتوار کی رات کو بتاریخ ۱۴ ربیع الاول ۶۵۳ھ (۱۲۵۵ء) میں واقع ہوا تھا حضرت خواجہ نے رحلت سے قبل وصیت فرمادی تھی کہ جب فریدالدین مسعود

گنجشکر ہانسی سے آئیں تو ان کو میرا خرقہ نعلین اور مصلیٰ دیدینا کیونکہ ان چیزوں پر انہی کا حق ہے گویا اس طرح حضرت خواجہ نے حضرت بابا فرید الدین مسعود گنجشکر کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر فرمادیا تھا حالانکہ اس وقت حضرت خواجہ کے فرزند موجود تھے۔ لیکن آپ نے خلافت اور جانشینی کے لئے اپنے معنوی فرزند حضرت گنجشکر ہی کو قرار دیا۔

حضرت کا مزار مبارک ابتدا میں بالکل خام تھا بادشاہ فرخ سیر کے زمانہ میں صرف سنگِ مرمر کا ایک کٹہرا حضرت کے مزارِ مبارک کے گرد کھڑا کر دیا گیا تھا۔ یہ کٹہرا عجائبات میں سے تھا کیونکہ یہ سنگِ مرمر کے ایک ٹکڑے سے کاٹ کر بنایا گیا تھا جس میں کہیں اور کسی جگہ جوڑ نہیں تھا لیکن ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں یہ تاریخی کٹہرا ضائع ہوگیا اور حضرت کا مزار مبارک جو بعد کو پختہ ہوگیا تھا۔ اسے بھی شدید نقصان پہنچا تھا مگر اب مزار مبارک کی مرمت کرادی گئی ہے۔

حضرت شیخ

بہاء الدین زکریا ملتانی

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ

ہندوستان کے برِ عظیم میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے جس شمع رسالت کو روشن کیا۔ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ نے جس کی تجلیوں سے اس ملک کے کونے کونے کو منور کیا۔ اسی شمع رسالت کی روشنی شمالی ہندوستان یعنی پاکستان میں جس متبرک ہستی نے سب سے زیادہ پھیلائی وہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی ذات گرامی ہے حضرت شیخ کے روحانی فیض سے قبل اگرچہ شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی کافی تعداد موجود تھی۔ لیکن ان مسلمانوں میں اسلام کی سچی تڑپ حضرت شیخ ہی کی ذات بابرکت کی بدولت پیدا ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ پنجاب ملتان اور سندھ میں آپ ہی کے روحانی تصرّف کی بدولت مسلمانوں کو عروج اور اقتدار حاصل ہوا۔

حضرت شیخ کی ابتدائی زندگی

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے دادا کا نام کمال الدین علی شاہ اور والد محترم کا اسم مبارک شیخ وجیہ الدین تھا۔ تذکروں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ چنگیز خاں کے عہد حکومت میں آپ کے دادا کمال الدین علی شاہ مکہ معظمہ سے خوارزم ہوتے ہوئے ملتان میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ جب آپ ملتان تشریف لائے تو آپ کی اہلیہ محترمہ اور فرزند شیخ وجیہ الدین بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ ملتان میں قیام فرمانے کے بعد آپ نے اپنے فرزند شیخ وجیہ الدین کی شادی مولانا حسام الدین ترمذی کی صاحبزادی سے کر دی۔ جن کے بطن سے حضرت شیخ ۵۶۶ھ (۱۱۷۰ء) میں ملتان میں تولّد ہوگئے۔

خداوند پاک نے حضرت شیخ کو چونکہ دنیا میں ایک خاص غرض اور مقصد کے لئے بھیجا تھا۔ اس لئے آپ کو بچپن ہی سے باطنی اوصاف اور غیر معمولی ذہنی قوتوں سے آراستہ

فرماد یا تھا۔ آپ کی ذہانت اور طباعی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ بارہ برس کی عمر میں علم و فضیلت کے اعتبار سے بڑے سے بڑے علما کا مقابلہ فرمانے لگے تھے۔ اور آپ کی علمیت کا ملتان میں عام چرچہ شروع ہو گیا تھا لیکن اسی زمانہ میں آپ پر انتہائی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا یعنی آپ کے والد شیخ وجیہ الدین عین عالم شباب میں رحلت فرما گئے۔ اور آپ کو دنیا میں بے سہارا چھوڑ گئے۔

حضرت شیخ کا ترک وطن

بارہ برس کی کم عمری میں باپ کا سایہ اُٹھ جانا اگرچہ حضرت شیخ کے لیے بہت بڑا سانحہ تھا لیکن اس سانحہ کے باوجود آپ کے طلب علم کے ذوق اور شوق میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ بلکہ آپ اسی کمسنی میں حصول علم کی غرض سے ترک وطن کرکے خراسان پہنچ گئے۔ اور وہاں علوم ظاہری حاصل فرماتے رہے۔ خراسان سے آپ بخارا چلے گئے۔ جہاں آپ کو درجۂ اجتہاد حاصل ہو گیا۔ اس زمانہ میں آپ کی عمر اگرچہ مشکل سے پندرہ سولہ سال کی تھی لیکن آپ کی فضیلت کا یہ عالم تھا کہ ستر علما اور فضلا آپ کے شاگردوں میں شامل تھے جو آپ سے علمی فیض حاصل کیا کرتے تھے۔

ظاہری علوم میں منتہی ہونے کے بعد آپ بخارا سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ پھر وہاں سے مدینۂ منورہ پہنچے جہاں آپ پانچ برس تک روضۂ نبوی کی مجاوری کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اسی زمانہ میں مدینۂ منورہ میں شیخ کمال الدین محمد یمنی بہت بڑے محدث تھے آپ کئی سال تک ان سے حدیث کا درس حاصل فرماتے رہے۔ اسکے بعد آپ بیت المقدس چلے گئے۔ جہاں انبیا علیہم السلام کے مزارات کی زیارت سے روح کو تسکین دی۔

بارگاہِ رسالت سے حضرت شیخ کو خرقۂ خلافت

بیت المقدس سے حضرت شیخ بغداد پہنچے۔ اور وہاں کے مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ

بغداد اور گرد و نواح میں شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے رُوحانی کمالات کا بڑا شہرہ تھا۔ چنانچہ آپ بھی حضرت شہاب الدین سہروردی کے عقیدتمندوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت شیخ الشیوخ کے فیض صحبت اور نظر کیمیا اثر کو آپ نے اس تیزی کے ساتھ قبول فرمایا کہ صرف سترہ دن کی حاضری کے بعد ہی شیخ الشیوخ حضرت شہابُ الدین سہروردی نے آپ کو خرقہ خلافت عطا کر دیا۔

آپ کو خرقہ خلافت کس قدر عجیب و غریب طریقہ پر ملا اس پر روشنی ڈالتے ہوئے مشہور مورخ فرشتہ لکھتا ہے کہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے خواب میں دیکھا کہ رسول مقبول صلعم ایک نورانی مکان میں رونق افروز ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخ حضورؐ کے رُوبرو باادب کھڑے ہیں۔ مکان میں ایک طناب بندھی ہوئی ہے۔ جس پر چند خرقے پڑے ہوئے ہیں۔ یکایک رسول مقبول صلعم کا حکم ہوتا ہے کہ "اے شہاب الدین بہاء الدین کو ہمارے روبرو لاؤ"۔ حضرت شیخ الشیوخ آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے حضور اکرم کے قریب آتے ہیں تو رسول مقبول صلعم حکم دیتے ہیں کہ فلاں خرقہ بہاء الدین کو پہنادو۔ شیخ الشیوخ طناب پر سے ایک خرقہ اُتار کر حضور رسالت مآب کے حکم کے مطابق شیخ بہاء الدین کو پہنا دیتے ہیں۔ اس خواب کے دیکھنے کے بعد آپ کی آنکھ کھل گئی۔ اور صبح تک نیند نہیں آئی۔ اور آپ وظائف اور نماز میں مصروف ہو گئے۔

وظائف اور نماز سے جب آپ فارغ ہوئے تو حضرت شیخ الشیوخ نے آپ کو طلب فرما لیا۔ آپ شیخ الشیوخ کی خدمت میں جوں ہی حاضر ہوئے۔ انھوں نے طناب پر سے ایک خرقہ اُتار کر خود اپنے دستِ مبارک سے حضرت زکریا ملتانی کو پہنایا اور فرمایا "بابا شیخ یہ خرقہ حضور رسول مقبول صلعم کی طرف سے ہے۔ میں تو بس درمیان میں ایک ایلچی کے فرائض انجام دے رہا ہوں اور جو حکم ہوا ہے۔ اس کی تعمیل کر رہا ہوں"۔ غرضکہ حضرت شیخ کو اس عجیب و غریب طریقہ پر خرقہ خلافت حاصل

ہوا تھا۔

حضرت شیخ کی ملتان کو روانگی

توقہ خلافت حاصل ہونے کے بعد بھی حضرت شیخ زکریا ملتانی یہ چاہتے تھے کہ ابھی کچھ روز اور پیر کی خدمت بابرکت میں رہنے کے بعد فیض حاصل کریں لیکن حضرت شیخ الشیوخ کی جانب سے حکم ہوا کہ ملتان واپس جاؤ۔ وہی تمہارا وطن ہے اور اسی ملک کے باشندوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے تم دُنیا میں آئے ہو۔ حضرت شیخ الشیوخ کے اس حکم کے بعد حضرت ملتان واپس آ گئے۔ آپ کے ملتان آتے ہی ہر وقت آپکے گرد خلق خدا کا ہجوم رہنے لگا۔ اور آپکے رُوحانی فیض کا چشمہ نہ صرف ملتان میں بلکہ سارے شمالی ہندوستان میں جاری ہو گیا۔ حضرت ایک طرف خلق خدا کو اپنے روحانی فیض سے مشرف فرماتے تھے اور دوسری جانب آپ نے درس تدریس کا بھی سلسلہ جاری کر رکھا تھا۔ یعنی آپ کی خانقاہ ظاہری اور باطنی علوم کا سب سے بڑا مرکز بن گئی۔

حضرت شیخ کی زندگی سے متعلق چند واقعات

قطب الدین ایبک کے انتقال کے بعد جب سلطان شمس الدین التمش ہندوستان کا بادشاہ ہوا تو اوچ اور ملتان کے حاکم ناصر الدین قباچہ نے شاہ دہلی کی اطاعت سے انحراف کر کے اوچ اور ملتان میں اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔ اور بُری طرح سے عیش و عشرت اور فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا۔ حضرت شیخ نے شریعت اسلامیہ سے قباچہ کا یہ انحراف دیکھا تو پہلے تو اسے سمجھایا لیکن جب ▒ راہ راست پر نہ آیا تو حضرت شیخ اور قاضی ملتان شرف الدین اصفہانی نے اپنے دستخط کر کے قباچہ کے خلاف ایک شکایت نامہ سلطان شمس الدین التمش کے پاس روانہ کر دیا۔ لیکن اتفاق سے یہ شکایت نامہ شمس الدین التمش کے پاس پہنچنے کی بجائے قباچہ کے آدمیوں کے ہاتھ پڑ گیا جس پر قباچہ بے حد غضب آلود ہوا۔ اور حکم دیا کہ

"حضرت شیخ اور قاضی شہر دونوں کو گرفتار کرنے کے بعد ہمارے رُوبرو پیش کیا جائے"۔
چنانچہ دونوں گرفتار کرکے قباچہ کے سامنے پیش کیے گئے۔ قباچہ نے قاضی کو تو فوراً قتل کردیا۔ اور حضرت شیخ کو ان کے دستخط دکھا کر پوچھا کہ "یہ دستخط آپ کے ہیں"۔ حضرت شیخ نے لاپرواہی کے ساتھ جواب دیا "بے شک یہ دستخط میرے ہیں۔ میں نے جو کچھ کیا اللہ کے حکم سے کیا ہے اب تو جو کچھ کرنا چاہتا ہے کر"۔ حضرت نے یہ الفاظ اس قدر ہیبت اور جلال کے ساتھ کہے تھے کہ قباچہ کانپ گیا۔ اور آپ کو عزت و احترام کے ساتھ رخصت کردیا۔

حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کا ایک مُرید خواجہ کمال الدین مسعود جواہرات کی تجارت کرتا تھا۔ اتفاقاً اس کا جہاز عدن جاتے ہوئے بھنور میں آگیا اور جہاز کے کسی مسافر کو بھی زندگی کی اُمید نہیں رہی۔ اس نازک وقت میں حضرت کے مُرید خواجہ کمال الدین نے اپنے مُرشد حضرت شیخ کو انتہائی عجز اور اخلاص کے ساتھ یاد کیا اور کہا "یا حضرت دُعا فرمائیے اور مدد کو پہنچیے۔ یہ بیڑا تباہی کے قریب آن لگا ہے"۔ مرید کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ لوگوں نے دیکھا کہ حضرت شیخ خود جہاز پر موجود ہیں۔ آپ اہلِ جہاز کو خوشخبری سُنا کر نظروں سے غائب ہو گئے۔

جہاز بھنور سے نکلنے کے بعد جب عدن کی بندرگاہ پر پہنچا تو حضرت کے مُرید اور تمام سوداگروں نے بطور عقیدت اپنے مال کا تیسرا حصہ حضرت شیخ کے لئے علیحدہ کردیا۔ اور خواجہ فخرالدین گیلانی کے ہاتھ حضرت کی خدمت میں روانہ کردیا۔ اس نذرانہ کی مقدار تقریباً ستر لاکھ روپیہ تھی۔ جب خواجہ گیلانی یہ نذرانہ لیکر حاضر خدمت ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ حضرت وہی لباس پہنے ہوئے تھے جس لباس میں کہ آپ اہلِ جہاز کی امداد کے لئے تشریف لائے تھے۔ حضرت شیخ نے یہ گرانقدر نذرانہ قبول تو کرلیا لیکن تین دن کے اندر اندر ستر لاکھ کی ساری رقم غُرباء اور مسکینوں میں تقسیم کردی اور اس میں سے اپنے لئے ایک پائی بھی نہیں رکھی۔ خواجہ گیلانی پر حضرت کی اس کرامت اور

فراخ حوصلگی کا اس قدر اثر پڑا کہ وہ دنیا کو چھوڑ کر حضرت کے کفش برداروں میں شامل ہو گئے اور پچیس برس تک حضرت کی خدمت کرنے کے بعد مکہ معظمہ جاتے ہوئے جدہ میں انتقال کر گئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

حضرت شیخ ابتدائی عمر میں خود ہی بہت کم کھاتے تھے اور آپ کا دسترخوان بھی کچھ زیادہ وسیع نہ تھا لیکن آخر عمر میں روزے اور بھوک کی ریاضت ترک کر دی تھی صرف فرض روزے رکھتے تھے اور آپ کا دسترخوان اس قدر وسیع ہو گیا تھا کہ روزانہ بے شمار بندگان خدا کو کھانا کھلا کر محظوظ ہوتے تھے اور کوشش فرماتے تھے کہ آپ کے باورچی خانہ میں بہتر سے بہتر کھانے تیار ہوں۔ آپ پکڑ پکڑ کر لوگوں کو کھانا کھلانے کے لئے بُلاتے تھے۔ اور دوسروں کو کھلا کر خاص لذت محسوس فرماتے تھے۔

حضرت شیخ کا خدا کے ہاں سے بُلاوا

حضرت شیخ کی وفات کا واقعہ بڑا ہی عجیب ہے: تذکروں میں لکھا ہے کہ ایک روز آپ اپنے حجرہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نورانی لباس پہنے ہوئے آیا اور ایک سربمہر لفافہ حضرت کے صاحبزادے شیخ صدرالدین کو دیکر کہا کہ "یہ نہایت ضروری خط ہے اس کو جس قدر جلد ممکن ہو حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا دو"۔ شیخ صدرالدین کبھی تو حیرت سے لفافہ لانے والے کو دیکھتے تھے اور کبھی لفافہ کو اور اسی استعجاب کے عالم میں آپ نے وہ لفافہ حجرہ میں جا کر والد ماجد کو دیدیا۔ لفافہ دیکر حجرہ سے باہر واپس آئے تو پیغامبر غائب تھا۔ یکایک ایک عجیب و غریب غیبی آواز سنائی دی کہ "دوست دوست کے پاس چلا گیا"۔ اس آواز کے سنتے ہی شیخ صدرالدین دوڑتے ہوئے حضرت شیخ کے حجرہ میں گئے۔ تو دیکھا کہ حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی دنیا سے رحلت فرما چکے ہیں۔ آپ کی رحلت کی تاریخ ۷ صفر ۶۶۶ھ ہجری (۱۲۶۷ء) ہے آپ کی عمر ایک سو سال کی ہوئی اور آپ کے روحانی فیض سے سارا شمالی ہند جگمگا اٹھا۔ آپ

شیخ فریدالدین گنجشکرؒ کے ہم عصر تھے۔ حضرت گنج شکرؒ آپ کے بعد تین سال تک زندہ رہے

حضرت شیخ کی ازواج عالیہ اور اولاد

حضرت شیخ کے دو بیویاں تھیں جن سے آپ نے یکے بادیگرے نکاح فرمایا۔ پہلی بیوی سے شیخ صدرالدین عارف پیدا ہوئے اور دوسری بیوی سے چھوٹے لڑکے تھے۔ لڑکوں کے علاوہ آپ کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں۔ جن میں سے بڑی صاحبزادی کی شادی تصوف اور معرفت کے مشہور شاعر شیخ ابراہیم عراقی سے ہوئی تھی جن کا کلام حضرت شیخ کو بے حد پسند تھا۔ دوسری لڑکی کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ان کی شادی کہاں ہوئی تھی۔

حضرت کے بڑے صاحبزادے شیخ صدرالدین عارف مرد کامل اور بہت بڑے درویش ہوئے ہیں۔ تصوف اور معرفت میں جو بلند درجہ کہ ان صاحبزادے کو حاصل ہوا وہ کسی دوسرے کو میسر نہیں آسکا۔ آپ کے اندر حضرت شیخ کی بہت سی خصوصیات موجود تھیں۔

حضرت بابا

فریدالدین مسعود گنجشکر

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح نے ہندوستان میں جس رُوحانی مشن کو جاری فرمایا تھا حضرت قطب الدین بختیار کاکی نے اسے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ اور حضرت شیخ ذکریا ملتانی اور بابا فرید الدین گنجشکر رحمۃ اللہ جو ہمعصر تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے اسے انتہا کو پہنچانے کے بعد اس برِّعظیم میں روحانیت کی وہ جلوہ فرمائی کی جس سے کہ آج تک ہندوستان اور پاکستان کے کروڑوں باشندے فیض حاصل کر رہے ہیں۔ اور جن کی رُوحانی تجلیوں سے آج بھی یہ دونوں مملکتیں جگمگا رہی ہیں۔

فرید بابا کی ابتدائی زندگی

فرید بابا ۵۶۹ ہجری (۱۱۷۳ء) میں ملتان کے قریب کھوت وال میں پیدا ہوئے تھے آپ کے والد محترم کا نام نامی مولانا کمال الدین سلیمان تھا۔ جو کابل کے بادشاہ فرخ شاہ کی اولاد میں سے تھے۔ اور آپ کا سلسلۂ نسب بیسویں واسطے سے جا کر حضرت عمر فاروق رض سے مل جاتا ہے۔ فرید بابا کی والدہ بی بی قاسمہ خاتون حضرت مولانا نجم الدین کی صاحبزادی تھیں۔

فرید بابا تعلیم کی غرض سے کھوت وال سے ملتان تشریف لے آئے تھے چنانچہ آپ کی ابتدائی تعلیم ملتان ہی میں ہوئی تھی۔ آپ بچپن ہی سے نہایت ذہین اور طباع تھے آپ نے چند سال کے اندر اندر نہ صرف قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ بلکہ عربی درس کی بھی تکمیل فرمالی تھی۔ غرضکہ بہت کم عمر میں آپ کا شمار اعلیٰ پائے کے علما میں ہونے لگا تھا۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی جب ملتان تشریف لائے تو حضرت

بابا جی بھی آپ کی زیارت کے لئے حاضر خدمت ہوئے۔ اور حضرت کے روحانی کمالات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ جب حضرت خواجہ دہلی تشریف لے جانے لگے تو آپ بھی ساتھ ہو لئے لیکن حضرت خواجہ نے فرید بابا کو نصیحت کی کہ "پہلے ظاہری علم حاصل کرو۔ اس کے بعد میرے پاس آنا۔ بے علم درویش شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے" حضرت خواجہ کے ان الفاظ کا فرید بابا پر بے حد اثر پڑا اور آپ ملتان میں قیام فرمانے کے بعد ظاہری علوم کے حصول میں رات دن کوشاں رہنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ بہت بڑے عالم دین بن گئے۔

اسلامی ممالک کی سیاحت کے بعد دہلی کو روانگی

ملتان میں علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد بھی چونکہ آپ ایک تشنگی سی محسوس فرماتے تھے۔ اس لئے حصول علم کے شوق میں ملتان سے قندھار جا پہنچے اور وہاں پانچ برس تک تحصیل علم فرماتے رہے اس کے بعد آپ نے اسلامی ممالک کی سیاحت شروع کی اور اس زمانہ کے جن نامور بزرگوں سے فیض حاصل کیا اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں شیخ المشائخ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ۔ شیخ سیف الدین خضریؒ۔ شیخ سعیدالدین حمویؒ۔ شیخ اوحدالدین کرمانیؒ۔ شیخ فریدالدین عطار نیشاپوریؒ۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ۔

علوم ظاہری کی تکمیل۔ اسلامی ممالک کی سیاحت۔ اور بزرگان دین سے مستفید ہونے کے بعد جب آپ وطن واپس آئے تو وہاں سے سیدھے حضرت قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں دہلی روانہ ہو گئے۔ آپ کے آنے سے حضرت خواجہ کو انتہائی مسرت ہوئی۔ آپ نے ایک حجرہ فرید بابا کو دیدیا۔ اور ان کی تربیت باطنی میں مصروف ہو گئے۔ اور بہت کم مدّت میں درجہ کمال کو پہنچا دیا۔

فرید بابا کی عبادت و ریاضت اور مجاہدہ کی یہ کیفیت تھی کہ آپ حضرت خواجہ

کی خدمت میں بھی دو ہفتے کے بعد حاضر ہوتے تھے۔ چنانچہ دہلی میں آپ کی شہرت اتنی بڑھی کہ آپ کے حجرہ کے باہر اچھا خاصہ ہجوم رہنے لگا۔ عوام کے اس غیر معمولی رجوعات سے آپ گھبرائے اور قصبہ ہانسی تشریف لے گئے اور وہیں عبادت و ریاضت میں مصروف رہنے لگے۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ کا وصال ہوا تو آپ ہانسی ہی میں تھے۔

حضرت خواجہ کے وصال کی خبر سنکر آپ دہلی دوڑے ہوئے آئے اور دہلی آکر خرقہ خلافت عصا، نعلین اور مصلیٰ وغیرہ حاصل کیا اور حضرت خواجہ کی منزل خاص میں بطور جانشین کے آپ نے روحانی خدمات انجام دینی شروع کر دیں۔ لیکن جب خلقت کا ہجوم پھر زیادہ ہونا شروع ہوا اور عوام کا اجتماع آپ کی عبادت و ریاضت میں مخل ہونے لگا تو آپ پھر ہانسی تشریف لے گئے۔ اور وہاں شیخ جمال الدین ہانسوی کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنا کر اجودھن یعنی پاک پٹن شریف تشریف لے گئے۔

فرید بابا پاک پٹن شریف میں

اجودھن یعنی پاک پٹن پنجاب میں ایک ایسی جگہ تھی جہاں کے لوگ فقرا کے شدید مخالف تھے۔ فرید بابا جب پاک پٹن میں آئے تو کسی نے توجہ بھی نہ کی کیونکہ اس علاقہ میں فقیروں کی کوئی قدر و قیمت ہی نہ تھی آپ آبادی کے قریب ایک درخت کے نیچے کمبل بچھا کر بیٹھ گئے۔ اور وہیں عبادت فرماتے رہے۔ کچھ روز کے بعد جب آپ نے نکاح کر لیا۔ تو جامع مسجد کے قریب شہر میں مکان بنا لیا۔ لیکن اس مکان میں صرف آپ کے اہل و عیال رہتے تھے آپ بدستور جنگل میں درخت کے نیچے شب باش ہوتے تھے اور وہیں عبادت کرتے رہتے تھے۔

پاک پٹن کی وہ سنگلاخ سرزمین جہاں کوئی فقیروں کو پوچھتا ہی نہ تھا۔ وہاں رفتہ رفتہ فرید بابا کے اثرات بڑھنے شروع ہو گئے۔ چنانچہ کچھ مدت کے بعد اس فقیر دشمن خطہ میں فرید بابا کی جانب رجوعات کا یہ عالم ہو گیا کہ آپ کی قیام گاہ پر ہر وقت میلہ سا لگا رہتا

تھا۔جب فرید بابا کی جانب رجوعات بڑھی تو پاک پٹن کی فقیر دشمن طاقتیں حرکت میں آئیں اور فرید بابا کو نقصان پہنچانے کی تجاویز پر غور ہونے لگا۔فرید بابا کے مخالفوں میں سب سے زیادہ پیش پیش شہر کا قاضی تھا جس نے ملتان کے علما سے فتویٰ حاصل کیا۔کہ اگر کوئی شخص مسجد میں گانا سُنے تو اس کو کیا سزا ملنی چاہیے۔لیکن مُلتان کے علما جو بڑی حد تک درویش دوست تھے انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ فرید بابا پر حملہ کی تیاریاں ہیں انھوں نے قاضی کی مطلب برآری کی بجائے اُلٹا قاضی کو ذلیل کیا۔لیکن قاضی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا اور برابر فرید بابا کو اذیت پہنچانے کی تدابیر اختیار کرتا رہا یہاں تک کہ قاضی نہایت ذلیل ہوا اور تباہ و برباد ہوگیا۔

فرید بابا کی مقبولیت چند ہی روز میں نہ صرف پاکپٹن میں بلکہ سارے پنجاب صوبہ سندھ اور ہندوستان کے ہر علاقے میں اس قدر بڑھ گئی کہ ملک کے کونے کونے سے عقیدتمندوں کے گروہ پاکپٹن میں اُمڈے چلے آتے تھے۔آپ نے اس غیر معمولی رجوعات سے پوری طرح تبلیغ اور اشاعت اسلام کا کام لیا۔یہ حقیقت ہے کہ فرید بابا کے وجود سے نہ صرف پنجاب میں بلکہ گردو نواح کے صوبوں میں بھی اسلام چمک گیا۔غرضکہ آپ تبلیغ اور اشاعت اسلام کے فرائض بڑی حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے ہوئے ۹۵ سال کی عمر میں ۵ محرم ۶۶۴ھ ہجری (۱۲۶۵ء) کو اس جہانِ فانی سے رحلت فرماگئے۔انا للہ و انا الیہ راجعون۔

فرید بابا کی زندگی کے چند واقعات

فرید بابا بچپن ہی سے نماز کے بڑے پابند تھے

آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو نماز کا پابند بنانے کے لئے یہ ترکیب کی تھی کہ آپ پانچوں وقت جانماز کے نیچے شکر کی پُڑیا رکھ دیتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ جو بچے پابندی سے نماز پڑھتے ہیں ان کو جانماز کے نیچے سے خدا شکر دیتا ہے۔اس کا اثر یہ ہوا کہ آپ بچپن

ہی سے پکے نمازی بن گئے۔ اور چونکہ آپ کی عبادت و ریاضت کی ابتدا شکر کی مٹھا
سے شروع ہوئی تھی اس لئے آپ گنجشکر کے نام سے مشہور ہوئے۔

فرید بابا کے مزاج میں بے حد سادگی تھی۔ آپ کی سادہ مزاجی کا اندازہ اس
سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نہایت ہی بوسیدہ کُرتا پہنے رہتے تھے۔ ایک شخص آپ
کے لئے ایک نہایت عمدہ اور نیا کرتا لیکر آیا۔ آپ نے پہن لیا۔ مگر فوراً اتار ڈالا اور
فرمایا کہ جو ذوق مجھے پرانے پھٹے ہوئے کرتے میں آتا تھا وہ اس نئے کرتے میں نہیں ملتا
فرید بابا کے پاس ایک چھوٹا سا کمبل تھا۔ دن کے وقت آپ اسے بچھاتے
تھے اور رات کو اوڑھ لیا کرتے تھے۔ یہ اس قدر مختصر تھا کہ آپ کے پاؤں بھی پوری
طرح نہیں پھیل سکتے تھے۔ لکڑی کا تکیہ سرہانے رکھتے تھے۔ اکثر آپ روزے سے رہتے
تھے۔ ہمیشہ منقیٰ کے شیرے سے روزہ افطار فرماتے تھے۔ اس کے بعد سیر بھر آٹے کے
روغنی پراٹھے آپ نوش فرماتے تھے۔ بس یہی رات دن میں ایک بار آپ کی غذا تھی سخت
عبادت و ریاضت کے باوجود آپ کی جسمانی صحت نہایت عمدہ تھی۔ روزانہ غسل فرما
تے اور بعض تذکروں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ہر نماز سے پہلے غسل کیا کرتے تھے۔

لوگوں کو فرید بابا سے بے اندازہ عقیدت تھی۔ آپ کی قیام گاہ کے گرد ہر وقت
میلہ سا لگا رہتا تھا عوام فرید بابا کے کس قدر عقیدت مند تھے اس کا اندازہ اس سے
لگایا جا سکتا ہے کہ اگر فرید بابا کے جبہ کی آستین دیوار پر لٹکا دی جاتی تھی تو اسے اس قدر
بوسے دیئے جاتے تھے کہ اس کی دھجیاں اڑ جاتی تھیں۔

آپ کثیر الاولاد ہونے کے باوجود نہایت ہی قانع تھے۔ ہمیشہ مستغنی نظر آتے۔
آپ کے استغنا کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار سلطان ناصرالدین شاہ د
نے چار گاؤں کی سند اور کچھ زر نقد آپ کی خدمت میں بھجوایا۔ آپ نے نذر تو قبول کر
لیکن سند یہ کہہ کر واپس کر دی کہ "فقیروں کو ثروت سے کیا سروکار"۔

حضرت کے زمانہ کے مشہور شاعر شمس الدین نے آپ کی شان میں مداحیہ قصیدہ پڑھ کر سنایا۔ آپ نے قصیدہ سننے کے بعد اس سے پوچھا کہ "آخر اس مدح سرائی سے تمہارا کیا مقصد ہے"۔ شاعر بولا "مفلس ہوں میرے لئے دعا فرمایئے"۔ آپ نے فرمایا "جاؤ میں تمہیں دعا دیتا ہوں"۔ حضرت کی دعا کا یہ صدقہ تھا کہ دہلی جاتے ہی شمس الدین کو شاہ دہلی کے وزیر کا اہم عہدہ مل گیا۔

دنیا والوں کی رہنمائی کے لئے آپ کے اقوال

فرید بابا کے اقوال

کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ صرف تصوف اور علم معرفت تک محدود نہیں ہیں بلکہ آپ نے اپنے قیمتی اقوال کے ذریعہ دنیا والوں کی دنیاوی کاموں میں صحیح رہنمائی کی ہے۔ آپ کے صرف چند اقوال ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

حضرت بنی نوع انسان میں قوت عمل کی طاقت پیدا کرنے کے لئے فرماتے ہیں "اپنا گرم کام لوگوں کی سرد باتوں سے ترک نہیں کرنا چاہیئے"۔

عوام میں حوصلہ اور ہمت بڑھانے کے لئے آپ کا ارشاد ہے "نامرادی کا دن مردوں کی شب معراج ہے"۔

عوام کی بے عملی اور تن آسانی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں "دنیا میں سبکسار رہنے کی خواہش کمزوری کی علامت ہے"۔

ظاہر داری اور بناوٹ سے لوگوں کو بچانے کے لئے آپ کا ارشاد ہے "جیسا تو ہے ویسا ہی لوگوں کو دکھا ورنہ اصلیت خود بخود کھل جائے گی"۔

حضرت بابا کے چند مختصر مگر نہایت ہی قیمتی اقوال درج ذیل ہیں:۔

"احمق کو زندہ مت سمجھ"۔

"وہ چیز فروخت نہ کر جو خریدی نہ جاسکے"۔

"ہر شخص کی روٹی نہ کھا۔ مگر ہر شخص کو اپنی روٹی کھلا"۔
"گناہ پر فخر نہ کر"۔
"آرائش کے پیچھے نہ پڑ"۔
"جو تجھ سے ڈرتا ہے اس سے ہر وقت اندیشہ کر"۔
"دروغ نما راستی کو ترک کر دو"۔
"عاقل نما نادان سے پرہیز کرو"۔
"اندرونی حالت کو بیرونی حالت سے بہتر رکھنا چاہیئے"۔
"دولتمندوں کے پاس بیٹھ کر دین کو نہ بھولو"۔
"وہ دشمن جس کی بدی کی تیرا دل گواہی دیتا ہے اس سے فوراً قطع تعلق کر لے"۔
"ضائع شدہ قوت کا کوئی بدل نہیں ہے"۔
"ذلت اٹھا کر بھی ہنر آئے تو اسے سیکھ لو"۔
"دو آدمیوں کا مباحثہ اکیلے آدمی کے دو سال کے غور و فکر سے بہتر ہے"۔
"جو معمولی چڑیوں کو دانہ دیتا ہے ایک روز ہما بھی اس کے جال میں پھنس جاتا ہے"۔

حضرت محبوب الٰہی کو خلافت عطا کر کے دہلی روانہ کیا تو نصیحت فرمائی "کہ اپنے دشمنوں کو حتی المقدور خوش رکھنا جس سے قرض لو جلد ادا کر دینا"۔

حضرت بابا کی جسمانی اور روحانی اولاد

فریدیا بابا نہایت ہی کثیر الاولاد تھے چنانچہ آپ کی اولاد صرف پنجاب ہی تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ دہلی۔ یوپی۔ صوبہ بہار اور ہندوستان کے ہر حصہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ درگاہ حضرت نظام الدین اولیا دہلی کے جتنے بھی

پیرزادے ہیں فرید بابا کی دختری اولاد میں سے ہیں۔

آپ کی رُوحانی اولاد ہندوستان۔ پاکستان اور بیرونی ممالک میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلی ہوئی ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ فرید بابا کے عقیدتمندوں کی تعداد تمام اولیائے کرام کے عقیدتمندوں سے زیادہ ہے۔

فرید بابا کے خلفا بھی متعدد ہوئے ہیں آپ کے سب سے بڑے خلیفہ حضرت قطب جمال الدین ہانسوی ہیں۔ جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگوں میں شمار کئے جاتے تھے

آپ کے دوسرے مقتدر خلیفہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی ہیں۔ فرید بابا کی آپ پر بے اندازہ عنایات تھیں۔ فرید بابا کا روضہ مبارک حضرت محبوب الٰہی ہی کا بنوایا ہوا ہے۔ آپ کے روضہ کے بہشتی دروازہ کے بارے میں حضرت محبوب الٰہی کا ارشاد ہے کہ "جو اس میں داخل ہوگیا اُس نے امن پایا"۔

فرید بابا کے تیسرے خلیفہ حضرت مخدوم علاءالدین صابر کلیری ہیں۔ جو آپ کے بھانجے بھی ہیں۔ حضرت صابر کلیری اپنے دَور کے سب سے بڑے جلالی بزرگ ہوئے ہیں۔ جن کے عجیب و غریب حالات سے تذکرے کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔

رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری

حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری اس برعظیم کے نہایت ہی پُرجلال بزرگ ہیں۔ آپ کی ذات گرامی سے ایسی محیر العقول کرامتیں ظاہر ہوئی ہیں جن کو سُننے کے بعد انسانی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ پیدائشی ولی تھے، اور آپ کی حالت جذب اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس کی مثال اس ملک کے اولیائے کرام میں مفقود ہے۔

پیدائش اور ابتدائی زندگی

آپ ۱۹ ربیع الاول ۵۹۲ھ ہجری (۱۱۹۵ء) کو اسی موضع کھوت وال (ملتان) میں پیدا ہوئے تھے جو فرید بابا کی مقدس جائے ولادت ہے۔ آپ کے والد محترم حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے پوتے تھے۔ اور آپ کی والدہ محترمہ حضرت بابا فرید الدین گنجشکر کی حقیقی بہن تھیں۔

بچپن ہی سے آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ دوسرے بچے جو تعلیم مہینوں میں حاصل کرتے آپ چند دنوں میں حاصل فرمالیتے تھے۔ آٹھ سال کی دینی تعلیم جو زیادہ تر گھر پر ہوئی تھی۔ اس نے آپ کو علوم ظاہری میں کامل کر دیا تھا۔ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ آپ کا دلی لگاؤ علوم باطنی کی جانب بھی تھا۔ اور آپ علوم باطنی کے حصول کے لئے ہر وقت مضطرب اور بے چین نظر آتے تھے۔

آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کی یہ کیفیت دیکھ کر آپ کو اپنے بھائی حضرت فرید بابا کی نگرانی میں دیدیا تھا۔ تاکہ آپ اپنے ماموں سے علوم باطنی کی تکمیل فرماسکیں۔ جب آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو فرید بابا کے سپرد کیا۔ تو بابا صاحب بے حد

مسرور ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ "بہن میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے ایسا سعادتمند فرزند مجھے لاکر دیا ہے جو سارے جہان کو نور تلقین سے منور کرنے والا ہے"۔

فرید بابا کے نگرانی میں آتے ہی حضرت مخدوم کی روحانی تربیت شروع ہوگئی حضرت مخدوم کی عمر مشکل سے بارہ سال تھی کہ فرید بابا نے ان کو اپنے ہاتھ پر بیعت فرمالیا۔ بیٹے کو بھائی کے سپرد کرنے کے بعد حضرت مخدوم کی والدہ محترمہ نے ہرات جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور بھائی سے کہا کہ "بھائی اس کا خیال رکھئے کہ میرا بچہ بھوکا نہ رہے۔ بارہ برس کے بعد اگر زندگی نے وفا کی تو میں اس کی شادی کردوں گی"۔ فرید بابا نے بہن کی باتیں سن کر تبسم فرمایا۔ اور حضرت مخدوم کو ان کی والدہ کے رو برو بلا کر حکم دیا کہ "بیٹا صبح سے تم ہی مساکین اور فقراء میں لنگر تقسیم کیا کرو"۔ گویا فرید بابا نے بہن کے اطمینان کے لئے بھانجے کو لنگر خانہ کا مہتمم بنادیا۔ آپ کی والدہ مطمئن ہوگئیں اور اپنے نور نظر کو بھائی کے پاس چھوڑ کر ہرات کے لئے روانہ ہوگئیں۔

حضرت مخدوم کی دنیا سے بے تعلقی

لنگر خانہ کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد آپ اس خدمت کو بڑی حسن و خوبی کے ساتھ انجام فرماتے رہے آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ نماز اشراق پڑھنے کے بعد اپنے حجرہ سے نکلتے۔ اپنی آنکھوں کے سامنے غربا اور مساکین میں لنگر تقسیم کراتے۔ اور تقسیم سے فارغ ہونے کے بعد حجرہ میں داخل ہوکر دروازہ بند کرلیتے اور شغل نوری میں مصروف ہوجاتے۔ جب شام کا وقت ہوتا تو آپ مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد پھر حجرہ سے باہر لنگر تقسیم کرنے کے لئے تشریف لاتے اور فارغ ہونے کے بعد حجرہ میں داخل ہوکر حسب معمول دروازہ بند کرلیتے اور عبادت و ریاضت میں مشغول ہوجاتے۔ جس روز سے حضرت مخدوم نے لنگر تقسیم کرنا شروع کیا تھا اس روز کے بعد سے کسی نے آپ کو کوئی چیز کھاتے پیتے نہیں دیکھا۔ یعنی آپ نے جسمانی غذا

بالکل چھوڑ دی۔ تھی صرف روحانی غذا پر آپ کی زندگی بسر ہوتی رہی۔
شیخ فضل الرحمٰن نے ایک روز آپ کو حجرہ میں زار و قطار روتے ہوئے دیکھا تو آپ نے حضرت مخدوم سے رونے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے جواب میں فرمایا: مجھ کو سلوک کے حذف ہو جانے کا ڈر ہے۔ آج سے خداوند کریم نے مجھ کو دنیا سے بے تعلق کر دیا ہے۔ اب بجز اولیائے کرام اور رجال الغیب کے میرے پاس کوئی متنفس نہیں آسکیگا۔" چنانچہ اس دن کے بعد سے آپ کے حجرہ کے اندر جانا تو درکنار کسی میں اتنی بھی طاقت نہ تھی کہ آپ کے حجرہ کے قریب بھی بھٹک سکے

بابا فرید کے تین لڑکے حضرت مخدوم کے جذبہ کے شکار

آپ میں قوت جذب کس قدر بے پناہ تھی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت بابا صاحب اپنے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: "ایک دن میرا لڑکا نعیم الدین مخدوم کے حجرہ کے قریب آ کر روزن سے جھانکنے لگا۔ مگر جذبہ کی تاب نہ لا سکا۔ اسی وقت خون کی قے ہوئی اور تڑپ کر مر گیا اسی طرح دوسرے لڑکے فرید بخش نے مخدوم کے حجرہ سے چند قدم پر حجرہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کر دیا کہ اس کے ہر بن مو سے خون جاری ہو گیا۔ اور اسی وقت جان بحق تسلیم ہو گیا۔ چند روز کے بعد میرا سب سے بڑا لڑکا عزیز الدین مخدوم علاء الدین کی اجازت کے بغیر لنگر خانہ میں چلا گیا۔ اور بھنڈاری سے کہنے لگا کہ آج ہم لنگر تقسیم کرینگے بھنڈاری نے منع کیا کہ یہ خدمت حضرت مخدوم کے سپرد ہے آپ اس میں دخل نہ دیں مگر اس نے یہ کہکر کہ یہ لنگر میرے باپ کا ہے تم کیوں منع کرتے ہو۔ لنگر تقسیم کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت مخدوم لنگر تقسیم کرنے کے لئے حجرہ سے باہر تشریف لائے تو بھنڈاری نے سارا واقعہ سُنا دیا۔ آپ نے بھنڈاری سے پوچھا "کیا تھوڑا بہت کھانا بھی تقسیم کے لئے باقی نہیں رہا؟" اس نے عرض کیا "حضور کچھ بھی باقی نہیں۔" یہ سُنکر حالت جذب

ہیں آپکی زبان سے یہ کلمہ نکل گیا" کیا وہ موذی باقی رہ گیا" ان الفاظ کا حضرت مخدوم کی زبان سے نکلنا تھا کہ عزیزالدین کے جسم سے فوراً روح پرواز کر گئی۔ عزیزالدین کی موت سے سارے گھر میں کہرام مچ گیا۔ جب میں نے سُنا تو کہا" موذی کیوں مخدوم کی خدمت مقررہ میں دخیل ہوا تھا" یہ تھی آپ کی حالت جذب کہ جس پر آپ کے تین ماموں زاد بھائی پے در پے قربان ہو گئے۔ اور قابل ستائش تھی فرید بابا کی قوت برداشت کہ تین نونہالوں کو قربان کرنے کے باوجود آپ کی تیوری پر بل نہ آیا۔ جب آپ کی والدہ کو تین بھتیجوں کی دردناک موت اور تمام واقعات کا علم ہوا تو وہ بھاگی ہوئیں ہرات سے پاکپٹن آئیں۔

صبر وضبط کی انتہا

حضرت مخدوم نے چونکہ کھانا پینا قطعی چھوڑ دیا تھا اس لئے وہ نہایت ہی لاغر اور کمزور ہو گئے تھے۔ انکی والدہ نے ہرات سے واپس آنے کے بعد بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو بھائی سے کہا" میں نے جاتے وقت نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا تھا کہ میرے بچّہ کو بھوکا نہ رکھنا لیکن آپ نے تو اسے ایک دن بھی کھانے کو نہ دیا" فرید بابا نے جواب دیا کہ" میں نے تو تمہارے سامنے ہی علاءالدین کو لنگر خانہ کا مختار کر دیا تھا اس میں میرا کیا قصور ہے" یہ فرمانے کے بعد فرید بابا نے مخدوم صاحب کو طلب کیا اور اُن سے بھوکا رہنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے جواب دیا کہ" مجھ کو لنگر تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا تھا نہ کہ اس میں سے کھانے کا" یہ جواب سُن کر سب حیران رہ گئے۔ فرید بابا نے فرمایا کہ" یہ صابر ہے خداوند تعالیٰ نے اس کو کھانے کے لئے پیدا ہی نہیں کیا" اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت مخدوم کا صبر وضبط کس انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔

ایک رات کی دلہن کو جلا ڈالا

حضرت مخدوم کی شادی کا واقعہ بھی بڑا عجیب اور حیرت انگیز ہے آپ

کی والدہ جب ہرات سے پاک پٹن تشریف لائیں تو آپ نے اپنے بھائی فرید بابا کی صاحبزادی خدیجہ بیگم سے بیٹے کے رشتے کا پیغام دیا۔ خدیجہ بیگم سلطان غیاث الدین کی بیٹی کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں اور نہایت ہی حسین وجمیل تھیں۔ فرید بابا نے بہن کو جواب دیا کہ "صابر شادی کے قابل نہیں ہے وہ ہر وقت حالتِ جذب میں رہتا ہے"۔ لیکن آپ کی بہن نے کہا کہ "میں بیوہ ہوں اور میرا لڑکا یتیم ہے۔ اس لئے آپ اپنی بیٹی دینے سے دریغ کر رہے ہیں"۔ بہن کا یہ طعنہ سنکر فرید بابا نے حضرت مخدوم سے خدیجہ بیگم کا نکاح کر دیا۔

نکاح کے بعد جب رات ہوئی تو حسبِ دستور دلہن کو آپ کے حجرہ میں پہنچا دیا گیا۔ جب خدیجہ بیگم حجرہ میں داخل ہوئیں تو آپ نماز میں مصروف تھے۔ اس لئے وہ دست بستہ کھڑی رہیں اور حضرت مخدوم بدستور نماز میں مصروف رہے۔ جب آپ نماز تہجد سے فارغ ہوئے تو خدیجہ بیگم سے پوچھا "تو کون ہے"۔ انھوں نے عرض کی کہ "میں حضرت کی زوجہ ہوں"۔ آپ نے جواب میں فرمایا "خدا تو فرد ہے زوجہ سے کیا کام"۔ آپ کا یہ کہنا تھا کہ زمین سے آگ پیدا ہوئی اور دلہن جل کر خاک کا ڈھیر ہوگئی"۔ آپ کی والدہ بہو کی اس اچانک موت کے صدمہ کو نہ برداشت کر سکیں۔ اس صدمہ کی وجہ سے آپ کو تپ دق ہوگئی۔ اور اسی مرض میں آپ جاں بحق تسلیم ہوگئیں۔

دہلی کی خلافت کے لئے حکمنامہ

فرید بابا نے جب آپ کو خلافت سے مشرف فرمایا تو آپ کو دہلی کے لئے خلافت کا حکمنامہ دیکر فرمایا کہ "پہلے میرے بھائی شیخ جمال ہانسوی سے ملاقات کرنا۔ اور ان سے خلافت نامہ کو درست کرا کے دہلی جانا"۔ فرید بابا کا یہ دستور تھا کہ وہ جس کسی کو خلیفہ بنا کر کسی جگہ مقرر فرماتے تھے تو پہلے شیخ جمال ہانسوی کے پاس بھیجتے تھے۔ ان کی تصدیق کے بعد جس شخص کا جس علاقہ میں تقرر ہوتا تھا وہاں

چلا جاتا تھا۔

حضرت مخدوم جب حکمنامہ کی تصدیق کے لئے ہانسی پہنچے تو شیخ جمال ہانسوی نے آپ کا بے حد احترام کیا۔ اپنے پیر روشن ضمیر کے حالات پوچھتے رہے یہانتک کہ مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بڑی دیر تک حضرت مخدوم شیخ ہانسوی سے گفتگو فرماتے رہے۔ دورانِ گفتگو میں جب آپ نے دہلی کی خلافت کے لئے پیر کا حکمنامہ شیخ جمال ہانسوی کو دیا تو اسی وقت اتفاق سے چراغ گل ہوگیا۔ حضرت مخدوم نے پھونک ماری تو چراغ پھر روشن ہوگیا۔ شیخ جمال ہانسوی نے یہ رنگ دیکھا تو حکمنامہ لیکر پھاڑ ڈالا۔ اور کہا "تمہارے دم مارنے کی تاب دہلی میں کہاں ہے۔ تم تو ایک دم مارتے ہی تمام دہلی کو جلا کر خاک کر دو گے"۔ حضرت مخدوم اس پر بے حد غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ "تم نے میرا حکمنامہ پھاڑا ہے میں نے تمہاری قطبیت کو پارہ پارہ کر دیا"۔ اور یہ کہہ کر وہاں سے چلدیئے۔

کلیر کو بھی جلا کر خاک کر دیا

حضرت مخدوم شیخ جمال ہانسوی سے ناراض ہونے کے بعد سیدھے اپنے پیر فرید بابا کے پاس آئے اور تمام واقعہ سُنایا تو فرید بابا نے فرمایا کہ "جمال کا پھاڑا ہوا فرید نہیں سی سکتا لیکن خاطر جمع رکھو حق سبحانہٗ تعالیٰ کے حکم سے کلیر تمہارے لئے مقرر کر دیا گیا ہے"۔ اس کے بعد کلیر کے لئے اپنے خاص دستخطوں سے حکمنامہ دے کر کلیر جانے کی اجازت دیدی۔

جب حضرت مخدوم کلیر میں تشریف لائے تو علمائے ظاہر اور مشائخ نے آپ کی مخالفت شروع کر دی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ لوگ حضرت کے خادموں اور مُریدوں کو تکلیف دینے لگے۔ ایک روز حضرت مخدوم اپنے ساتھیوں کے ہمراہ نماز جمعہ سے قبل ہی جامع مسجد میں تشریف لے گئے۔ اور صف اوّل میں بیٹھ گئے

علما اور مشائخ کی جماعت جب آئی۔ اور انھوں نے دیکھا کہ صف اوّل گھری ہوئی ہے تو حضرت مخدوم کے خادموں اور مریدوں سے کہا کہ "یہ جگہ تمہارے لائق نہیں ہے۔ یہاں سے اُٹھو اور پیچھے جاکر بیٹھو۔" خادموں نے جواب دیا "جب ہم آئے تو یہ جگہ خالی تھی ہم بیٹھ گئے۔ تم کسی دوسری جگہ جاکر بیٹھ جاؤ۔" علما نے نہایت ہی سختی کے ساتھ کہا "یہ صرف ہمارے لئے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ کوئی دوسرا یہاں بیٹھنے کے ہرگز لائق نہیں ہے۔" جب گفتگو زیادہ تیز ہوئی تو آپ نے مُراقبہ سے سر اُٹھا کر فرمایا "اس ملک کا صاحب ولایت آگے بیٹھنے کے لائق اور سزاوار ہے"۔ انھوں نے ترش رُوئی کے ساتھ جواب دیا "تمہاری ولایت کی کیا دلیل ہے"۔ آپ نے جواب میں کہا "ہماری ولایت کی یہ دلیل ہے کہ تم سب اسی گھڑی میں مر جاؤ گے اور ساکنان شہر میں سے بھی کوئی زندہ نہ رہے گا۔ اور پھر مدت دراز تک یہ شہر آباد نہ ہوگا"۔ یہ کہتے ہوئے آپ اپنے ساتھیوں سمیت جامع مسجد سے نکل آئے۔ آپ کا مسجد سے نکلنا تھا کہ مسجد گر کر ڈھیر ہو گئی کئی ہزار آدمی نیچے دب کر مر گئے۔ اور شہر میں اس بری طرح سے طاعون پھیلا کہ کوئی زندہ نہ بچا۔ آپ کی نگاہ قہر آلود جب زمین پر پڑی تو بارہ بارہ کوس تک درخت۔ زمین۔ گاؤں۔ مویشی۔ انسان۔ غرضکہ ہر چیز جل کر خاکستر ہو گئی۔

حضرت مخدوم کا تباہ کن جلال

حضرت مخدوم علاءالدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ یوں تو ابتدا ہی سے غیر معمولی جلال تھا لیکن کلیر کی تباہی کے بعد آپ کا جلال اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جس مقام پر بھی آپ کی نگاہ پڑتی تھی وہاں آگ کے شعلے بھڑک اُٹھتے تھے۔ آپ کے جلال کے خوف سے کوئی شخص بھی آپ کے پاس نہیں آتا تھا۔ بس شیر آپ کے دروازے پر پڑے رہتے تھے۔ بعض تذکروں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ کلیر کی تباہی کے بعد آپ بارہ برس تک گولر کے پیڑ کو پکڑے ہوئے رات دن کھڑے رہے۔ جب فرید بابا کو حضرت

مخدوم کی اس حالت کا علم ہوا تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ "تم میں سے جو بھی صابر کو بٹھا دے جو مانگے گا وہ ملیگا۔"

حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی جو مشہور اولیا میں سے تھے آپنے حضرت مخدوم کو بٹھانے کا وعدہ کیا۔ حضرت مخدوم کی خدمت میں آئے اور حضرت کے پیچھے بیٹھ کر گانا شروع کیا۔ حضرت نے آنکھیں کھول دیں اور بیٹھ گئے۔ اور حضرت شیخ سے فرمایا "کہے جاؤ۔" حضرت شیخ نے موقع کو غنیمت سمجھ کر کہا کہ "اگر مجھ کو خدمت بابرکت میں رہنے کی اجازت ہو تو عرض کروں۔" آپ نے فرمایا "اچھا رہا کرو لیکن ہمارے روبرو کبھی نہ آنا ہمیشہ پشت کی جانب رہا کرنا۔" غرضکہ حضرت شیخ آپ کی خدمت میں رہنے لگے اور اس بات کا ہر وقت خیال رکھتے تھے کہ حضرت مخدوم کا سامنا نہ ہونے پائے۔ وضو کے لئے پانی یا کھانے کے لئے گولر لاتے تو پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر رکھ دیتے روزہ کے افطار کے وقت جب گولر آپ کے سامنے رکھے جاتے تو آپ فرماتے کہ۔ "خدا کھانے پینے سے پاک ہے۔" اس کے بعد پھر خود ہی فرماتے "ہاں لاؤ خدا خدا ہی ہے اور آدمی آدمی ہی ہے۔" غرضکہ آپ کا جلال انتہا کو پہنچ گیا تھا اور آپ کی ریاضت اور عبادت کا یہ عالم تھا کہ چوبیس گھنٹے یاد الٰہی میں مستغرق رہتے۔ اور ایسے مستغرق رہتے کہ آپ کو تن بدن تک کا ہوش نہیں رہتا تھا۔

حضرت کے خلیفہ حضرت شمس الدّین پانی پتی

حضرت شمس الدین ترک پانی پتی رح اپنے زمانہ کے بہت بڑے بزرگ تھے۔ حضرت کی خدمت بابرکت میں چوبیس برس تک رہے۔ حضرت شمس الدین کو آپ کے خلفا میں سب سے بڑا درجہ حاصل تھا۔ آپ نے اپنی زندگی حضرت مخدوم کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔ آپ اس چوبیس سال میں کبھی ایک دن کے لئے بھی حضرت مخدوم سے جدا نہیں ہوئے۔ حضرت

شیخ شمس الدین کو جب آپ کی خدمت کرتے ہوئے پورے چوبیس سال ہو گئے۔ اور حضرت مخدوم کی زیر تربیت آپ کی رُوحانی تعلیم پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی۔ تو حضرت مخدوم نے حضرت شیخ کو حکم دیا کہ تجاؤ شاہی سواروں میں نوکری کر لو لیکن جس روز تم سے کوئی کرامت ظاہر ہوگی وہ دن ہمارے انتقال کا ہوگا۔

حضرت مخدوم کے حکم کے مطابق حضرت شیخ سلطان علاء الدین خلجی کے سواروں میں نوکر ہو گئے۔ اور ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے زندگی گذارتے رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب سلطان علاء الدین خلجی چتوڑ کے قلعہ کے محاصرہ میں بار بار ناکام ہونے کے بعد دل برداشتہ ہو رہا تھا۔ آخر سلطان نے اس فتح کے لئے فقرا کی جانب رجوع کیا۔ جب سلطان فقرا کی تلاش میں سرگرداں تھا تو کسی واقف کار نے سلطان کو بتایا کہ تم خواہ مخواہ فقیروں کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہو حالانکہ خود تمہارے لشکر میں ایک اتنا بڑا بزرگ موجود ہے کہ وہ اگر زبان سے کہدے تو فتح یقینی ہے اس بزرگ کی پہچان یہ ہے کہ رات کو جب ہوا چلے گی تو سب سپاہیوں کے چراغ تو گل ہو جائینگے مگر ان کا چراغ روشن رہے گا۔

سلطان کو ان بزرگ کی جستجو ہوئی۔ وہ بے چینی کے ساتھ رات کا انتظار کرنے لگا۔ جب رات آدھی سے زیادہ گذر چکی اور تیز ہوا چلی تو سلطان نے دیکھا کہ بجز ایک چراغ کے سارے چراغ گل ہو گئے ہیں۔ سلطان فوراً اس خیمہ پر آیا جس میں کہ چراغ روشن تھا اور دست بستہ آکر کھڑا ہو گیا۔ دیکھا کہ حضرت شیخ شمس الدین ترک قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف ہیں۔ حضرت شیخ نے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ بادشاہ ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا ہے۔ آپ نے سمجھ لیا کہ آج خیر نہیں۔ آپ قرآنِ مجید بند کر کے کھڑے ہو گئے۔ اور بادشاہ سے پوچھا کہ "حضور نے اس وقت کیسے تکلیف فرمائی"۔ سلطان نے عرض کیا کہ "حضرت میرا قصور معاف فرمایئے مجھ کو آپ کی قدر

ومنزلت کا علم نہ تھا۔ دُعا فرمایئے کہ چتوڑ کا قلعہ فتح ہو جائے"۔ حضرت نے حسب معمول انکسار کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "میں تو آپ کا ایک ادنیٰ ملازم ہوں کسی نے آپ کو بہکا دیا ہے بھلا میں اس قابل کہاں ہوں"۔ سلطان نے کہا "حضرت میں کوئی عذر نہ سُنوں گا حضور کو دُعا کرنی پڑے گی"۔

حضرت غوط میں پڑ گئے اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "اچھی بات ہے لیکن شرط یہ ہے کہ میرا استعفےٰ منظور ہو اور تنخواہ مل جائے۔ میں یہاں سے تین کوس پر جا کر دُعا کروں گا آپ فوراً دھاوا کریں انشاء اللہ قلعہ فتح ہو جائے گا"۔ سلطان نے اسی وقت تنخواہ دیدی اور بڑی عزت و احترام کے ساتھ رخصت کیا آپ نے تین کوس پر جا کر دُعا کی تو قلعہ اسی وقت فتح ہو گیا اور آپ نے سمجھ لیا کہ آج پیر کا انتقال ہو گیا۔

حضرت مخدوم صاحب کا انتقال

عین اس وقت جبکہ حضرت شیخ شمس الدین ترک کی دُعا سے چتوڑ کا قلعہ فتح ہو رہا تھا۔ حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری اچانک رحلت فرمانے کے بعد ذات حق سے جا ملے۔ آپ کی رحلت کی تاریخ ۱۳ ربیع الاوّل سنہ ۶۹۰ ہجری (۱۲۹۱ء) ہے۔ حضرت شیخ کو چونکہ پیر کے انتقال کا یقین ہو چکا تھا اس لئے وہ دوڑتے ہوئے کلیر شریف پہنچے۔ دیکھا کہ فی الحقیقت حضرت مخدوم انتقال فرما چکے ہیں۔ اور نعش مبارک کے گرد شیر بھیڑیئے۔ درندا اور چرند حلقہ کئے بیٹھے ہیں۔ حضرت شیخ کے پہنچنے کے ساتھ ہی سب جانور چلے گئے۔ حضرت شیخ نے تجہیز و تکفین کے بعد پیر کے جسم مبارک کو سپرد خاک کر دیا۔

تذکروں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رحلت کے بعد بھی آپ کے جلال کا یہ عالم تھا کہ آپ کے روضہ مبارک کے اوپر سے کوئی پرندہ اُڑ کر نہیں جا سکتا تھا اور اگر کوئی بھولے بھٹکے سے چلا جاتا تھا تو فوراً مر کر گر جاتا تھا۔ مجاوروں کی بھی مجال نہ

تھی کہ آپ کے روضہ کے قریب آسکتے۔ جب ان کو بشارت ہوتی تھی تو آجاتے تھے ورنہ دُور ہی دُور رہتے تھے۔ حضرت کے روضہ مبارک کے جلال کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی آپ کے روضۂ مبارک پر حاضری کی غرض سے جاتا تو دُور ہی سے ایک شعلہ اس کی طرف بڑھتا۔ اور وہ ٹھٹھک کر رہ جاتا۔ آخر ایک قدارسیدہ بزرگ کے تصرف سے حضرت کے جلال میں کمی واقع ہوئی اور حضرت کا مزارِ مبارک تعمیر ہوا۔ اور لوگوں کو آپ کے دربار میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت خواجہ

نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہیؒ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہی ہندوستان کے وہ صاحبِ عظمت بزرگ ہیں۔ جن کے فقیرانہ دربار کے سامنے اس برِعظیم کے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار ماند پڑ گئے تھے۔ اور جن کی عظمت اور بزرگی کا یہ عالم تھا کہ اس ملک کے شہنشاہ آپ کی ہر دلعزیزی اور مقبولیت پر رشک کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ نے اس برِعظیم میں شمع رسالت کی روشنی پھیلانے میں اور رُوحانی تجلیوں سے اس ملک کو منوّر کرنے میں بہت بڑا حصّہ لیا ہے

حضرت محبوبِ الٰہی کی ابتدائی زندگی

حضرت کا خاندان جو سلطان شمس الدین التمش کے عہدِ حکومت میں بخارا سے آ کر بدایوں میں آباد ہوا تھا۔ سیدوں کا ایک نہایت ہی مقتدر خاندان ہے۔ آپ اس خاندان میں ۶۳۶ھ (۱۲۳۸ء) میں شاہانِ غلامان کے عہدِ حکومت میں بدایوں میں تولد ہوئے۔ آپ کے والدِ محترم کا نامِ نامی مولانا سید احمد تھا۔ جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ پیدائش کے بعد حضرت کا نام سید محمد رکھا گیا۔ لیکن آپ نظام الدین کے نام سے دُنیا میں مشہور ہوئے۔

حضرت محبوبِ الٰہی کی عمر ابھی پانچ سال کی تھی کہ آپ کے سر سے والدِ محترم کا سایہ اُٹھ گیا۔ اور آپ کی تعلیم و تربیت اور پرورش کی ساری ذمہ داری آپ کی والدہ سیدہ زُلیخا کے سر آن پڑی۔ سیدہ زلیخا جن کا کوئی ذریعۂ معاش نہ تھا۔ سُوت کات کر حضرت کی پرورش فرماتی تھیں۔ لیکن سوت کاتنے سے چونکہ اخراجات پورے نہیں ہو سکتے تھے اس لئے حضرت محبوبِ الٰہی اور آپ کی والدۂ محترمہ کو

کئی کئی وقت کے فاقے کرنے پڑتے تھے۔

حضرت چونکہ دنیا کی رہنمائی کے لئے تشریف لائے تھے اس لئے قدرت نے آپ کو وہ ذہن رسا عطا فرمایا تھا جو شاذ و نادر ہی عام انسانوں میں پایا جاتا ہے۔ آپکی ذہانت اور طباعی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپکی عمر مشکل سے سولہ سال کی تھی کہ آپکا شمار بدایوں کے مقتدر علما میں ہونے لگا چنانچہ سولہ سال کی عمر میں جب آپ علوم ظاہری میں پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے تو آپکی والدہ محترمہ نے تمام شہر کے علما اور مشائخ کو جمع کر کے اپنے ہاتھ کے بُنے ہوئے سوت کا عمامہ بطور دستار فضیلت آپکے سر پر بندھوایا۔ بدایوں کے علما اور مشائخ سے دستار فضیلت حاصل فرمانے کے بعد آپ مع اپنی اہلیہ اور ہمشیرہ کے دہلی آئے۔ اور سلطان شمس الدین التمش کے اُستاد مولٰنا شمس الملک سے علوم ظاہری حاصل کرتے رہے اور تھوڑی ہی مدت میں یہاں سے بھی سند فضیلت حاصل فرمالی۔

فرید بابا سے روحانی تعلیم

یوں تو حضرت محبوب الٰہی میں باطنی جوہر بچپن ہی سے موجود تھے۔ لیکن علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو ایسے باطنی رہنما کی ضرورت محسوس ہوئی جو آپ کو راہ سلوک کی منزلیں طے کرادے۔ چنانچہ باطنی اور روحانی تعلیم کے لئے آپ حضرت بابا فریدالدین گنجشکرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور چند ہی روز میں اپنی غیر معمولی ریاضت اور عبادت کی بنا پر راہ سلوک میں بھی امتیازی درجہ حاصل فرمالیا۔

دہلی کے لئے خرقہ خلافت

فرید بابا نے جب یہ دیکھا کہ حضرت محبُوبِ الٰہی روحانی دولت سے پوری طرح مالا مال ہوچکے ہیں تو آپ نے دہلی کے لئے خرقہ خلافت عطا کرنے کے بعد آپ کو دہلی رخصت فرمادیا حضرت فرید بابا سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد جب آپ دہلی تشریف لائے تو اس زمانہ میں سلطان غیاث الدین بلبن دہلی اور ہندوستان کا بادشاہ تھا حضرت کے

دہلی تشریف لانے کے بعد آپ کے معتقدوں نے کوشش کی کہ آپ شہر دہلی میں قیام فرمائیں لیکن آپ نے شہر کے ہنگاموں سے کنارہ کشی کر کے شہر سے تین میل دُور قیام فرمایا۔ لیکن چند ہی روز کے بعد آپ کی محبوبیت اور ہر دلعزیزی اس قدر بڑھ گئی کہ ہر وقت شہر سے لیکر آپ کی قیام گاہ تک زائرین کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ اور آپ کی خانقاہ کے گرد و نواح میں یہ معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی میلہ لگا ہوا ہو۔ امیر سے لیکر غریب تک تقریباً سب ہی آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گئے۔ اور آپ کی شہرت دہلی سے گذر کر ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئی۔

عبادت و ریاضت اور درس و تدریس

حضرت محبوب الٰہی کے تقدس اور بزرگی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کی ساری رات شب بیداری میں گذر جاتی تھی۔ اور دن کے وقت آپ درس و تدریس میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کے درس میں جو لوگ شامل ہوتے تھے۔ ان کو آپ ظاہری علوم کے ساتھ باطنی اسرار بھی سکھاتے تھے گویا آپ ایک ہی وقت میں بہت بڑے عالم دین بھی تھے۔ اور روحانی پیشوا بھی۔ غرضکہ بہت مختصر عرصے میں آپ کے خلفا۔ آپ کے تلامذہ اور عقیدتمند ہزاروں کی تعداد میں اس برعظیم میں شمال سے جنوب تک اور مشرق سے مغرب تک پھیل گئے۔ اور ہندوستان کے کروڑوں باشندے نظامیہ سلسلہ میں شامل ہو گئے۔

حضرت کے دسترخوان کی وسعت

حضرت کا دسترخوان نہایت ہی وسیع تھا۔ حالت یہ تھی کہ آپ کے دسترخوان پر کئی کئی ہزار آدمی کھانا کھاتے تھے اور بعض اوقات تو مہمانوں کی اس قدر کثرت ہوتی تھی کہ لنگر خانہ میں روزانہ کئی من نمک خرچ ہو جاتا تھا۔ آپ کا دست کرم اور فیض صرف مسافروں اور مہمانوں کو کھانا کھلانے ہی تک محدود نہ تھا۔

بلکہ غریب اور اپاہج آپکے لنگرخانے سے باقاعدہ ماہانہ وظیفے پاتے تھے۔ ممالک غیر کے سیاح اور باشندے مہینوں آپ کے مہمان رہتے تھے اور جب جاتے تھے تو ان کو سیکڑوں اشرفیاں بطور رخصتانہ کے دی جاتی تھیں۔

حضرت کا یہ دستور تھا کہ جب تمام مہمان اور مسافر کھانے سے فارغ ہو جاتے تو آپ سب سے آخر میں اپنی سادہ غذا منگا کر تناول فرماتے جس میں کہ جَو کی روٹی اور اُبلی ہوئی ترکاری کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ عمدہ غذا کے کھانے سے آپ کو پرہیز نہیں تھا۔ لیکن آپ فرمایا کرتے تھے کہ "ایسی حالت میں جبکہ ہزاروں بندگان خدا سڑکوں پر بھوکے پڑے ہوں تو نظام عمدہ اور لذیذ کھانے کھا کر ان کو کیونکر فراموش کر سکتا ہے"۔ سردی کے موسم میں رات کے وقت بار بار فرماتے کہ "غریب اور نادار لوگ سردی کی شدت کو کیسے برداشت کر سکینگے"۔ غرضکہ غریبوں کے لئے حضرت کے دل میں بڑا درد تھا۔ اور آپ ہمیشہ غریبوں کے لئے بے چین اور مضطرب رہتے تھے۔

حضرت کے شاہانہ اخراجات

حضرت کی داد۔ دہش۔ فیاضی۔ اور دسترخوان کی وسعت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اگر خزانے بھی بھرے ہوئے ہوں تو خالی ہو جائیں لیکن کسی مستقل آمدنی کے نہ ہونے کے باوجود بھی مرتے دم تک آپ کے شاہانہ اخراجات میں کبھی کوئی کمی نہ آئی اور اس راز پر آخیر وقت تک پردہ پڑا رہا کہ یہ بے اندازہ دولت کہاں سے آتی تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے مُرید اور عقیدتمند آپ کی خدمت میں بڑی بڑی نذریں پیش کرتے تھے۔ لیکن حضرت کی حالت یہ تھی کہ جو کچھ نذر کے ذریعہ آتا تھا اس سے کہیں زیادہ بیٹھے بیٹھے خرچ کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ سلطان علاءالدین خلجی نے پانچسو اشرفیاں بطور نذر بھیجیں اُس وقت ایک قلندر فقیر حضرت کے پاس بیٹھے تھے انھوں نے کہا "بابا اس میں سے نصف میرا ہے"۔ آپ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"نصف نہیں بلکہ سب تمہارا ہے"۔ یہ کہہ کر تمام اشرفیاں ان کو دیدیں۔

عقیدتمندوں اور خادموں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ آپ کے مخالف بھی آپ کے دستِ کرم سے محروم نہ رہے چنانچہ چھجو نامی ایک شخص کا یہ معمول تھا کہ وہ جب بھی آتا حضرت کو گالیاں دیتا۔ حضرت اسے گالی دینے کے معاوضہ میں دو اشرفیاں عنایت فرمایا کرتے تھے لیکن چھجو کو اپنی حرکت پر غیرت آئی اور اس نے گالیاں دینی چھوڑ دیں۔ جب وہ جانے لگا تو اس نے حضرت سے اپنا رخصتانہ مانگا آپ نے فرمایا "بھائی اپنا حق مانگتے ہو تو میرا حق بھی تو دو آج وہ کیوں بھول گئے"۔ اسی طرح ایک دو نہیں بلکہ سیکڑوں آپ کے مخالف تھے جن کو آپ کے دستِ کرم سے ہمیشہ فیض پہنچتا رہا۔

بادشاہ آپ کے آستانہ پر حاضری نہیں دے سکتے تھے

حضرت محبوب الٰہی کے رعب اور دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے بادشاہوں میں اتنی جرأت اور طاقت نہ تھی کہ وہ آپ کے آستانہ پر بھی آسکیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ بادشاہوں کے قرب کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔ ایک غریب کو تو یہ حق حاصل تھا کہ وہ جب چاہے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے اور جہاں چاہے حضرت کا ہاتھ پکڑ کر لے جائے۔ لیکن کسی بادشاہ کے لئے یہ اجازت نہ تھی کہ وہ بے تکلف حضرت کی خدمت میں چلا آئے۔ یا حضرت کو اپنے پاس بُلانے کی جرأت کر سکے۔

سلطان غیاث الدین بلبن حضرت کی زیارت کا متمنی تھا مگر اس کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی۔ بادشاہ معزالدین کیقباد کو حضرت سے بے حد عقیدت تھی مگر اس کو بھی حاضری کی اجازت نہ تھی۔ اس نے حضرت کی خانقاہ کے قریب قصبہ کلوکھڑی میں اپنا محل بنا لیا تھا تاکہ اور کچھ نہیں تو حضرت سے قریب ہی رہ سکے۔ حضرت محبوبِ الٰہی سلطان کی نوتعمیر جامع مسجد میں نماز جمعہ کے لئے اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے مگر بادشاہ

کے پاس کبھی نہیں گئے۔

جلال الدین خلجی جب دہلی کا بادشاہ ہوا تو اس نے بے حد کوشش کی کہ آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے۔ مگر آپ نے اجازت نہ دی۔ علاء الدین خلجی بھی حضرت محبوبِ الٰہی کا بے حد عقید تمند تھا۔ اس کی عقیدت کا یہ عالم تھا کہ ان اشعار کو منگا منگا کر پڑھا کرتا تھا جن پر کے حضرت کو قوالی میں وجد آتا تھا۔ یا کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ یہ جب تک زندہ رہا اس کوشش میں رہا کہ اسے حضرت کی زیارت کی اجازت مل جائے لیکن یہ بھی حضرت کی زیارت کا شرف حاصل نہ کر سکا۔ اس بادشاہ نے اپنے ولیعہد خضر خاں اور چھوٹے لڑکے شادی خاں کو حضرت کا مُرید کرا دیا تھا حضرت نے اگرچہ علاء الدین کو حاضری کی اجازت نہیں دی لیکن آپ علاء الدین کی بہبودی کے دل سے خواہاں تھے۔ چنانچہ حضرت کی دُعا سے خلجی بادشاہوں میں علاء الدین خلجی کا دورِ حکومت ہر لحاظ سے نہایت ہی شاندار رہا ہے۔ اور علاء الدین کو ذاتی خامیوں کے باوجود اس قدر فتوحات حاصل ہوئی تھیں جو اس سے قبل کسی مسلمان بادشاہ کو اس برِّ عظیم میں حاصل نہیں ہوئیں۔

بادشاہ حضرت کے مخالف

سلطان علاء الدین خلجی کے مرنے کے بعد سلطان کے تیسرے بیٹے قطب الدین مبارک شاہ نے حضرت کے مُرید خضر خاں ولیعہد کو اندھا کر کے جیل خانہ میں ڈال دیا اور قتل کرا دیا۔ اور اس کے بعد حضرت محبوب الٰہی کا محض اس لئے مخالف ہو گیا چونکہ حضرت خضر خاں کے پیر تھے۔ مبارک شاہ نے پہلے تو حضرت کو حکم بھجوایا کہ وہ سلام کے لئے دربار میں آئیں۔ جب حضرت تشریف نہیں لے گئے تو حضرت کو بالجبر دربار میں لانے کا فیصلہ کیا۔ اور حکم دیدیا کہ اگر فلاں تاریخ تک حضرت نہ آئیں تو ان کو بالجبر دربار میں لایا جائے لیکن اسی تاریخ کو مبارک شاہ اپنے محبوب غلام خسرو خاں کے ہاتھ

سے قتل ہو گیا۔ اور خسرو خاں نے مبارک شاہ کو قتل کرنے کے بعد دہلی کے تخت پر قبضہ جمانے کے بعد شاہی خاندان کی بُری طرح مٹی پلید کی۔

خسرو خاں کو قتل کرنے کے بعد جب غیاث الدین تغلق دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ تو لوگوں کے کہنے سے غیاث الدین تغلق نے سماع کے جواز اور عدم جواز پر بحث کرنے کے لئے ایک مذہبی مجلس منعقد کی۔ تاکہ اس مجلس میں علمائے ظاہری کے ذریعہ حضرت کو نیچا دکھا سکے۔ حضرت اس مذہبی مجلس میں بلا تکلف تشریف لے گئے۔ اور ایسے برجستہ جوابات دئے کہ بادشاہ اور اس کے حواری علما منہ تکتے رہ گئے۔ بادشاہ کو بے حد خفت ہوئی۔ اس خفت کے بعد بادشاہ کو بنگالہ کی مہم پر جانا پڑا۔ جب مہم سے فارغ ہو کر غیاث الدین تغلق دہلی کی جانب روانہ ہوا تو حضرت محبوب الٰہی کو حکم بھیجا۔ کہ "میرے دہلی پہنچنے سے قبل آپ شہر خالی کر کے کہیں چلے جائیں" حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ "ہنوز دہلی دُور است" اس کے بعد بھی پے در پے سلطان کے کئی حکم پہنچے کہ "دہلی چھوڑ کر چلے جاؤ" مگر آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ "ابھی دلی دُور ہے" چنانچہ غیاث الدین تغلق نے دہلی آتے ہوئے جب ایک عظیم الشان فاتحانہ جشن کے سلسلہ میں دہلی سے تین میل باہر قیام کیا۔ تو جس چوبی محل میں وہ ٹھہرا ہوا تھا وہ اچانک گر پڑا۔ غرضکہ حضرت کے ارشاد کے مطابق دہلی دُور ہی تھی۔ کہ غیاث الدین تغلق کا خاتمہ ہو گیا۔

اس محل کے گرنے کے سلسلہ میں بعض موزخوں کا تو یہ کہنا ہے کہ ولیعہد سلطنت محمد تغلق نے دیدہ و دانستہ ایسا چوبی محل بنوایا تھا کہ وہ گر جائے اور بادشاہ اس میں دب کر مر جائے بعض موزخوں کی یہ رائے ہے کہ محل پر بجلی گری تھی۔ اس لئے محل منہدم ہو گیا۔ خیر اصل وجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو "دہلی دُور ہی رہی" اور غیاث الدین تغلق کو موت نے آن دبایا۔ غرضکہ جن بادشاہوں یا اُمرا نے حضرت سے ٹکر لینے کی کوشش کی وہ بُری طرح تباہ اور

برباد ہوئے۔ اور جو حضرت کے عقیدتمندوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ انھوں نے ہر قسم کی دینی اور دُنیاوی فلاح حاصل کی اور خوب پھولے پھلے۔

حضرت محبوب الٰہی کی وفات

ربیع الثانی ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) میں جب حضرت محبوب الٰہی کی بیماری کی شدت بڑھی۔ اور آپ کو یقین ہو گیا کہ آپ واصل حق ہونے والے ہیں تو آپ نے حکم دیدیا کہ گھر اور خانقاہ میں جس قدر بھی اثاثہ ہے سب غربا اور مساکین میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ فوراً عمل کیا گیا۔ اس کے بعد لنگر خانہ کے منتظم کو حکم دیا کہ لنگر خانہ میں ہزار ہا من جو غلہ جمع ہے وہ سب لٹا دیا جائے اور ایک دانہ بھی باقی نہ رکھا جائے۔ غرضکہ لنگر خانہ کا ایک ایک دانہ غربا میں تقسیم کر دیا گیا۔ جب وصال کا زمانہ قریب آیا تو آپ پر حالت غشی طاری ہو گئی جب ہوش آتا تو آپ پوچھتے "نماز کا وقت ہو گیا۔ اگر ہو گیا ہو تو مجھے اُٹھاؤ اور نماز پڑھاؤ" یا یہ سوال کرتے "کوئی مسافر آیا۔ اگر آیا ہو تو اس کی مدارت کرو اور کھانا کھلاؤ" غرضکہ نماز اور مسافروں کو یاد کرتے ہوئے آپ بروز بدھ بتاریخ ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ ہجری کو اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ آپنے چونکہ شادی نہیں کی تھی اس لئے آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ البتہ آپ کی بہن کی اولاد تھی جس کو کہ حضرت نے اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا تھا اور وہی آپ کی اولاد تصور کی جاتی ہے۔

پٹھان اور مغل بادشاہوں کو آپ سے عقیدت

حضرت محبوب الٰہی کے وصال کے بعد ہندوستان کے جتنے بھی بادشاہ ہوئے ہیں۔ ان سب نے حضرت کا بے حد احترام کیا ہے۔ پٹھان اور مغل بادشاہ دونوں بڑی عقیدت سے آپ کے مزار مبارک پر حاضری دیتے رہے ہیں۔ ہمایوں کو حضرت سے اس قدر عقیدت تھی کہ اس نے

مرنے سے قبل اپنی قبر کے لئے جو جگہ تجویز کی وہ حضرت محبوبؒ الٰہی کی خانقاہ سے بالکل متصل ہے۔ اکبر اور جہانگیر برابر حضرت کے مزار پر حاضری دیتے رہے ہیں۔ شاہجہاں کو بھی حضرت سے بے حد عقیدت رہی ہے۔ شاہجہاں کی بیٹی جہاں آرا کو حضرت سے اس قدر عقیدت تھی کہ اس نے مرتے وقت اورنگزیب کو وصیت کی کہ مجھ کو حضرت محبوب الٰہی کے قدموں میں دفن کرنا اور میرا سارا مال واسباب درگاہ کی نذر کرنا۔ ناصر الدین محمد شاہ کو بھی حضرت سے بے حد عقیدت تھی۔ اس بادشاہ نے حضرت کے بائیں اپنی قبر بنوائی۔ لاکھوں روپیہ نذر دیا اور تمام درگاہ میں سنگ مرمر کا فرش لگوایا۔ بہادر شاہ ظفر جس کی بادشاہی برائے نام تھی وہ بھی حضرت کا بڑا عقیدتمند تھا۔ جبتک دہلی سے جلا وطن نہیں ہوا برابر درگاہ کی خدمت کرتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی درگاہ بڑی ہی بافیض اور بابرکت ہے جو بھی اس درگاہ سے وابستہ رہا وہ دینی اور دنیاوی نعمتوں سے مالامال ہوگیا۔

حضرت شیخ

شرف الدین بو علی قلندر پانی پتی

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر پانی پتیؒ

حضرت شیخ شرف الدّین بو علی قلندر پانی پتی۔ ہندوستان کے ان اولیائے کرام میں سے ہیں جن کے حالات زندگی کے مطالعہ کے بعد عقل انسانی حیران رہ جاتی ہے۔ حضرت شیخ درویش شب زندہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک خاص قلندری شان کے مالک تھے۔ اور آپ کی ذاتِ گرامی سے ایسی ایسی محیر العقول کرامتیں ظہور میں آتی ہیں جو انسانی تصور اور عقل سے بالاتر ہیں۔ آپ خود قلندر تھے اور اپنے دور کے بہت بڑے قلندر کے صاحبزادے تھے۔ آپ کے روحانی تصرف کی بدولت تبلیغ اور اشاعت اسلام ان علاقوں میں خوب ہوئی جہاں لوگ بڑی حد تک اسلام اور اسلامی تعلیمات سے ناآشنا تھے۔

حضرت شیخ کے والد محترم شیخ فخر الدّین عراقی

حضرت شیخ بو علی قلندر کے والد محترم شیخ فخر الدین عراقی۔ بہت بڑے عالم اور درویش تھے کہ اچانک قلندروں کے طبقہ سے آپ کو لگاؤ پیدا ہو گیا اور آپ چہار ابرو کا صفایا کرنے کے بعد قلندروں کی ٹولی میں شامل ہو گئے۔ قلندروں کی یہ ٹولی ہندوستان کے مختلف شہروں سے ہوتی ہوئی جب ملتان پہنچی تو حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی خانقاہ میں ٹھہری۔ حضرت کی نظرِ باطن نے جب شیخ فخر الدین کے روحانی کمالات کا جائزہ لیا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ نشہ معرفت کے متوالے اس نوجوان کو قلندروں کے پنجہ سے نکالا جائے چنانچہ خدا کی قدرت کہ دوسرے دن جب قلندروں کا قافلہ ملتان سے روانہ ہوا تو ایسا بے پناہ طوفان آیا کہ سب قلندر ایک دوسرے سے منتشر ہو گئے اور شیخ فخر الدین

عراقی قافلہ سے بچھڑ کر حضرت زکریا ملتانی کی خانقاہ کے دروازہ پر آن پڑے۔

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی جن کو کہ باطنی کشف کے ذریعہ تمام حالات کا علم تھا۔آپ نے شیخ فخرالدین عراقی کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور ان سے اس طرح بغلگیر ہوئے کہ سینہ سے سینہ مل گیا۔ سینہ ملتے کے ساتھ ہی قلندروں کا سارا اثر ضائع ہوگیا۔ اور فخرالدین حضرت شیخ کے ارادت مندوں میں شامل ہوگئے۔آپ کے باطنی جوہروں کو دیکھ کر حضرت زکریا ملتانی رح آپ پر اس قدر مہربان ہوئے کہ آپ نے اپنی بیٹی کی شادی شیخ فخرالدین عراقی کے ساتھ کر دی لیکن کچھ مدت کے بعد جب شیخ فخرالدین عراقی کی اہلیہ محترمہ کا انتقال ہوگیا تو آپ ہندوستان سے اپنے وطن عراق کے لئے روانہ ہوگئے۔جب ہمدان پہنچے تو سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی نے جو مشہور بزرگ تھے اپنی ہمشیرہ کی شادی ان کے ساتھ کر دی۔

حضرت شیخ بو علی قلندر کی پیدائش

شیخ فخرالدین عراقی نے ہندوستان سے جانے کے بعد جب دوسری شادی کرلی تو آپ نے عراق ہی میں مستقل قیام کا فیصلہ کرلیا۔چنانچہ عراق ہی میں آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ نظام الدین عراقی پیدا ہوئے لیکن شیخ نظام الدین عراقی چھوٹی سی عمر میں بغرض تجارت عراق سے ہندوستان آگئے اور آپ نے پانی پت میں اقامت اختیار کرلی۔شیخ نظام الدین عراقی کے پانی پت میں آباد ہو جانے کے بعد ماں باپ ان کی جدائی کو برداشت نہ کرسکے چنانچہ شیخ فخرالدین عراقی اور ان کی اہلیہ بیٹے کی محبت میں عراق سے ہندوستان کھنچے چلے آئے اور بیٹے کے ساتھ پانی پت میں مستقل بود و باش اختیار کرلی۔

شیخ عراقی کے ہندوستان آنے اور پانی پت میں آباد ہو جانے کے بعد آپ کے ہاں حضرت شیخ بو علی قلندر پیدا ہوئے جن کا نام شرف الدین رکھا گیا۔حضرت شیخ

بوعلی قلندر کی تاریخ ولادت میں تذکرہ نویسوں کا اختلاف ہے لیکن عام قیاس یہ ہے کہ آپ کی پیدائش ۶۰۵ھ (۱۲۰۹ء) میں قطب الدین ایبک کے دورِ حکومت میں ہوئی تھی۔

پیدائش کے تین دن بعد تک نہ تو آپ نے دودھ پیا اور نہ آنکھیں کھولیں رات دن روتے رہے۔ غرضکہ پورے تین دن اسی طرح گذر گئے۔ تین دن کے بعد جب شیخ عراقی گھر سے باہر نکلے تو آپ نے دیکھا کہ دروازہ پر ایک مست قلندر چمڑا اوڑھے بیٹھا ہے۔ آپ نے اس مست قلندر کو سلام کیا تو قلندر نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا "اے شیخ تجھے بیٹا مبارک ہو۔ مجھے اس گنج معانی کے دیکھنے کی آرزو ہے جو تین دن سے تیرے گھر میں آیا ہوا ہے"۔ شیخ عراقی اس قلندر کو گھر میں لے گئے۔ قلندر نے حضرت شیخ بوعلی قلندر کو دیکھ کر ان کی پیشانی چومی اور شیخ بوعلی قلندر کے کان میں آہستہ سے یہ آیت پڑھی فاینما تولوا فثم وجہ اللہ اس آیت کے پڑھتے ہی حضرت شیخ بوعلی قلندر کا رونا بند ہو گیا۔ آپ نے آنکھیں بھی کھول دیں اور دودھ بھی پینے لگے۔

آپ کا علمی اور روحانی ذوق

حضرت شیخ بوعلی قلندر کے والد محترم شیخ عراقی چونکہ خود بہت بڑے عالم تھے اس لئے ان کی زیر نگرانی حضرت نے کمسنی کی عمر ہی میں علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی۔ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت شیخ بوعلی قلندر گیارہ بارہ سال کی عمر میں علوم ظاہری پر حاوی ہو چکے تھے اور اس کمسنی میں آپ کی علمیت اور استعداد کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے علما آپ کے مقابلہ پر نہیں ٹھہر سکتے تھے۔

حضرت شیخ بوعلی قلندر کا علمی ذوق کس قدر بڑھا ہوا تھا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ مسلسل چالیس سال تک علوم فقہ اور حدیث حاصل فرماتے رہے۔ اور آپ کی عمر کا ایک بڑا حصہ دہلی میں علوم ظاہری کے حصول میں صرف ہوا

لیکن جب آپ علوم ظاہری سے سیر ہو گئے۔ تو آپ نے اپنی تمام کتابوں کو دریا میں پھینک دیا۔ شہر چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل گئے اور رات دن عبادت الٰہی میں مصروف رہنے لگے۔ ایثار نفس کے معاملہ میں آپ کی کیفیت یہ تھی کہ آپ نے چالیس برس تک آب ودانہ کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ اور دُنیا کی کسی لذت سے کوئی غرض نہیں رکھی۔

روحانی فیض کے اکتساب کے بارے میں تذکرہ نویسوں کا مختلف بیان ہے۔ بعض کا خیال تو یہ ہے کہ آپ نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی بعض کی رائے ہے کہ آپ نے حضرت شیخ شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ سے راہِ سلوک کی تربیت حاصل کی تھی لیکن اکثر حضرات کی رائے ہے کہ آپ کو براہ راست امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ذاتِ خاص سے فیض پہنچا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ حالتِ مراقبہ میں جب روحانی طور پر بزم مصطفےٰ صلعم میں حاضر ہوئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی وہاں موجود تھے۔ رسول مقبول صلعم نے اس موقع پر امیرالمومنین حضرت علیؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اے علی شرف الدین پر اسرارِ غیبی کھول دے" چنانچہ آنحضرت کے ارشاد کے بموجب حضرت علی نے شیخ قلندر پر تمام اسرارِ خفی وجلی آشکارا کر دیئے پھر اپنے دہن مبارک کا لعاب شیخ شرف الدین کی زبان پر مل دیا اور بوعلی کی کنیت عطا فرما کر رخصت کیا۔ اس روایت کے مطابق آپ کی بیعت کو حضرت علیؓ سے نسبت دی جاتی ہے۔

حضرت کی زندگی سے متعلق عجیب وغریب واقعات

حضرت کے حالات زندگی میں سلطان غیاث الدین شاہ دہلی کا ایک عجیب وغریب واقعہ درج ہے کہ اس سلطان کو لڑکے کی بڑی تمنا تھی لیکن قدرت الٰہی کہ جب بھی اس کے حرم میں بچہ پیدا ہوتا تو لڑکی ہوتی۔ سلطان نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ اگر لڑکی پیدا ہو گی تو جان سے مار دوں گا۔ چنانچہ

وہ کئی لڑکیاں ضائع کرچکا تھا۔ اتفاقاً پھر ایک حرم کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو حرم نے
مامتا سے مجبور ہو کر لڑکی کو ایک مٹکے میں بند کرا کے دریا کے کنارے جنگل میں رکھوا دی
اور بادشاہ سے کوئی بہانہ کر دیا۔ ایک دھوبی جنگل میں آیا تو اس کی مٹکے پر نظر پڑی
وہ اس لڑکی کو لے گیا اور اپنی بیٹی بنا کر پال لیا۔ جب یہ لڑکی بارہ برس کی ہوئی تو سلطان
نے شکار کھیلتے ہوئے اس لڑکی کو دیکھ لیا اور اس پر عاشق ہو گیا اور اس کے ساتھ نکاح
کر لیا۔ لیکن بادشاہ جب بھی اس سے ہم بستری کی خواہش کرتا لڑکی کے خون جاری ہو جاتا
بادشاہ نے حکیموں اور نجومیوں سے ہر چند اس کی وجہ معلوم کرنی چاہی لیکن کوئی کامیابی
نہیں ہوئی۔ آخر بادشاہ سب طرف سے مایوس ہو کر حضرت بو علی قلندر کی خدمت
میں حاضر ہوا اور اپنا مقصد بیان کیا۔ حضرت نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ دو تین دن کے
بعد آنا اس وقت جواب دوں گا۔ بادشاہ کے جانے کے بعد مراقبہ کیا تو اصل حقیقت
منکشف ہو گئی۔ جب بادشاہ آپ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا
کہ "اے غیاث الدین تیرے معاملہ میں عجیب انکشاف ہوا ہے۔ وہ لڑکی جس سے
تو ہم بستری چاہتا ہے تیری بیوی نہیں ہے بلکہ بیٹی ہے۔ اس کو محض اس لئے خون آجاتا
ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے اس گناہ کبیرہ میں مرتکب نہیں کرنا چاہتا۔ جا اور اپنی فلاں حرم
سے اس بات کی تحقیقات کر لے۔ بادشاہ نے واقعہ کی تفتیش کی تو بالکل درست نکلا۔
خوف الٰہی سے کانپ گیا توبہ اور استغفار کی پھر حضرت نے بادشاہ کے حق میں دعا کی
خداوند کریم نے بادشاہ کو چار بیٹے عنایت کیے۔

ایک دہی بیچنے والی نہایت خوبصورت گوجری دہی کا مٹکہ سر پر رکھے آپ
کے پاس سے گذری۔ آپ نے فرمایا "اے گوجری دہی بیچتی ہے"۔ اس نے کہا "ہاں
بیچتی ہوں لیکن میرا دہی خریدنے کی تم میں طاقت بھی ہے"۔ آپ نے فرمایا "کیا لو گی"
گوجری بولی "سونے کا ایک ٹکہ"۔ حضرت نے اسے ایک اشرفی عنایت کر دی اور

فرمایا کہ دہی بھی لیجاؤ۔ اس کے بعد گوجری اکثر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتی اور آپ ہمیشہ اسے ایک اشرفی عنایت فرمادیا کرتے۔ گوجری کے خاوند نے ایک روز گوجری سے کہا کہ "اس درویش کی عنایت سے دولت تو ہمارے پاس بہت ہوگئی ہے تو ان سے بیٹا کیوں نہیں مانگتی۔ گوجری حسب معمول دہی کا مٹکہ سر پر رکھے حضرت کی خدمت میں پہنچی اور جھک کر نہایت قرینہ کے ساتھ سلام کیا تو حضرت نے فرمایا ؎

"گوجری کہ تو در حسن و لطافت چو مہی — ایں دیگ دہی بر سر تو چتر شہی"

"از لعل لبت شیر و شکری بارد — ہر گہ کہ بگوئی کہ "دہی لو جی دہی"

گوجری نے حضرت کو خوش دیکھ کر عرض کیا کہ "حضرت مدت سے بیٹے کی آرزو رکھتی ہوں توجہ فرمایئے اور دعا کیجئے۔" آپ نے فرمایا "کل تم خود بھی آؤ اور اپنے محلہ کی اور عورتوں کو بھی جن کو بیٹے کی خواہش ہو ساتھ لیتی آؤ۔" الغرض دوسرے دن جب گوجری دوسری عورتوں کو ساتھ لیکر آئی تو حضرت پان کھا رہے تھے۔ آپ نے اپنے منہ میں سے پان اور پان کا اُگال نکال کر تھوڑا تھوڑا سب میں تقسیم کر دیا جس کو سوائے ایک عورت کے سب نے کھا لیا۔ بس ایک عورت نے نفرت سے پتھر کے پیچھے پھینک دیا۔ خدا کی قدرت سے اس گوجری اور سب عورتوں کے ہاں لڑکے پیدا ہوئے۔ جب وہ سب کی سب منت چڑھانے کے لئے حضرت کی خدمت میں آئیں تو وہ عورت بھی ساتھ آئی جس نے نفرت سے اُگال پھینک دیا تھا اور بیٹے سے محروم رہ گئی تھی۔ وہ آکر ایک طرف اُداس اور غمگین بیٹھ گئی۔ آپ نے اس عورت سے اُداسی کا سبب پوچھا تو اس نے روتے ہوئے اصل واقعہ سُنا دیا اور معافی مانگی۔ آپ نے فرمایا "رنج نہ کر اور اسی پتھر کے پاس جا جہاں تو نے ہمارا اُگال پھینکا تھا اور قدرتِ الٰہی دیکھ۔" عورت جب وہاں گئی تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک چھوٹا سا بچہ پتھر کے قریب پڑا ہوا انگوٹھا منہ میں لئے ہوئے چوس رہا ہے۔ ماممتا نے جوش مارا۔ اور خدا کی قدرت سے اس عورت کی چھاتیو

میں دودھ اُتر آیا۔ وہ بچّہ کو دودھ پلاتی اور پیار کرتی ہوئی حضرت کی خدمت میں آئی
آپ نے فرمایا" جا تجھے تیرا بچّہ مل گیا"

آپ پانی پت سے باہر بہاگوتی کے جنگل میں عبادت میں مصروف تھے کہ ایک برات کے شور وغل سے آپ کو ناگواری محسوس ہوئی اور آپ پر جلال کی کیفیت طاری ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پوری برات کی برات غائب ہوگئی۔ برات کے غائب ہونے سے دولہا اور دُلہن دونوں کے ہاں کہرام مچ گیا تین دن تک سُراغ لگانے کی انتہائی کوشش کی گئی۔ مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر ایک فقیر کے پاس پہنچکر ساری داستان بیان کی تو اس فقیر نے کہا کہ قریب ہی ایک قدرسیدہ مست بوعلی شاہ قلندر عبادت میں مصروف ہیں جب وہ تیسرے پہر کو عبادت اور استغراق سے فارغ ہوں تو ان سے اپنی مشکل بیان کرنا۔ انشاء اللہ تمہارا کام ہو جائے گا۔ لوگ حضرت بوعلی قلندر کی خدمت میں پہنچے اس وقت آپ دریا کے پانی سے کھیل رہے تھے۔ جم غفیر کو دیکھ کر بولے "کیا چاہتے ہو" انھوں نے برات کے گم ہونے کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے التجا کی تو آپ نے فرمایا "تین من کی نیاز خدا کے نام پر قبول کرو۔ تمہاری مشکل فوراً آسان ہو جائے گی"۔ انھوں نے نیاز دینا بخوشی قبول کر لیا۔ آپ نے فرمایا "آنکھیں بند کرو"۔ اس کے بعد فرمایا "آنکھیں کھول دو۔ اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو"۔ لوگوں نے دیکھا کہ برات چلی آرہی ہے۔ لوگ حیران رہ گئے۔ شادی سے فارغ ہونے کے بعد سب لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے ارشاد کے مطابق ایک من گوشت پکا ہوا۔ ایک من میدہ کی چپاتیاں اور ایک من دہی آپ کی خدمت میں نیاز کے لئے لائے۔ آپنے یہ قبول فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا "ہمارے دا اصل بحق ہونے کے بعد اگر کسی کو کوئی مشکل پیش آئے تو خدا کی یہ نذر اس فقیر قلندر کی نیاز مال حلال سے مہیا کر کے ہمارے خادموں۔ مجاوروں۔

ریبوں یتیموں اور عالموں کو کھلائے اور تقسیم کر دے اللہ تعالیٰ اس کی سب مشکلیں
سان کر دے گا۔ اور اس کی کمائی میں برکت دے گا۔" چنانچہ ہندوستان کے کونے
وسنے میں حضرت قلندر کی یہ نیاز دلائی جاتی ہے۔ اور لوگوں کو اپنے مقاصد میں
امیابی ہوتی ہے۔

حضرت کے حالات زندگی میں ایک عجیب و غریب واقعہ درج ہے کہ پانی
پت کے عارف کامل شیخ جلال الدین بھاگوتی کے جنگل میں جب شیخ بوعلی قلندر
کی ملاقات کو گئے تو انھوں نے راستہ میں ایک ہیبتناک شیر کو دیکھ کر اس سے کہا "اے
شیر یہ عاشقان الٰہی کا مقام ہے۔ تیرا یہاں کیا کام" شیر یہ سن کر حضرت بوعلی قلندر
کے حجرہ کی طرف جو کہ بھاگوتی کے جنگل میں تھا روانہ ہو گیا۔ شیخ جلال الدین بھی شیر کے
پیچھے پیچھے حضرت کے حجرہ کی جانب بڑھے۔ آگے جا کر کیا دیکھتے ہیں کہ چار دوسرے
شیر بھی حضرت کے حجرہ کی طرف جا رہے ہیں۔ یہ ہیبتناک منظر دیکھ کر شیخ جلال الدین کو
کسی قدر دہشت محسوس ہوئی مگر جلد ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ حضرت بوعلی شاہ قلندر
خود تشریف لے آئے اور فرمایا "تم ہمارے رازداروں میں ہو آؤ تمہیں شیروں کا تماشہ
دکھائیں" چنانچہ قلندر صاحب شیخ جلال الدین کو اپنی جائے قیام پر لے گئے۔ شیخ
جلال الدین نے دیکھا کہ چار شیر آپس میں کھیل کود رہے ہیں لیکن جب ان شیروں نے
قلندر صاحب اور شیخ جلال الدین کو دیکھا تو ان کے قدموں پر گر پڑے اور بالتو بلی کی
طرح کھیلنے لگے۔ شیخ جلال الدین نے قلندر صاحب سے کہا کہ "یہاں تو پانچ شیر آئے
تھے اور یہ چار ہی ہیں وہ پانچواں شیر کہاں گیا" آپ نے فرمایا "جلال الدین پانچواں شیر
میں خود تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ شیروں کی وجہ سے تم پر دہشت طاری ہونے لگی ہے تو
تمہارا زیادہ امتحان مناسب نہیں سمجھا اور میں نے اپنی اصلی شکل اختیار کر لی۔

حضرت شیخ بوعلی قلندر کے بعض واقعات اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہیں۔

چنانچہ آپ کے بارے میں یہ واقعہ نہایت ہی مشہور ہے کہ حضرت جب حالات استغراق
میں ہوتے تھے تو بجز آپ کے ایک خاص خادم کے کوئی آپ کے پاس جا کر نہ پھٹک سکتا
تھا۔ اور آپ کھانا پینا بھی قطعی چھوڑ دیتے تھے۔ صرف یہی خادم دُور کھڑے کھڑے آپ
سے کھانے کے لئے پوچھ لیا کرتا تھا جب آپ کا جی چاہتا تو آپ فرما دیتے "لاؤ بندہ کھا
کھالے" اور جب خواہش نہیں ہوتی تو فرماتے "خدا تعالیٰ بھی تو کھانا نہیں کھایا کرتا"
ایک دن خادم کہیں گیا ہوا تھا اور خادم کی بجائے خادم کے بیٹے نے آپ سے کھانے
کے لئے پوچھا تو آپ نے کھانا طلب فرما لیا اور اس میں سے تھوڑا سا کھا کر باقی کے لئے
ارشاد فرمایا کہ "اس کو کنوئیں میں ڈال دو" لڑکے نے یہ سوچ کر کہ یہ کھانا کیوں ضائع کیا
جائے خود کھا لیا۔ بس پھر کیا تھا گھر پہنچتے پہنچتے لڑکے کی حالت بگڑ گئی۔ باپ جب آیا تو
بیٹے سے حال پوچھا اس نے کہا کہ "حضرت کا بچا ہوا کھانا کھا لیا تھا اسی وقت سے
حالت خراب ہے۔ غرضکہ لڑکے کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ خادم
نے تجہیز و تکفین کی بجائے اس کی لاش کو گھر میں رکھ لیا۔ دوسرے دن جب حضرت کو کھانا
کھلانے کے لئے گیا تو لڑکے کی لاش کو اپنے جسم کے ساتھ باندھ لیا۔ اور لڑکے کے مُردہ
ہاتھوں پر کھانا رکھ کر اور ان کو اپنے ہاتھوں سے مضبوط پکڑ کر آواز دی کہ حضرت کھانا
حاضر ہے۔ حکم ہوا۔ "لا کھائیں گے" حضرت کی زبان سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ مُردہ
لڑکا زندہ ہو گیا۔ اور کھانا لئے ہوئے دوڑا ہوا گیا۔

غرضکہ حضرت کی زندگی کے واقعات اس قدر عجیب و غریب ہیں کہ ان کو سننے
کے بعد عقل حیران رہ جاتی ہے۔ اور انسان سوچنے لگتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے کس
قدر محیر العقول روحانی طاقت حضرت کو عطا فرمائی تھی۔

حضرت کو شہزادہ مُبارک سے عشق

شہزادہ مبارک خان جو سلطان
غیاث الدین کا بیٹا تھا حضرت

ے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا تھا۔ یہ شہزادہ بے حد حسین وجمیل تھا۔ حضرت کو آپ
ے اس قدر باطنی محبت تھی کہ آپ ایک لمحہ کے لئے اسے اپنی نگاہ سے جُدا نہیں ہونے
دیتے تھے۔ جب حضرت کے اس محبوب کی موت کا وقت قریب آیا تو حضرت کو
پہلے ہی سے علم ہو گیا تھا۔ اور آپ نے پہلے ہی سے اس کے مزار کے لئے چھتری اور
گنبد بنوا دیا تھا۔

اس چھتری اور گنبد کی تعمیر کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے کہ سلطان علاءالدین جب
شکار کھیلتے ہوئے پانی پت آیا تو حضرت کی ملاقات کو بھی حاضر ہوا حضرت نے
سلطان کو دیکھ کر فرمایا "علاءالدین خوب وقت پر آیا ہم کو تجھ سے کام تھا۔ ہمارے
واسطے ایک چھتری اور گنبد بنوا دے اور تعمیر کے لئے ایسے معمار بلانا جو حافظ قرآن
ہوں"۔ بادشاہ نے حضرت کی اس فرمائش کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہوئے فوراً
قبول کر لیا۔ اور کچھ کھانا بھی تیار کرا کے حضرت کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت نے اس میں
سے تھوڑا سا کھانا کھانے کے بعد ایک بوٹی چوس کر اپنے محبوب شہزادہ مبارک خاں
کو دی کہ اسے کنوئیں میں ڈال دو۔ شہزادہ مبارک خاں اگرچہ اس چیز سے ناواقف
نہ تھے کہ حضرت کا جھوٹا کھانا کھا لینا کس قدر خطرناک ہے مگر چونکہ ان کا وقت آچکا تھا
اس لئے انھوں نے حضرت کی چوسی ہوئی بوٹی کو کھا لیا۔ کھاتے ہی بے چینی شروع
ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد رحلت فرما گئے جب حضرت بوعلی قلندر کو شہزادہ کی موت
کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُون۔ تیر نشانہ پر لگا۔ خدا
کے ارادے کبھی نہیں ٹلتے"۔ پھر لاش کو اپنے پاس منگوایا اور لاش پر روتے ہوئے
کہا "تو ہمارے لئے عصائے پیری تھا۔ اب ہماری ہمت ٹوٹ گئی۔ اے دوست
بزم یار میں جانا مبارک ہو۔ ہم بھی عنقریب تیرے پیچھے آتے ہیں"۔ پھر سلطان علاءالدین
سے فرمایا "جس چھتری اور گنبد کے لئے ہم نے کہا تھا۔ وہ مبارک خاں کے لئے تھا۔

اور اب مبارک خان کی بائیں طرف ہمارے لئے بھی ایک چھتری اور گنبد بنواؤ۔ ہمارے
دن بھی آ گئے ہیں۔ ہم دونوں دوست اکٹھے رہیں گے۔ چنانچہ سلطان نے ایک دو
چھتری اور گنبد شہزادہ کے مزار سے متصل حضرت کے لئے تعمیر کرا دیا۔

حضرت بُوعلی قلندر کی وفات پر جھگڑا

حضرت کی زندگی کے وا
جس طرح بے حد حیرت
ہیں اسی طرح آپ کی وفات کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے کہ حضرت کرنال سے دو میل
فاصلہ پر قصبہ بوڑہ کھیڑہ میں تھے کہ ۹ رمضان المبارک ۷۲۴ھ ہجری (۱۳۲۴ء) کو
سال کی عمر میں اچانک رحلت فرما گئے۔ وفات کے وقت آپ کے قریب کوئی بھی
تھا آپ بالکل تن تنہا تھے۔ تیسرے روز جب بعض عقیدتمند قدمبوسی کے لئے حاضر
تو اس وقت پتہ چلا کہ حضرت رحلت فرما چکے ہیں۔ انھوں نے فوراً جا کر کرنال والو
کی خبر دی۔ کرنال والے ۱۲ ر رمضان المبارک کو قصبہ میں آئے اور نعش مبارک کو اُٹھا
لے گئے اور کفن دفن کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ایک طرف تو کرنال والے آپ کی تجہیز و تکفین کی تیاریوں میں مصروف تھے
دوسری جانب پانی پت کے ایک بزرگ مولنا سراج الدین نے حالت غنودگی میں
دیکھا کہ حضرت ان سے فرما رہے ہیں "ہم دُنیا سے رُخصت ہو گئے ہیں۔ کرنال والو
سے ہمیں چھڑاؤ۔ ہم پانی پت میں اپنے دوست شاہ مبارک کے پہلو میں لیٹنا چاہتے
ہیں جہاں چھتری نما گنبد ہمارے لئے تیار ہے۔"

مولنا سراج الدین نے فوراً اس بشارت کی خبر حضرت کے بھتیجے شیخ احمد زندہ
کو دی اور پانی پت کے دوسرے بزرگوں کو بھی مطلع کیا تو سب جمع ہو کر کرنال کے لئے
روانہ ہو گئے۔ جس وقت یہ کرنال پہنچے تو نعش مبارک کو غسل دیا جا رہا تھا۔ حضرت
شیخ احمد زندہ پیر اور دیگر بزرگوں نے کہا کہ ہم نعش کو پانی پت لیجا کر دفن کرینگے لیکن

کرنال والوں نے یہ کہہ کر نعش دینے سے انکار کر دیا کہ کرنال ان کی ولایت ہے، اور ہماری خوش نصیبی ہے کہ حضرت کا انتقال کرنال ہی میں ہوا۔ مولٰنا کی نے ان کو بہت سمجھایا کہ ہم حضرت مرحوم کے فرمان کے بموجب حاضر ہوئے ہیں تم اس معاملہ میں قیل وقال نہ کرو۔ اس کے علاوہ شیخ احمد زندہ پیران کے جائز وارث موجود ہیں۔ ان کو اختیار ہے کہ وہ حضرت کو جہاں چاہے دفن کریں لیکن کرنال والے نہ مانے اور انھوں نے کہا کہ ہم سب مسلمان ان کے وارث ہیں۔ ہم ان کو کرنال ہی میں دفن کریں گے۔

جب یہ معاملہ کسی طرح بھی طے نہ ہوا تو مولٰنا کی نے کہا کہ سب سے بہتر یہ ہے کہ نعش مبارک ہی سے دریافت کر لیا جائے جو جواب ملے اس پر عمل کیا جائے چنانچہ رات کو طرفین کے آدمیوں نے حضرت کی نعش کے گرد بیٹھ کر۔ درود۔ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کی تلاوت شروع کی۔ اس کے بعد مولٰنا کی نے نعش مبارک سے مخاطب ہو کر کہا "اے عاشق الٰہی کچھ ارشاد فرمایئے تاکہ اس پر عمل کیا جائے"۔ آواز آئی "کرنال اور پانی پت میں ہمارا ہمیشہ گذر رہا ہے۔ اور اب بھی رہے گا۔ ہم یہاں اور وہاں ہر جگہ حاضر ہیں لیکن ہم پانی پت ہی میں قیام رکھنا چاہتے ہیں۔"

حضرت کے اس ارشاد کے بعد اگرچہ معاملہ قطعی طور پر صاف ہو گیا تھا مگر کرنال والے پھر بھی نعش دینے پر آمادہ نہ ہوتے۔ اسی دوران میں حضرت کا منظورِ نظر قوال بلاول مال کوس راگنی گانے لگا۔ جب قوالی پورے شباب پر آئی تو حضرت کا ہاتھ کفن سے باہر نکل آیا۔ اور جسم مبارک جنبش کرنے لگا۔ مولٰنا کی نے شریعت کو ملحوظ رکھ کر گانا فوراً بند کرا دیا۔ اور پھر نعش کے لئے بحث و مباحثہ شروع ہوا۔ آخر مولٰنا کی نے تنگ آکر کرنال والوں سے کہدیا کہ اچھا نعش کو اُٹھا کر لیجاؤ کرنال والوں نے نعش مُبارک کو اُٹھانا چاہا مگر کسی سے ہل بھی نہ سکی۔ اب کرنال والے لاچار ہو گئے۔ اس کے بعد جب پانی پت والوں نے جنازہ کو اُٹھایا تو جنازہ پھول

سے بھی ہلکا معلوم ہوا۔ غرضکہ حضرت کی نعش کو حضرت کی ہدایت کے مُطابق پانی پت لاکر مجوزہ گنبد میں دفن کر دیا گیا +

حضرت شیخ

محمد نصیر الدین چراغ دہلوی

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ محمدؒ نصیرالدّین چراغ دہلویؒ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبُوبِ الٰہی کے خلیفہ اوّل حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلوی۔ ہندوستان کے ان اولیائے کرام میں سے ہیں جو شریعت اور طریقت کا ایک بے پایاں سمندر ہیں۔ آپ نے جہاں اہلِ دل کو طریقت کا راستہ بتایا ہے۔ وہاں خلق خدا کی شریعت کے معاملہ میں بھی سچی رہنمائی فرمائی ہے۔ آپ کی برکت سے شمع رسالت کی روشنی اس بّرِ عظیم میں دُور دُور تک پھیل گئی۔ اور خلق خدا نے آپ سے بے اندازہ فیوض حاصل کئے ہیں آپ کی ذات گرامی نہ صرف دہلی کے لئے بلکہ دُنیائے اسلام کے لئے باعثِ فخر ہے۔

حضرت کی ابتدائی زندگی

حضرت کے دادا کا اسم مُبارک سید عبدالطیف تھا جو حضرت امام حسنؓ کی اولاد میں سے تھے۔ سید عبدالطیف ہندوستان آنے کے بعد لاہور میں آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ آپ کے والد محترم سید یحییٰ لاہور ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن لاہور سے تبدیل وطن کر کے اودھ چلے گئے تھے۔ چونکہ آپ صحیح النسب سادات میں سے تھے اس لئے آپ کو اودھ میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ غرضکہ حضرت کی پیدائش کا فخر سرزمین اودھ ہی کو حاصل ہے۔

حضرت ابھی بالکل نو عمر ہی تھے کہ آپ کی ذاتِ گرامی سے اکثر ایسی باتوں کا اظہار ہونے لگا جس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ آپ کسی نہ کسی دن آفتاب طریقت بن کر چمکنے والے ہیں۔ ابھی آپ کی عمر نو برس ہی کی تھی کہ آپ کے سر سے باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ اور آپ کی تعلیم و تربیت کی تمام ذمّہ داری آپ کی والدہ محترمہ کے کمزور کاندھوں پر پڑ گئی۔ آپ کی والدہ محترمہ نے سخت تکالیف برداشت کیں لیکن ایک روز بھی آپ کی

تعلیم سے غافل نہ ہوئیں۔ چنانچہ آپ اپنی والدہ محترمہ کی زیر ہدایت نوعمری ہی کے زمانے میں مولنا عبدالکریم اور مولنا فخر الدین گیلانی سے علوم ظاہری حاصل فرمانے لگے۔ کمسنی اور نوعمری میں آپ کے زہد اور تقدس کا یہ عالم تھا کہ آپ کی نماز باجماعت کبھی اور کسی حالت میں بھی قضا نہیں ہوئی۔ اور آپ بارہ مہینے روزے رکھتے تھے۔ آپ مسلسل سات سال تک ایک درویش کامل کے ساتھ نماز باجماعت ادا فرماتے رہے۔ آپ کا زیادہ تر وقت یا تو ریاضت و مجاہدہ میں صرف ہوتا تھا یا علوم ظاہری کے حاصل کرنے میں۔

حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضری

علوم ظاہری میں کمال حاصل ہونے پر اور ریاضت و مجاہدہ کی ابتدائی منزلوں سے گزرنے کے بعد آپ کو پیر طریقت کی تلاش اودھ سے دہلی کھینچ لائی یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت محبوب الٰہی کلوکھڑی میں تشریف فرما تھے جب آپ حضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے پہلی ہی نظر میں آپ کی باطنی خوبیوں کا اندازہ لگانے کے بعد آپ کو اپنے پاس رہنے کی اجازت دیدی بس پھر کیا تھا آپ نے پیر طریقت سے باطنی فیوض حاصل کرنے شروع کردئے آپ رات دن پیر و مرشد کی خدمت میں حاضر رہتے۔ حضرت کی بھی آپ پر خاص توجہ تھی چنانچہ حضرت کی توجہ نے چند روز کے اندر اندر آپ کے باطنی جوہروں کو اُجاگر کرکے رکھ دیا۔ آپ روز و شب عبادت الٰہی میں مصروف رہنے لگے۔ اور آپ کو ریاضت و عبادت میں اس درجہ مدہوشی رہنے لگی کہ آٹھ آٹھ اور دس دس دن آپ نہ کچھ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے۔

جنگل و بیابان میں رہنے کا ارادہ

حضرت [illegible]یر الدین چراغ دہلوی کو جب عبادت و ریاضت میں ایک خاص کیف اور لذت محسوس ہونے لگی تو آپ دُنیا کے ہنگاموں سے گھبرا اُٹھے

اور آپ کا دل یہ چاہنے لگا کہ آپ دُنیا کے شور و شر سے الگ ہو کر جنگل میں بیٹھ کر عبادت الٰہی کریں۔ چنانچہ آپ نے حضرت امیر خسرو سے کہا کہ جب میں اپنے وطن اودھ جاتا ہوں تو لوگوں کی مداخلت کی وجہ سے مشغول نہیں رہ سکتا۔ اگر حضرت شیخ کی اجازت ہو تو جنگل میں جا کر عبادت حق میں مشغول ہو جایا کروں۔ حضرت امیر خسرو نے جب حضرت محبوب الٰہی سے شیخ نصیر الدین کی اس خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ" اس سے کہو کہ تجھے خلق خدا کے درمیان ہی رہنا چاہیے اور ان کی جور و جفا برداشت کرنی چاہیے" پیر طریقت کے اس حکم کے بعد آپ نے کبھی جنگل اور بیابان میں جا کر عبادت کرنے کی خواہش نہیں کی۔

حضرت کی زندگی کے چند واقعات

ایک روز حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کے کسی پیر بھائی کے ہاں مجلس قوالی تھی۔ آپ بھی موجود تھے۔ باجے کے ساتھ گانا شروع ہوا تو آپ وہاں سے اُٹھ کر چل دیئے۔ پیر بھائیوں نے کہا بیٹھو۔ آپ نے فرمایا "میں نہیں بیٹھ سکتا کیونکہ باجہ کے ساتھ گانا سُننا خلافِ سنّت ہے۔ پیر بھائیوں نے کہا کہ سماع سے انکار کرتے ہو کیا پیرانِ طریقت کے مشرب سے پھر گئے۔ آپ نے فرمایا کہ "سب سے مقدم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے" حضرت محبوب الٰہی سے جب یہ واقعہ بیان کیا گیا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ" ان کا اتقا بڑھا ہوا ہے"۔

ایک روز آپ مُراقبہ میں سر جھکائے مستغرق تھے کہ تراب نامی ایک قلندر جو برسوں سے آپ کا دشمن تھا موقع پا کر حجرہ میں گھُس آیا۔ اور حضرت کے جسم مبارک پر چھرے سے گیارہ زخم لگائے۔ جب یہ سمجھ لیا کہ کام تمام ہو چکا ہے تو وہاں سے بھاگا۔ مریدوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور گرفتار کر کے حضرت کی خدمت میں لائے۔ مرید اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتے تھے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ کوئی اس سے مزاحمت نہ کرے

قلندر کو بہت کچھ دیکر رخصت فرمایا ان زخموں کی وجہ سے آپ سخت تکلیف میں مبتلا ہے۔

سلطان محمد تغلق لوگوں کے بہکانے کی وجہ سے آپ کا مخالف ہو گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی حیلہ سے حضرت کو نقصان پہنچائے۔ ایک روز اس بادشاہ نے دعوت کے بہانے حضرت کو بلایا۔ اور حضرت کے سامنے چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا رکھدیا۔ اس سے بادشاہ کا مقصد یہ تھا کہ اگر حضرت نے ان برتنوں میں کھانا کھالیا تو شرعی حیلہ سے گرفت میں لے لیں گے اور اگر نہ کھایا تو توہین سلطانی کے ارتکاب میں پکڑلیا جائے گا۔ حضرت شیخ نے برتن میں سے کھانا لیکر پہلے ہاتھ پر رکھا پھر نوش فرمالیا سلطان اور حضرت کے دوسرے مخالفین دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ اس کے بعد سلطان نے دو توڑے اشرفیوں کے اور دو تھان کپڑے کے پیش کئے۔ آپ نے ان کی جانب توجہ بھی نہ کی اور کھڑے ہو گئے۔

حضرت کے ارشادات

آپ فرماتے ہیں کہ "میں نے سلطان المشائخ شیخ نظام الحق والدین قدس سرہٗ کی زبان مبارک سے سُنا ہے کہ توبہ چھ قسم کی ہوتی ہے۔ توبۂ زبان۔ توبۂ چشم۔ توبۂ گوش۔ توبۂ دست توبۂ پا۔ توبۂ نفس۔ پھر فرمایا کہ زبان کی توبہ کا یہ مطلب ہے کہ زبان کو تمام ناشائستہ باتوں سے روکے رکھے اور بیہودہ گفتگو نہ کرے۔

آپ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "خواجہ عثمان ہارونی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ انسان کے ہر ایک عضو میں شہوت اور حرص ہے۔ جب تک انسان ان شہودں اور حرصوں سے اعضا کو پاک نہیں کرتا کسی مقام تک نہیں پہنچ سکتا۔ چنانچہ آنکھ میں بینائی کی شہوت ہے۔ ہاتھ میں چھونے اور پکڑنے کی بیجا لذت ہے۔ کان میں سننے کی حرص ہے۔ ناک میں سونگھنے کی خاصیت ہے۔ حلق میں چکھنے کی خواہش ہے۔ زبان میں بولنے کا جذبہ ہے۔ بدن میں آرام طلبی اور عیش کی خواہش ہے۔"

آپ کا ارشاد ہے کہ "میں نے حضرت سلطان المشائخ کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ قرآن شریف کی تلاوت میں دو فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ آنکھ کی بینائی کبھی کم نہیں ہوتی، اور قرآن پڑھنے والا آنکھ کے امراض سے ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔ دوسرے ہر وقت کی تلاوت سے ہزار سالہ عبادت کا ثواب اعمالنامہ میں لکھا جاتا ہے۔ اور اسی قدر بدیاں دُور کی جاتی ہیں"۔

آپ فرماتے ہیں کہ "کوئی چیز اس سے بڑھ کر اور افضل نہیں کہ انسان کسی کے دل کو راحت پہنچائے۔ یہ سب عبادتوں سے افضل اور بہتر ہے"۔

حضرت کی وفات

حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کا بیشتر وقت ریاضت اور مجاہدہ میں صرف ہوتا تھا۔ اور آپ کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ آپ آٹھ آٹھ اور دس دس روز کچھ نہیں کھاتے تھے۔ کثرت ریاضت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی صحت گرتی چلی گئی اور آپ مختصر سی علالت کے بعد ۱۷ رمضان المبارک ۷۵۷ھ ہجری (۱۳۵۶ء) کو رحلت فرما گئے۔ آپ کا مزار مبارک جو درگاہ چراغ دہلوی کے نام سے دہلی کے قرب میں مشہور ہے۔ زیارت گاہ خاص و عام ہے ۞

سلطان الشعرا

حضرت ابوالحسن امیر خسرو دہلوی

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ابوالحسن امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امیر خسرؒو کو اس برعظیم کے اولیاء اللہ اور بزرگان دین میں جو مرتبہ حاصل ہے وہ دوسرے بزرگانِ دین کے مرتبہ سے بالکل مختلف ہے۔ حضرت امیر خسرو کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ جہاں بہت بڑے درویش تھے۔ وہاں اپنے زمانہ کے سب سے بڑے اہلِ قلم بھی تھے۔ آپ کی علمی استعداد اور قابلیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مصلحِ اعظم حضرت سعدیؒ کو اس بات پر ناز تھا کہ ان کے ہمعصروں میں حضرت امیر خسرؒو جیسا پختہ کار اہل قلم موجود ہے۔ حالانکہ حضرت سعدیؒ کے زمانۂ پیری میں حضرت امیر خسرو بالکل نوجوان تھے۔ حضرت امیر خسروؒ کو اس اعتبار سے بھی بہت بڑی عظمت حاصل ہے کہ آپ ہی نے اس برعظیم میں سب سے پہلے اردو یعنی ہندوستانی زبان کا سنگِ بنیاد رکھا۔ چنانچہ حضرت امیر خسرو کی برکت سے یہ زبان اس برعظیم میں ایسی پھولی پھلی کہ اس نے صرف چند صدیوں کے اندر ہزاروں برس کی پرانی زبانوں کو شیرینی۔ لطافت اور بلاغت کے اعتبار سے پیچھے چھوڑ دیا۔

حضرت امیر خسرو کی ابتدائی زندگی

حضرت امیر خسرو کے والد محترم کا نام نامی امیر سیف الدین محمود تھا جو بلخ (ترکستان) کے امیر زادوں میں سے تھے۔ اور بلخ سے ہجرت کرنے کے بعد سلطان شمس الدین التمش کے دورِ حکومت میں موضع پیٹالی ضلع ایٹہ میں آکر آباد ہو گئے تھے۔

امیر محمود ایٹہ سے دہلی آئے تو اپنے خاندانی اوصاف اور غیر معمولی استعداد و لیاقت کی بنا پر بادشاہ کے مقربوں میں شامل ہو گئے۔ دہلی آنے کے بعد آپ کی شادی

نواب عمادالملک کی صاحبزادی سے ہوگئی۔ یہ صاحبزادی علم وفضل میں خاص درجہ کی مالک تھیں۔ ان کے بطن سے امیر محمود کے ہاں تین بیٹے پیدا ہوئے۔ اعزالدین علی شاہ جو سب سے بڑے تھے۔ حسام الدین جو ان سے چھوٹے تھے۔ اور حضرت امیر خسرو جو سب سے چھوٹے تھے ۶۵۳ھ (۱۲۵۵ء) میں شاہانِ غلامان کے عہدِ حکومت میں تولد ہوئے۔ پیدائش کے بعد ان کا نام ابوالحسن رکھا گیا لیکن آپ کا اصلی نام "خسرو" کے تخلص میں دب گیا۔ چنانچہ دنیا میں آپ امیر خسرو ہی کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت امیر خسرو پر ایک مجذوب کی نظر

آپ کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت امیر خسرو تولد ہوئے تو آپ کے والد آپ کو پیدائش کے فوراً بعد برکت کے لئے ایک مست مجذوب کے پاس لے گئے۔ مجذوب نے دیکھتے ہی کہا کہ "لے امیر یہ لڑکا آسمان تصوّف کا آفتاب اور ہر فن میں صاحب کمال ہوگا۔ اس کا نام قیامت تک باقی رہے گا لوگ اس کے کلام کو پڑھیں گے اور وجد کریں گے"۔

حضرت امیر خسرو کے والد اور بھائی سب نہایت ہی لائق اور قابل تھے اس لئے حضرت امیر خسرو کی ابتدائی تعلیم باپ اور بھائیوں کی زیرِ نگرانی ہونے لگی لیکن ابھی آپ اپنی عمر کے نویں سال ہی میں تھے کہ آپ کے والدِ محترم پچاسی سال کی عمر میں ایک لڑائی میں شہید ہو گئے۔ اور باپ کا سایہ آپ کے سر سے اُٹھ گیا۔

باپ کے انتقال کے بعد حضرت امیر خسرو کی تعلیم و تربیت آپ کے نانا نواب عمادالملک کی زیرِ نگرانی ہوتی رہی جن کی عمر اس وقت ایک سو تیرہ سال کی تھی۔ نواب عمادالملک نے اپنے ہونہار نواسے کو فقہ۔ حدیث منطق اور دیگر علوم میں اچھی طرح سے تعلیم دلائی۔ یہاں تک کہ نہایت ہی کم عمری میں آپ کا شمار فضلائے وقت میں ہونے لگا۔ شعر و شاعری سے آپ کو فطری لگاؤ تھا۔ آپ بچپن ہی سے بے تکان

شعر کہتے تھے۔ اور اپنے بڑے بھائی اعزالدین سے اصلاح لیا کرتے تھے یعنی شعر و شاعری میں آپ کے اُستاد آپ کے بڑے بھائی اعزالدین تھے۔

حضرت محبوب الٰہی سے بیعت

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ کو باطنی علوم کی جانب توجہ ہوئی۔

وہ زمانہ تھا کہ سارے ہندوستان میں حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کے باطنی کمالات کا چرچہ تھا۔ امیر خسرو حضرت محبوب الٰہی کی شہرت سُن کر جب آپکی خدمت میں باطنی تربیت حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت آپ کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ "تمہاری چمکتی ہوئی پیشانی سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ ہمارے آفتاب ولایت کی شعاع اسے اور بھی چمکا دیگی" حضرت محبوب الٰہی کے اس ارشاد کے بعد امیر خسرو حضرت کے مریدوں کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔

حضرت امیر خسرو کو چونکہ علوم باطنی سے قدرتی طور پر لگاؤ تھا۔ اس لئے انھوں نے حضرت محبوب الٰہی جیسے رہنما کی زیر نگرانی راہ سلوک کی منزلیں بڑی تیزی کے ساتھ طے کرنی شروع کر دیں۔ آپ عبادت و ریاضت میں سخت سے سخت محنت کرنے سے کبھی نہ کتراتے۔ غرضکہ روحانیت کی جانب آپ کے اس غیر معمولی رُجحان طبع نے حضرت محبوب الٰہی کو خاص طور پر آپ کی جانب متوجہ کر لیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت محبوب الٰہی آپ سے بے حد محبت فرمانے لگے۔

حضرت محبوب الٰہی کی نظروں میں امیر خسرو کی کس قدر قدر و منزلت تھی۔ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک روز حضرت محبوب الٰہی نے آپ سے ارشاد فرمایا کہ "اے ترک (حضرت محبت سے امیر خسرو کو ترک کے نام سے یاد کیا کرتے تھے) میں سب سے تنگ آجاتا ہوں یہاں تک کہ اپنے آپ سے بھی مگر تجھ سے کبھی تنگ نہیں ہوتا" غرضکہ حضرت محبوب الٰہی کی غیر معمولی نوازشات نے آپ کو مختصر سے

عرصہ میں مرد کامل کا درجہ عطا فرما دیا تھا۔

حضرت امیر خسروؒ کی زندگی کے چند خاص واقعات

امیر خسروؒ نے حضرت محبوبِ الٰہی کی شان میں ایک قصیدہ تحریر فرمایا۔ جب آپ نے حضرت کو یہ قصیدہ سُنایا تو حضرت نے خوش ہو کر فرمایا "مانگ خسرو کیا مانگتا ہے"۔ امیر نے عرض کیا "حضرت کلام میں شیرینی اور درد چاہتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا کہ "ہماری چارپائی کے نیچے ایک طشت میں کچھ شکر رکھی ہے اس میں سے تھوڑی سی کھالے"۔ چنانچہ آپ نے حکم کی تعمیل کی اور اس کے بعد آپ کے کلام میں اس بلا کا درد اور شیرینی پیدا ہو گئی کہ جو بھی سُنتا تھا وجد کرنے لگتا تھا۔

حضرت بُو علی قلندر پانی پتی کبھی بادشاہ کا بھیجا ہوا تحفہ قبول نہیں کرتے تھے۔ اور سلطان علاء الدین کی یہ تمنا تھی کہ حضرت قلندر اس کا بھیجا ہوا تحفہ قبول کر لیں۔ لیکن ایسا کوئی ایلچی نہیں ملتا تھا۔ جو حضرت قلندر کی خدمت میں بادشاہ کے تحائف پہنچانے کی جرأت کر سکے۔ آخر امیر خسروؒ کو اس مشکل کام کے لئے تجویز کیا گیا۔ جوں ہی امیر خسرو حضرت قلندرؒ کی خدمت میں پہنچے حضرت قلندر نے دیکھتے ہی فرمایا کہ اپنی کوئی غزل سُناؤ۔ امیر خسرو نے نہایت ہی دلکش انداز میں تصوف میں ڈوبی ہوئی اپنی یہ غزل پڑھی جس کا مطلع یہ ہے ؎

اے کہ گوئی ہیچ مشکل چوں فراق یار نیست\
گر اُمید وصل باشد ہمچناں دشوار نیست

اس غزل کے سُننے کے بعد حضرت قلندر بے حد محظوظ ہوئے۔ اور آپ نے امیر خسرو کے کلام کی بے حد تعریف فرمائی۔ حضرت کو خوش دیکھ کر آپ نے بادشاہ کی نذر پیش کی تو حضرت بو علی قلندرؒ نے قبول فرمائی۔

ایک فقیر حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں طلب کی غرض سے آیا لیکن تین چار دن تک کوئی نذر و نیاز نہیں آئی تو آپ نے فرمایا "ہماری نعلین اُٹھا کر لے جاؤ"۔ فقیر حضرت کی نعلین لے کر ملتان کی جانب روانہ ہوگیا۔ امیر خسرو جو شہزادہ سلطان کے مصاحبوں میں تھے۔ وہ بھی ملتان سے دہلی آرہے تھے۔ اتفاقاً راستہ میں اس فقیر سے ملاقات ہوگئی۔ پوچھا "کہاں سے آتے ہو"۔ فقیر نے کہا "دہلی سے"۔ دہلی کا نام سُن کر آپ نے حضرت محبوب الٰہیؒ کی خیریت معلوم کی تو فقیر نے اپنی سرگزشت سناتے ہوئے امیر خسرو کو بتایا کہ "حضرت محبوب الٰہیؒ نے مجھے اپنی نعلین عطا کی ہیں"۔ امیر خسروؒ نے فقیر سے پوچھا کہ "یہ نعلین بیچو گے"۔ فقیر نے کہا "آپ شوق سے خرید لیں"۔ امیر خسرو نے وہ پانچ لاکھ روپے جو شہزادہ سلطان نے آپ کو دیئے تھے۔ نکال کر فقیر کے سامنے رکھ دیئے اور حضرت کی کفش مبارک اپنے سر پر رکھ لیں اور اسی حالت میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ سُنایا تو حضرت نے فرمایا "اے ترک ارزاں خریدیں"

امیر حسن نامی نانبائی کے ایک لڑکے پر امیر خسرو کی نظر پڑ گئی۔ تو وہ نانبائی کی دکان چھوڑ کر آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہوگیا۔ اور امیر کے فیض صحبت سے چند ہی روز میں شاعر باکمال اور فاضل اجل شمار ہونے لگا۔ امیر خسرو کو امیر حسن سے بے اندازہ محبت تھی۔ لیکن شہزادہ محمد سلطان جس کے مصاحبوں میں حضرت امیر خسرو تھے وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ نانبائی زادہ حضرت امیر خسرو کے پاس اُٹھے بیٹھے۔ چنانچہ شہزادہ نے امیر حسن کو سخت ہدایت کر دی کہ وہ امیر خسرو کے پاس نہ جاتے۔ جب امیر حسن باز نہ آیا۔ تو شہزادہ نے امیر حسن کے ہاتھ پر کوڑے بطور سزا کے مارے۔ اور امیر خسرو سے بُلا کر پوچھا کہ امیر حسن کے ساتھ یہ تمہاری کیسی محبت ہے کہ لوگ چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ "ہمارے اور اس کے درمیان کوئی دوئی نہیں ہے" اور یہ کہتے ہوئے شہزادہ کو اپنے دست مُبارک دکھائے تو شہزادہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جس مقام پر امیر حسن کے

ہاتھ پر تازیانے لگائے گئے تھے۔ اسی مقام پر امیر خسرو کے ہاتھوں پر تازیانے کے نشان پڑ گئے تھے۔ شہزادہ بے حد نادم ہوا۔ آپ نے فوراً شہزادہ کی ملازمت سے استعفا دیدیا لیکن شہزادے نے منت و سماجت کر کے امیر خسرو کو روک لیا۔

حضرت محبوب الٰہی نے جب سلطان جلال الدین خلجی کی باربار کی خواہش کے باوجود حاضری کی اجازت نہ دی تو سلطان نے امیر خسرو سے کہا کہ "حضرت تو کسی طرح مجھ کو حاضری کی اجازت ہی نہیں دیتے لہٰذا میں نے طے کیا ہے کہ اجازت حاصل کئے بغیر قدمبوسی کے لئے پہنچ جاؤں"۔ یہ کہنے کے بعد سلطان نے امیر خسرو سے کہا "آپ اس راز کو حضرت سے بیان نہ فرمائیں"۔ امیر خسرو سلطان کی یہ بات سننے کے بعد عجیب اُلجھن میں پڑ گئے کہ اگر اس راز کو حضرت محبوب الٰہی سے کہدیتے ہیں تو بادشاہ ناراض ہو جاتا ہے۔ اور اگر پوشیدہ رکھتے ہیں تو حضرت محبوب الٰہی کے رنجیدہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ آپ نے سوچا کہ بادشاہ کی خفگی سے تو صرف جان جا سکتی ہے لیکن حضرت کی ناگواری سے تو ایمان متزلزل ہو جائے گا۔ جو بے حد قیمتی ہے لہٰذا آپ نے یہ راز حضرت پر ظاہر کر دیا۔ حضرت محبوب الٰہی اس راز کے معلوم ہوتے ہی اپنے پیرو مرشد بابا فرید کے پاس پاک پٹن تشریف لے گئے۔ بادشاہ کو جب معلوم ہوا کہ حضرت دہلی سے باہر چلے گئے ہیں تو اس نے سمجھ لیا کہ امیر خسرو نے ہدایت کے باوجود اس راز کا انکشاف کر دیا ہے چنانچہ بادشاہ نے امیر خسرو کو بلوایا اور پوچھا کہ "کیا آپ نے میری حاضری کے راز کو حضرت پر ظاہر کیا ہے"؟ آپ نے جواب دیا "جی ہاں میں نے ہی یہ راز افشا کیا ہے۔ کیونکہ آپ کی ناراضگی میں تو صرف جان کا خوف تھا جسے ایک نہ ایک دن جانا ہے۔ مگر حضرت کی ناراضگی میں تو ایمان کے جانے کا خوف تھا جس کا کوئی بدل نہیں۔ اس لئے میں نے جان پر ایمان کو ترجیح دی۔ بادشاہ امیر خسرو کا یہ معقول جواب سُن کر خاموش ہو گیا۔

حضرت محبوب الٰہی کی وفات کا امیر خسرو کو انتہائی غم

حضرت

محبوبِ الٰہی کو امیر خسرو سے اس قدر محبت تھی کہ وہ آپ کو اپنی آنکھوں کے سامنے سے کبھی جُدا نہیں کرتے تھے۔ اور امیر خسرو کو حضرت سے اس بلا کا عشق تھا کہ آپ اوّل تو حضرت سے علٰحدہ ہی نہیں ہوتے تھے اور جب کبھی علٰحدہ ہوتے تھے تو رات دن بے چین رہتے تھے لیکن قدرت کے عجیب کھیل ہیں کہ حضرت محبوبِ الٰہی کا جب وصال ہوا تو امیر خسرو سلطان غیاث الدین تغلق کے ہمراہ بنگال گئے ہوئے تھے۔ اس عاشق صادق کو جوں ہی حضرت کے انتقال کی خبر ہوئی دیوانہ وار دوڑے ہوئے آئے۔ سر کے بال کٹوا دئے اور پاگلوں کی طرح مزارِ اقدس پر آ کر گر پڑے۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ "کیسا اندھیر ہے کہ آفتاب زمین کے اندر چھپ جائے اور اس کی شعاعیں سر ٹکتی پھریں" یعنی سلطان المشائخ تو واصل حق ہو جائیں اور خسرو زندہ رہے۔ یہ کہتے ہوئے آپ سر پٹختے پٹختے بے ہوش ہو گئے جب ہوش ہوا تو فرمایا "اے مسلمانان من کدام باشم کہ برائے ایں چنیں بادشاہے بگریم فاما برائے خود بگریم کہ بعد سلطان المشائخ مرا چنداں بقائے نخواہد بود۔ غرضکہ آپ بری طرح گریہ وزاری کرتے رہے اس کے بعد تمام مال واسباب اور نقد وجنس کو غربا میں تقسیم کر دیا۔ اور سیاہ کپڑے پہن کر مزار اقدس پر آن بیٹھے اور دُنیا سے بالکل کنارہ کش ہو گئے۔

سلطان المشائخ حضرت کے غم میں حضرت امیر خسروؒ نے جان دیدی

حضرت محبوبِ الٰہی کی وفات نے حضرت امیر خسرو کو نیم مُردہ کر دیا تھا۔ آپ رات دن روضۂ اقدس پر پڑے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت محبوبِ الٰہی کی وفات کے پورے چھ ماہ بعد ۱۸ر شوال ۷۲۵ھ (۱۳۲۴ء) کو حضرت امیر خسرو اس دُنیا سے کنارہ کر کے اپنے پیرو مرشد سے جا ملے۔

حضرت محبوبِ الٰہی کو حضرت امیر خسرو سے کتنی محبت تھی اس کا اندازہ اس سے

لگایا جاسکتا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک قبر میں دو شخصوں کے دفن کرنے کی شریعت نے اجازت دی ہوتی تو میں دوسرے کو اپنے ساتھ دفن کرنے کے لئے اپنے ترک کی وصیت کرتا۔ حضرت محبوب الٰہی حضرت امیر خسرو سے اکثر یہ بھی فرمایا کرتے تھے "تیری زندگی ہماری زندگی کے ساتھ وابستہ ہے جب ہم نہیں رہیں گے تو تو بھی اپنے آپ کو دنیا میں نہ سمجھنا" چنانچہ وہی ہوا۔ اس کے علاوہ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کا یہ بھی ارشاد تھا کہ "خسرو ہمارا رازدار اور راز داں ہے۔ اس کو ہمارے پہلو میں دفن کرنا" حضرت کے اس ارشاد کے مطابق حضرت امیر خسرو کو حضرت محبوب الٰہی کے پہلو میں مزار سے بالکل متصل دفن کیا گیا تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ حضرت امیر خسرو کے انتقال کے ۲۷۱ سال بعد تک ان کے مزار پر کوئی عمارت تعمیر نہیں ہوئی تھی سب سے پہلے بابر بادشاہ کے عہد میں مہدی خواجہ نے آپ کا مقبرہ تعمیر کرایا۔ پھر جہانگیر کے عہدِ حکومت میں عماد حسن بن سلطان علی سبزواری نے سنگِ مرمر لگوایا اور تعمیر میں اضافہ کیا۔

حضرت امیر خسرو درویش کامل ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے اہل قلم تھے آپ کی ننانوے کے قریب مختلف تصانیف تھیں جن میں سے بہت سی ناپید ہیں۔ آپ کے اشعار کی تعداد پانچ لاکھ سے زیادہ ہے۔ آپ خاص قسم کے گیتوں کے موجد ہیں جن کو ہندوستانی لٹریچر میں بلند ترین مرتبہ حاصل ہے۔ اس برِّ عظیم میں آپ ہی نے سب سے پہلے اردو زبان کی داغ بیل ڈالی۔ فن موسیقی کے بھی آپ بہت بڑے ماہر تھے۔ ستار کو آپ ہی کی ایجاد بتایا جاتا ہے۔ موسیقی کی اکثر راگ راگنیاں آپ نے ایجاد فرمائی ہیں۔ آپ نے ۷۲ سال کی عمر میں غیاث الدین بلبن سے لیکر محمد شاہ تغلق کے عہد تک گیارہ سلطنتیں دیکھیں جن میں سے سات بادشاہوں کے مصاحبت میں آپ خود رہے۔ حضرت نے وفات کے وقت اپنے پیچھے تین بیٹے اور ایک بیٹی چھوڑی تھی +

حضرت خواجہ

باقی باللہ نقشبندی

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ باقی اللہ رحمتہ اللہ علیہ ہندوستان کے سب سے نوعمر ولی ہیں جن کی شان ولایت بالکل نوجوانی میں ہویدا تھی۔ اور جو عین عالم جوانی میں اس دنیا سے کنارہ کر گئے آپ ہی کی ذات وہ مقدس ذات ہے جس نے اس برعظیم کے مسلمانوں کا افغانستان اور آزاد قبائل کے ساتھ ایک ایسا روحانی رشتہ قائم کر دیا ہے۔ جو قیامت تک نہیں ٹوٹ سکتا چنانچہ آپ کے خلفا اور جانشین ہندوستان اور پاکستان سے لیکر افغانستان تک پھیلے ہوئے ہیں اور آپ کے معتقد صرف ہندوستان۔ پاکستان اور افغانستان ہی میں نہیں ہیں بلکہ روسی ترکستان اور ایران میں بھی آپ کے عقیدتمندوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم دین ہونے کے ساتھ اتنے بڑے روحانی پیشوا ہوئے ہیں کہ آپکی روحانی عظمت کا اندازہ لگانا بھی عام انسانوں کے لئے دشوار ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کی ولادت

حضرت خواجہ باقی باللہ کے والد محترم کا اسم گرامی قاضی عبد السلام تھا۔ جو افغانستان کے آزاد قبائل کے ایک نہایت ہی معتقد اور معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عرصہ دراز سے آپ نے کابل میں بود و باش اختیار کرلی تھی۔ قاضی عبد السلام چونکہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم و فاضل تھے اس لئے آپ کو کابل میں غیر معمولی مذہبی عظمت حاصل تھی۔

حضرت خواجہ باقی باللہ ۹۷۱ھ (۱۵۶۳ء) میں شہنشاہ اکبر کے عہد حکومت میں کابل میں پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش کی برکت سے آپ کے والد محترم قاضی عبد السلام کا اقتدار اس قدر بڑھا کہ سلاطین وقت کی گردنیں آپ کے آگے جھکنے لگیں۔ بچپن ہی سے

حضرت خواجہ سے ایسی علامتوں کا ظہور ہونے لگا۔ جس سے پتہ چلتا تھا کہ آپ پیدائشی ولی ہیں چنانچہ تین چار سال کی عمر میں آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ سب سے الگ تھلگ گوشۂ تنہائی میں گھنٹوں اس طرح بیٹھے رہتے جیسے کہ آپ عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوں۔

حضرت خواجہ کی ابتدائی زندگی

پانچ سال کی عمر میں حضرت خواجہ کی ابتدائی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور آپ اپنے والدِ محترم کی زیرِ نگرانی ظاہری علوم کے حصول میں مصروف ہو گئے۔ کئی سال تک اپنے والدِ محترم کی نگرانی میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ کو علوم ظاہری کی تکمیل کے لئے حضرت مولانا صادق کے سپرد کر دیا گیا۔ حضرت مولانا صادق نہ صرف کابل میں بلکہ سارے افغانستان میں یگانہ روزگار علما میں سے تھے۔ اور آپ کو ظاہری علوم کے ساتھ باطنی کمالات بھی حاصل تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ نے آپ سے پوری طرح استفادہ حاصل کیا۔

حضرت خواجہ کو حضرت مولانا صادق کی معیت میں ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ مولانا صادق کو ماوراء النہر تشریف لے جانے کی ضرورت پیش آئی حضرت خواجہ جو اپنے اُستادِ کامل کو کسی طرح بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے اُستاد کے ہمراہ کابل سے ماوراء النہر تشریف لے گئے۔ غرضکہ حضرت خواجہ نے ماوراء النہر پہنچنے کے بعد حضرت مولانا محمد صادق سے علوم ظاہری کی تکمیل فرمالی۔ اور نو عمری کے باوجود حضرت خواجہ کا شمار مقتدر علما میں ہونے لگے اور رفتہ رفتہ آپ کی شہرت ماوراء النہر کی حدود سے نکل کر دُور دُور پھیل گئی۔

حضرت خواجہ کی راہ سلوک میں سرگردانی

حضرت خواجہ چونکہ دنیا میں باطنی فیوض کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس لئے علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد آپ کے قلب

میں علوم باطنی کے حصول کی بے پایاں تڑپ پیدا ہوئی۔ اور آپ ماورالنہر اور گردونواح میں اولیا اللہ کی تلاش میں سرگرداں رہنے لگے۔ غرضکہ آپ کو جو بھی بزرگ جہاں ملا۔ اس سے استفادہ حاصل کیا اور خاموشی کے ساتھ راہ سلوک کی منزلیں طے فرماتے رہے۔

ماورالنہر سے ہندوستان کو روانگی

ماورالنہر اور اس کے گردونواح کے رُوحانی بزرگوں سے استفادہ حاصل کرنے کے بعد۔ آپ ہندوستان کی جانب روانہ ہوگئے کیونکہ اُس زمانہ میں ہندوستان کو روحانی پیشواؤں کے معاملہ میں ساری دُنیا میں غیر معمولی شہرت اور عظمت حاصل تھی آپ ماورالنہر سے ہندوستان تشریف لائے تو آپ کے معاصرین نے جو بڑے بڑے شاہی منصبوں پر ممتاز تھے۔ اُس بات کی انتہائی کوشش کی کہ آپ کوئی بڑے سے بڑا شاہی عہدہ قبول کرلیں لیکن آپ کو تو دُنیاوی وجاہت سے کوئی لگاؤ نہ تھا بلکہ آپ روحانی شہنشاہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اس لئے آپ ہندوستان آنے کے بعد رُوحانی رہنماؤں کی تلاش میں مدتوں سرگرداں رہے۔

حضرت خواجہ میں کس بلا کی روحانی تڑپ پیدا ہوچکی تھی اس کا اندازہ حضرت خواجہ کے اس بیان سے ہوسکتا ہے کہ "میں ایک روز تصوف کے مُطالعہ میں مشغول تھا کہ یکایک ایک ایسی تجلی رُونما ہوئی کہ میں آپے میں نہ رہا۔ اور میرے ہوش و حواس جاتے رہے۔ آخر حضرت خواجہ بہاء الدین زکریا ملتانی کی رُوحانی کشش نے میری دستگیری کی اور اس کے بعد میں ارباب معرفت کی تلاش اور جستجو میں اور بھی زیادہ سرگرم عمل ہوگیا۔"

حضرت خواجہ کی بزرگان طریقت سے ملاقات

حضرت خواجہ کے ذوق طلب کا یہ عالم تھا کہ ہندوستان کے جنگل۔ بیابانوں اور قبرستانوں میں بزرگانِ طریقت

کو تلاش کرتے پھرا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت خواجہ شمالی ہند کے جنگلوں اور بیابانوں کو کھوندتے ہوئے اور دُرویشان باصفا سے ملاقاتیں کرتے ہوئے جب لاہور پہنچے تو آپ کی نظر انتخاب لاہور کے ایک مجذوب پر پڑی جو عموماً لاہور کے قبرستانوں میں دکھائی دیتا تھا حضرت خواجہ کی حالت یہ تھی کہ اس مجذوب کے پیچھے پیچھے پھرتے۔ اور یہ مجذوب جب حضرت کو دیکھتا تو گالیاں دیتا اور حضرت پر پتھر برساتا لیکن خواجہ تھے کہ اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتے تھے۔

اس مجذوب نے جب سمجھ لیا کہ اس مرد باخدا سے چھٹکارا مشکل ہے۔ تو یکایک اس کی مجذوبیت نے ایک ہوشمند اور درویش باصفا کی شکل اختیار کر لی۔ اس نے حضرت کو اپنے قریب بلایا۔ حضرت پر نظر خاص ڈالی۔ دلی مقصد کے حصول کے لئے دعا کی چنانچہ اس مجذوب کی بدولت حضرت کو بے اندازروحانی فیض حاصل ہوا۔ حضرت خواجہ نے یوُں تو لاتعداد بزرگانِ طریقت سے فیض حاصل کیا ہے لیکن ذیل میں ہم صرف چند ایسے بزرگوں کے نام نامی درج کرتے ہیں جن اربابِ معرفت کے ہاتھوں پر آپ نے بیعت کی اور اجازت و خرقہ حاصل فرمایا۔ یہ مقتدر اربابِ طریقت یہ ہیں۔

(۱) حضرت خواجہ عبید رحمتہ اللہ جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے صاحبِ معرفت بزرگ تھے۔ آپ مولانا لطف اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔

(۲) حضرت امیر عبد اللہ بلخی رحمتہ اللہ علیہ۔ آپ مجتہدانہ شان رکھتے تھے بہت بڑے صاحبِ سلوک بزرگ اور عامل تھے آپ کے شاگردوں کی تعداد لامحدود تھی۔

(۳) شیخ سمرقندی رحمتہ اللہ علیہ۔ آپ حضرت خواجہ احمد یسوی کے جلیل القدر خانوادہ تھے اور آپ کا شمار بہت بڑے بزرگانِ طریقت میں ہے۔

(۴) حضرت شیخ بابا میوانی قدس سرہٗ۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں آپ کو بہت بڑا درجہ حاصل تھا۔ آپ کشمیر میں قیام فرماتے اور سارا کشمیر آپ کا معتقد تھا۔

(۵) حضرت مولانائے اعظم خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ۔ مشائخ نقشبندیہ میں آپ کو بلند ترین درجہ حاصل تھا جس زمانہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ ماوراء النہر میں مشائخ کبار کی تلاش و جستجو میں سرگرداں تھے۔ آپ نے عالم مراقبہ میں دیکھا کہ حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سامنے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں اے فرزند ہم تمہارے منتظر ہیں ہمارے پاس جلد آؤ۔

ان بزرگان طریقت کے علاوہ حضرت خواجہ باقی باللہ کو براہ راست رسول مقبول صلعم سے بھی فیض حاصل ہوا تھا۔ غرضکہ حضرت خواجہ نے نوجوانی کے عالم ہی میں راہ سلوک کی منزلیں طے کرنے کے بعد روحانیت میں بلند ترین درجہ حاصل فرمایا تھا۔

حضرت خواجہ کی زندگی کے چند خاص واقعات

حضرت خواجہ باقی باللہ رح

حضرت خواجہ امکنگی رحمۃ اللہ علیہ سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کے بعد یہ چاہتے تھے کہ آپکی خدمتِ بابرکت میں کچھ دن اور رہیں لیکن آپ کو ہدایت ہوئی کہ "تم ہندوستان واپس جاؤ۔ تاکہ وہاں تمہاری کوشش سے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے پودے نشو و نما پائیں اور اس ملک کے باشندے تمہارے فیض سے استفادہ حاصل کریں" چنانچہ آپ حضرت خواجہ امکنگی کی خدمت سے جدا ہونے کے بعد ہندوستان کے لئے روانہ ہو گئے اور ہندوستان آنے کے بعد اپنے فیض سے خلق خدا کو مستفید فرمانا شروع کر دیا۔

صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ "ایک صاحب دل نے جو اکثر اوقات حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا مجھ سے بیان کیا کہ حضرت خواجہ لاہور کی ایک مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور نماز میں شریک ہو گئے کہ دفعتہً آپ کے سینہ سے ایک نہایت ہی ہیبتناک آواز نکلی جس سے تمام نمازی دہل گئے۔ امام کے سلام پھیرتے ہی حضرت خواجہ بڑی تیزی کے ساتھ مسجد سے باہر

تشریف لے گئے۔ اور اس دن کے بعد پھر مسجد میں تشریف نہیں لائے بلکہ ساتھیوں کو جمع کر کے مکان ہی پر نماز جماعت پڑھ لیا کرتے تھے۔

ایک دوسرے صاحب دل کا بیان ہے کہ "جو لوگ حضرت خواجہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ ان میں ایک میں بھی تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجہ نماز میں مشغول تھے اور ہم تین چار آدمی آپ کے پیچھے کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اتنا میں نماز میں میں نے دیکھا کہ حضرت قبلہ رُخ تو کھڑے ہیں مگر مجھے دیکھ رہے ہیں۔ یعنی آپ کا روئے مبارک قبلہ کی طرف بھی ہے اور میری طرف بھی جس طرح آپ سامنے کی چیزوں کو ملاحظہ فرما رہے ہیں، اسی طرح پیچھے کی چیزوں کو بھی دیکھ رہے ہیں یہ عجیب وغریب واقعہ دیکھ کر میں خوف سے کانپنے لگا۔ اور بڑی مشکل سے نماز پوری کی۔

ایک خراسانی نوجوان مدت تک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار مبارک کی اس توقع میں مجاوری کرتا رہا کہ حضرت کی رُوحِ پاک کے فیض سے اسے کسی پیر کامل کا پتہ چل جائے۔ آخر اسے بشارت ہوئی کہ طریقہ نقشبندیہ کا ایک بزرگ دہلی میں آیا ہوا ہے۔ فلاں جگہ مقیم ہے۔ اس کی خدمت میں حاضر ہو۔ چنانچہ وہ حضرت خواجہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اور سارا واقعہ بیان کر دیا حضرت خواجہ نے جو بے حد منکسر المزاج تھے فرمایا کہ "بھائی یہ مسکین تو اس قابل نظر نہیں آتا۔ جس بزرگ کے لئے تم کو ہدایت کی گئی ہے وہ کوئی اور ہوں گے"۔ خراسانی نوجوان واپس چلا گیا۔ دوسری رات کو پھر اسے بشارت ہوئی کہ جس بزرگ کا تم نے مجھے پتہ بتایا تھا وہ وہی بزرگ ہیں جن کی خدمت میں تو کل حاضر ہوا تھا۔ صبح ہوتے ہی خراسانی نوجوان پھر حضرت خواجہ کی خدمت میں آموجود ہوا۔ اور مرتے دم تک آپ سے جُدا نہ ہوا۔

جس زمانہ میں کہ حضرت خواجہ لاہور میں قیام فرما تھے لاہور اور پنجاب میں

ایسا قحط پڑا کہ لوگ فاقوں مرنے لگے۔ حضرت خواجہ نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی تو خود بھی کھانا چھوڑ دیا۔ چند روز کے بعد جب خدام نے ڈرتے ڈرتے کھانا پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ "یہ کیسی بے انصافی ہے کہ لوگ تو پڑوس میں بھوک کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر رات گذاریں اور ہم پیٹ بھر کر کھانا کھائیں"۔ اس کے بعد آپ کے حکم سے سارا کھانا بھوکوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

آپ نے شروع میں لاہور میں قیام فرمایا تھا اس کے بعد آپ کو دہلی میں قیام کا حکم ہوا تو آپ لاہور سے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ لیکن دورانِ سفر میں آپ کی رحم دلی کی یہ کیفیت تھی کہ جب کوئی کمزور یا بوڑھا دکھائی دیتا تو گھوڑے سے اتر پڑتے اسے گھوڑے پر بٹھا لیتے اور آپ پا پیادہ چلتے غرضکہ اسی طرح کمزوروں کی امداد فرماتے ہوئے کافی مدت کے بعد آپ دہلی پہنچے۔

حضرت خواجہ بے حد رحمدل واقع ہوئے تھے۔ آپ کی رحمدلی صرف انسانوں ہی تک محدود نہ تھی بلکہ آپ انسانوں کی طرح جانوروں پر بھی بے حد رحم فرماتے تھے چنانچہ آپ کے ملفوظات سے پتہ چلتا ہے کہ ایک رات جب آپ تہجد کی نماز کے لئے اُٹھے تو بلی آپ کے لحاف پر آ کر سو گئی۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب آپ بستر کی جانب آئے تو بلی کو لحاف پر سوتے ہوئے دیکھا۔ آپ کی رحمدلی نے اس کی اجازت نہ دی کہ بلی کو جگا دیا جائے چنانچہ صبح تک سردی میں بیٹھے رہے۔ اور بلی بدستور سوتی رہی۔

ایک شاہی امیر نے جو حضرت خواجہ کا بے حد عقیدتمند تھا آپ کی خدمت میں بہت سا روپیہ بھیجا اور عرض کیا کہ اسے مستحقوں میں تقسیم فرما دیجئے۔ آپ نے خادم سے فرمایا کہ جو کچھ نقدی ہمارے پاس ہے۔ وہ بھی اس میں ملا دو۔ اور سارا روپیہ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دو۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ کس قدر فیاض دل تھے۔

جب حضرت نے سفر حجاز کا ارادہ کیا اور اس کی خبر بادشاہ کے وزیر عبدالرحیم خانخاناں کو ہوئی تو اس نے ایک لاکھ روپیہ آپ کے زادِ راہ کے لئے بھجوایا اور لکھا کہ مجھے امید ہے کہ حضور اس حقیر رقم کو قبول فرما کر میری عزت افزائی فرمائیں گے۔ حضرت خواجہ کے پاس جب یہ روپیہ پہنچا تو آپ بے حد ناراض ہوئے اور آپ نے یہ کہتے ہوئے روپیہ واپس کر دیا کہ "ہم درویشوں کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ ہم خلق خدا کی گاڑھی کمائی کا مال ضائع کر کے حج کو جائیں یہ رعایا ہی کا حق ہے۔"

حضرت خواجہ اعلیٰ اخلاق کا زندہ نمونہ تھے۔ آپ زیادہ تر خاموش رہتے تھے اور کبھی کوئی لفظ ایسا زبان سے نہیں نکالتے تھے جس سے کہ کسی کی دل آزاری ہو۔ ایک بد اطوار نوجوان کو اس کے پڑوسیوں نے کوتوال سے کہہ کر حوالات میں بند کرا دیا۔ آپ نے بلا کر پڑوسیوں کو تنبیہ کی لوگوں نے کہا کہ وہ انتہا درجہ کا فاسق و فاجر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ "چونکہ تم اپنے تئیں صالح با صفا اور گناہوں سے پاک سمجھتے ہو اس لئے دوسرے کو ایسا کہہ رہے ہو۔ ہم تو کسی بات میں بھی اپنے آپ کو اس نوجوان سے اچھا نہیں پاتے۔" آپ نے کوتوال شہر سے سفارش کر کے اسے چھڑا لیا۔ حضرت کی خدمت میں رہنے کے بعد نوجوان کی حالت بالکل بدل گئی حضرت خواجہ کے انکسار کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی معمولی آدمی بھی آپ کو سخت سے سخت بات کہتا تھا۔ تو آپ مسکرا کر خاموش ہو جاتے تھے۔

حضرت خواجہ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ اگر آپ کی خدمت میں کوئی کھانے کی چیز بھیجی جاتی تھی تو آپ اسے کھانے میں پوری احتیاط کرتے تھے اس خوف سے کہ شاید اس میں ناجائز کمائی کا کوئی جزو شامل ہو۔ غرضکہ آپ کبھی کوئی ایسی چیز زبان پر نہیں رکھتے تھے جس کے سو فی صدی اکل حلال ہونے کا آپ کو یقین نہیں ہو جاتا تھا۔ آپ خدام کو نہایت تاکید کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ کھانا پکانے والا کھانا

پکانے اور تیار کرنے کے دوران میں باوضو رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جو لقمہ بے احتیاط کھایا جاتا ہے اس سے ایک ایسا دھواں پیدا ہوتا ہے جس سے قلب پر کدورت آجاتی ہے۔

حضرت خواجہ کی وفات

حضرت خواجہ باقی باللہ جب عمر کے چالیسویں سال میں داخل ہوئے تو آپ کو اس دنیا سے قطعی نفرت ہوگئی اور آپ پر ایسی کیفیات طاری ہونے لگیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت خواجہ کو اپنی رحلت کا پہلے سے علم ہوگیا تھا۔ ان دنوں میں آپ کی حالت یہ تھی کہ جب کسی کے مرنے کی خبر سنتے تو فرماتے اچھا ہوا بیچارہ دنیا کے نہ ختم ہونیوالے جھگڑوں سے چھوٹ گیا۔

رحلت سے کچھ روز قبل آپ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ جب میری عمر پورے چالیس سال کی ہو جائے گی تو میرے ساتھ ایک عظیم الشان واقعہ پیش آئے گا۔ اسی طرح رحلت سے پہلے آپ نے ہاتھ میں آئینہ لیکر اپنی اہلیہ سے فرمایا کہ "آؤ ہم تم دونوں آئینہ دیکھیں"۔ آپ کی اہلیہ محترمہ کا بیان ہے کہ "میں نے جو آئینہ کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتی ہوں کہ اس میں ایک بوڑھے آدمی کی شبیہہ ہے جس کی داڑھی کے تمام بال سفید ہیں۔ میں یہ دیکھ کر ڈری اور عرض کیا کہ آپ یہ کیسی صورت دکھاتے ہیں جس سے میرا سارا جسم کانپ گیا۔ میں تو اس صورت کے دیکھنے کی تاب نہیں رکھتی"۔ آپ نے تبسم فرمایا اور پھر آپ کی اصلی صورت شیشہ میں دکھائی دینے لگی۔

حضرت خواجہ کی یہ قدیمی عادت تھی کہ آپ روحانی انکشافات کو خواب کہہ کر ظاہر فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز آپ کہنے لگے۔ خوابوں سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا کوئی بڑا شخص فوت ہونے والا ہے"۔ یہ کہہ کر ارشاد فرمایا کہ "شہر دہلی کے کنارے کوئی پاک جگہ تلاش کرنی چاہیے"۔ اس کے بعد

حضرت خواجہ نے لوگوں سے ملنا جلنا بالکل ترک کر دیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "صاف لفظوں میں مجھ سے کہا جا رہا ہے کہ مجھے جس غرض کے لئے لایا گیا تھا وہ پوری ہو گئی۔ اب سامان سفر مہیا کر کے کوچ کی تیاری کر"۔ الغرض جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ ہجری میں آپ بیمار ہوئے اور آپ کی بیماری برابر بڑھتی چلی گئی۔ بیماری کے زمانہ میں حضرت خواجہ نے اپنی موت کی پیشین گوئی کرتے ہوئے فرمایا "میں نے خواجہ احرار رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا ہے کہ فرماتے ہیں کہ فرزند من پیراہن سے اپنے جسم کو ڈھانک لو"۔ خواب بیان کرنے کے بعد آپ نے مسکرا کر کہا "اگر ہم کچھ دن زندہ رہے تو ایسا ہی کریں گے ورنہ کفن بھی تو ایک قسم کا پیراہن ہے"۔

حضرت خواجہ نے اپنی وفات سے کئی ماہ قبل جو پیشین گوئیاں کرنی شروع کر دی تھیں وہ آخر پوری ہوئیں یعنی بروز شنبہ ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ (۱۶۰۳ء) کو عصر اور مغرب کے درمیان اللہ اللہ کہتے ہوئے آپ اس جہانِ فانی سے عین عالم جوانی میں رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

انتقال کے بعد ایک پاکیزہ مقام پر آپ کے لئے قبر تیار کی گئی لیکن جب آپ کی میت کو لیکر چلے تو لوگوں پر کچھ ایسی بدحواسی طاری ہوئی کہ حاملانِ جنازہ بجائے اس کے کہ جس جگہ قبر تیار ہوئی تھی وہاں میت کو لیجاتے انھوں نے کسی اور مقام پر لیجا کر میت کو رکھ دیا۔ جب اس مقام پر میت رکھی گئی تو حضرت کے مصاحبین کو یاد آیا کہ یہ وہی مقام ہے جہاں ایک روز حضرت خواجہ نے وضو فرما کر نماز ادا کی تھی اور اُٹھتے وقت جب آپ نے دیکھا کہ آپ کے دامنِ مبارک پر وہاں کی خاک لگ گئی ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "یہ جگہ ہماری دامنگیر ہوئی ہے یہی ہمارا مدفن ہوگا"۔ چنانچہ اس واقعہ کے یاد آنے کے بعد وہیں قبر کھودی گئی اور حضرت خواجہ کے جسم اقدس کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ یہ مقام دہلی میں صدر بازار کے بالکل متصل قطب روڈ پر واقعہ ہے۔

اور بنی کریم یا درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت کا مزار مبارک شروع میں بالکل کچا تھا لیکن بعد میں آپ کے مزار مبارک سے متصل ایک شاندار مسجد تعمیر ہوگئی۔ اور مزار مبارک بھی پختہ بن گیا۔ جسے ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں کافی نقصان پہنچ گیا تھا مگر اب دوبارہ اس کی مرمت کر دی گئی ہے۔

حضرت خواجہ کی روحانی اور جسمانی اولاد

یوں تو حضرت خواجہ کے نامور خلفا بہت سے ہیں لیکن ان میں چار سب سے زیادہ ممتاز ہیں (۱) شیخ احمد سرہندی۔ مجدد الف ثانی رح (۲) شیخ تاج الدین سنبھلی رح (۳) خواجہ حسام الدین احمد رح (۴) شیخ اللہ داد رح لیکن ان چاروں خلفا میں سب سے بلند مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی کو حاصل ہے جو حضرت خواجہ کے خلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت کے عاشق صادق بھی تھے۔

حضرت کی روحانی اولاد یعنی خلفا کے علاوہ حضرت کی جسمانی اولاد میں حضرت کے دو صاحبزادے تھے۔ جن میں سے بڑے صاحبزادے خواجہ عبید اللہ تھے۔ جو علوم باطنی اور ظاہری دونوں سے مالا مال تھے۔ آپ کے دوسرے صاحبزادے محمد عبداللہ تھے جو خواجہ عبید اللہ سے چار ماہ چھوٹے تھے اور حضرت کی دوسری حرم محترم کے بطن سے تھے آپ بہت بڑے عالم ہوئے ہیں اور غیر معمولی ذوق تصوف رکھتے تھے۔ صاحبزادہ محمد عبداللہ زمانہ دراز تک حضرت مجدد الف ثانی کے پاس رہ کر روحانی کمالات سے فیضیاب ہوتے رہے ہیں۔ اور آپ کو راہ سلوک میں ایک خاص درجہ حاصل تھا۔

حضرت شیخ احمد
امام ربّانی مجدد الف ثانی
رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ احمد امامِ ربّانی مجدد الف ثانی رح

حضرت شیخ احمد امام ربانی مجدد الف ثانی کو ارباب طریقت میں کس قدر بلند درجہ حاصل ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمتہ اللہ علیہ جو آپ کے پیر و مرشد تھے لیکن آپ اس قدر احترام اور عزت کرتے تھے کہ جب حضرت خواجہ کی مجلس گرم ہوتی تو حضرت مجدد کو سر حلقہ بنایا جاتا تھا اور حضرت خواجہ باقی باللہ مُریدوں کی طرح مجلس میں بیٹھتے تھے حضرت مجدد الف ثانی پیر طریقت ہونے کے ساتھ سچے عالم باعمل بھی تھے آپ نے ساری عمر سماع سے سخت پرہیز کیا اور کوئی ایسی حرکت نہ ہونے دی جو بال بھر بھی شریعت اسلامیہ کے خلاف ہو۔ آپ اُن بزرگوں میں سے ہیں جن کی روحانی تجلیوں سے نہ صرف پنجاب بلکہ سارا شمالی ہند آج تک روشنی حاصل کر رہا ہے۔

حضرت مجدد کا بچپن

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی ۱۴ ارشوال ۹۷۱ھ (۱۵۶۳ء) کو شہنشاہ اکبر کے عہد حکومت سرہند میں پیدا ہوئے۔

آپکے والد ماجد کا نام مخدوم شیخ عبدالاحد فاروقی تھا جو سرہند کے مقتدر علما میں شمار کئے جاتے تھے۔

حضرت مجدد کی ایام طفولیت کا ایک واقعہ بعض تذکروں میں درج ہے کہ ایک مشہور بزرگ شاہ کمال کیتھلی آپکے والد حضرت مخدوم سے ملنے کیلئے سرہند آئے حضرت مجدد کو دیکھا تو محبت اور شفقت سے شاہ صاحب نے اُنہیں گود میں اُٹھا لیا۔ شاہ صاحب کی یہ عنایت اور محبت دیکھ کر حضرت مجدد کے والد حضرت مخدوم نے شاہ صاحب سے کہا کہ اس بچہ کے حق میں دُعائے خیر فرمائیں۔ شاہ صاحب نے اپنی اُنگلی حضرت مجدد کے منہ میں دیدی

جس کو آپ بڑی دیر تک چوستے رہے یعنی روحانی فیض حاصل فرماتے رہے اس پر شاہ صاحب نے فرمایا "بس بابا کچھ ہماری اولاد کیلئے بھی رہنے دو" گویا آپکو ایام طفولیت ہی سے ارباب طریقت سے غیر معمولی لگاؤ تھا۔

حضرت کی تعلیم اور ابتدائی زندگی

حضرت مجدد کے والد ماجد حضرت مخدوم چونکہ خود ایک مقتدر عالم تھے۔ اسلئے آپنے بہت چھوٹی سی عمر میں اپنے فرزند دلبند کو حافظ قرآن کرنیکے بعد علوم ظاہری سے اچھی طرح آشنا کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں کہ مولانا کمال کشمیری کی وجہ سے سیالکوٹ علم و فن کا بہت بڑا مرکز بنا ہوا تھا اور حضرت مولانا کمال کشمیری کے علم و کمال کا سارے پنجاب میں شہرہ تھا چنانچہ حضرت مخدوم نے حضرت مجدد کو بھی علوم ظاہری اور باطنی کے اکتساب کے لئے سیالکوٹ روانہ کر دیا۔ مولانا کمال کشمیری چونکہ علوم ظاہری کے ساتھ علوم باطنی میں بھی دسترس رکھتے تھے اسلئے حضرت مجدد کو آپ کی صحبت سے بہت فائدہ پہنچا۔ حضرت یعقوب کشمیری رح جو فن حدیث میں یگانہ روزگار تھے چونکہ وہ بھی وہیں تھے۔ اس لئے حضرت مجدد کو ان سے بھی استفادہ حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔ اور آپ فن حدیث میں بھی کامل ہو گئے اور اسکے بعد آپنے دیگر علوم کی تکمیل فرمانے کے بعد مولانا کمال اور شیخ یعقوب کی اجازت سے صرف سترہ سال کی عمر میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرما دیا۔

حضرت مجدد سیالکوٹ میں باطنی اور ظاہری علوم حاصل کرنے کے بعد سیالکوٹ سے آگرہ تشریف لے گئے۔ یہ اکبر کے عہد حکومت کا زمانہ تھا۔ اور مغل دارالحکومت ہونے کی وجہ سے آگرہ میں علما اور فضلا کا ہر وقت اجتماع رہتا تھا۔ حضرت مجدد کے آگرہ پہنچنے کے بعد یہاں آپ کے علم و کمال کا اس قدر شہرہ ہوا کہ آپ کے گرد تشنگان علم و فن کا ہر وقت ہجوم رہنے لگا۔ چنانچہ آپ نے یہاں بھی حسب معمول درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ دربار اکبری

کے مشہور رتن ابوالفضل اور فیضی بھی آپ کے نیازمندوں کے حلقہ میں شامل ہوگئے
حضرت مجدد کے والد ماجد حضرت مخدوم کچھ مدت کے بعد بیٹے سے ملنے
کے لئے آگرہ آئے اور ان کو ساتھ لیکر جب سرہند جا رہے تھے تو راستہ میں تھانیسر
میں قیام کیا۔ تھانیسر کے قیام کے دوران میں تھانیسر کے مشہور رئیس شیخ سلطان
حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھ کو بشارت ہوئی ہے
میں اپنی لڑکی کی شادی آپ کے صاحبزادے شیخ احمد سے کردوں۔ حضرت مخدوم
نے اس رشتہ کو منظور فرمالیا۔ اور فوراً یہ شادی ہوگئی۔ اس شادی کے بعد آپ
اس قدر مالامال ہوگئے کہ آپ کو دنیا میں کسی مادی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہی
شادی سے فارغ ہوکر حضرت مجدد اپنے والد محترم کے ہمراہ سرہند واپس آگئے
سرہند پہنچ کر آپ کے والد حضرت مخدوم نے آپ کو خرقہ خلافت عطا کیا اور اپنا
جانشین مقرر فرمایا۔ اس کے بعد حضرت مخدوم بیمار ہوگئے اور رحلت فرماگئے
باپ کے انتقال کے وقت حضرت مجدد کی عمر ۲۷ سال تھی

حضرت خواجہ باقی باللہ سے فیض باطنی

حضرت مخدوم کے انتقال کے بعد حضرت
مجدد زیارت حرمین کے ارادہ سے ۱۰۰۸ھ ہجری میں سرہند سے روانہ ہوئے۔ جب
آپ دہلی پہنچے تو اپنے محب قدیم مولوی حسن کشمیری کے ہاں قیام کیا۔ مولوی حسن
کشمیری ایک خدارسیدہ بزرگ اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے خاص مخلصین میں سے
تھے۔ مولوی حسن کشمیری نے جب حضرت خواجہ باقی باللہ کے اوصاف اور کمالات
حضرت مجدد سے بیان کئے تو حضرت مجدد جو اولیائے کرام کے عاشق تھے ان کے
دل میں بھی حضرت خواجہ کی زیارت کا جذبہ پیدا ہوا۔ اور آپ مولوی حسن کشمیری
کے ہمراہ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

حضرت مجدد حضرت خواجہ سے ملنے کے بعد بے حد محظوظ ہوئے۔ حضرت خواجہ نے دوران ملاقات میں حضرت مجدد سے پوچھا کہ "کس ارادے سے دہلی آئے ہو" حضرت مجدد نے عرض کیا کہ "زیارت کعبہ کے لئے جانے کے شوق میں یہاں حاضر ہوا ہوں" حضرت خواجہ نے فرمایا "بڑا مبارک ارادہ ہے لیکن فقرا کی صحبت میں اگر چند روز یہاں ٹھہر جاؤ تو کوئی مضائقہ نہیں"۔ حضرت مجدد حضرت خواجہ کے فرمانے کے بموجب ٹھہر گئے۔

حضرت مجدد کا ارادہ یہ تھا کہ وہ چند روز حضرت خواجہ کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کے بعد زیارت حرمین کے لئے روانہ ہو جائیں گے لیکن آپ کو حضرت خواجہ کی صحبت میں وہ روحانی لذت محسوس ہوئی کہ آپ سب کچھ بھول گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت مجدد کو اس وقت تک کوئی پیر طریقت نہیں ملا تھا۔ اور وہ مدت سے کسی ایسے شخص کی تلاش میں سرگرداں تھے جو ان کو راہ سلوک کی منزلیں طے کرا دے حضرت خواجہ کی خدمت میں آنے کے بعد یہ نعمت چونکہ آپ کو حاصل ہو گئی تھی۔ اس لئے آپ حضرت خواجہ کے نیازمندوں میں شامل ہونے کے بعد مسلسل تین ا■ تک آپ سے باطنی رموز اور نکات حاصل فرماتے رہے۔

حضرت مجدد الف ثانی مولوی حسن کشمیری کے بے حد ممنون تھے کہ انھوں نے ایک ایسے مرد کامل سے ان کی ملاقات کرا دی جس کے ذریعہ ان کی دیرینہ تمنا اور آرزو پوری ہو گئی۔ اور حضرت خواجہ باقی باللہ بھی مولوی حسن کشمیری کے شکر گزار تھے کہ انھوں نے ان کے مخلصین کے حلقہ میں بہت بڑے نا اضافہ کیا اکر شامل کر دیا۔

حضرت خواجہ حضرت مجدد کے روحانی کمالات سے اس قدر خوش ہوئے کہ آپ نے ان کو خلافت عطا فرمانے کے بعد سرہند روانہ کر دیا۔

حضرت خواجہ کی خدمت میں بار بار حاضری

دہلی سے سرہند واپسی

جانے کے بعد حضرت مجدد درس وتدریس اور روحانی مشاغل میں مصروف ہوگئے لیکن اُن کا دل ہر وقت پیر و مرشد کی زیارت کے لئے بے چین اور مضطرب رہتا تھا۔ غرضکہ آپ چند ہی روز میں سب کام چھوڑ چھاڑ حضرت خواجہ کی خدمت میں دوبارہ دہلی پہنچ گئے۔ حضرت خواجہ کو بھی حضرت مجدد کے آنے سے بے حد مسرت ہوئی۔ چنانچہ حضرت مجدد جتنے دن دہلی میں قیام فرما رہے حضرت خواجہ ان کو برابر اپنے باطنی فیوض سے مالا مال فرماتے رہے۔

حضرت مجدد یوں تو حضرت خواجہ کے مُرید تھے لیکن حضرت خواجہ ان کے ساتھ برابر کے دوستوں کا برتاؤ کرتے تھے اور بے حد احترام کے ساتھ پیش آتے تھے جب حضرت مجدد حضرت خواجہ کی مجلس میں آتے تھے تو حضرت خواجہ آپ کو سرِ مجلس بنانے کے بعد خود از راہ انکسار مُریدوں کی طرح مجلس میں بیٹھتے تھے۔ اور مُریدوں کو ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مجدد کی موجودگی میں ظاہر میں تو درکنار باطن میں بھی میری جانب رُجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔ ایک طرف تو حضرت خواجہ کی حضرت مجدد کے ساتھ محبت کا یہ عالم تھا۔ اور دوسری جانب حضرت مجدد کے احترام کی یہ کیفیت تھی کہ پاسِ ادب کے خیال سے حضرت خواجہ کے رُوبرو آنکھ تک نہ اُٹھاتے تھے۔

حضرت مجدد حضرت خواجہ کی خدمت بابرکت میں چند روز رہنے کے بعد پھر سرہند واپس چلے آئے اور مشاغل روحانی میں مصروف ہوگئے لیکن ابھی آپ کو آئے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی جانب سے طلبی شروع ہوگئی۔ آپ کے پے در پے دو خط حضرت مجدد کو موصول ہوئے تو حضرت مجدد دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ جب دہلی کے قریب پہنچے تو حضرت خواجہ مع اپنی جماعت کے پاپیادہ آپ کے استقبال کے لئے تشریف لائے اور حضرت مجدد کو اپنے ہمراہ بڑی عزت واحترام کے ساتھ اپنی قیام گاہ پر لے گئے۔

حضرت خواجہ نے ایک دن دورانِ گفتگو میں فرمایا کہ" ہمارا آخری وقت ہے۔ (حالانکہ آپ بالکل نوجوان اور تندرست تھے) ہمارے لڑکے بہت کم سن ہیں ان کی خبر گیری رکھنا" یہ کہہ کر لڑکوں کو بلایا اور حضرت مجدد کی گود میں دیدیا۔ حضرت خواجہ باقی باللہ سے حضرت مجدد کی یہ آخری ملاقات تھی چنانچہ حضرت مجدد کے سرہند واپس چلے جانے کے بعد حضرت خواجہ رحلت فرما گئے۔

۲۵ رجادی الآخر ۱۰۱۲ھ ہجری کو جب حضرت خواجہ باقی باللہ کا انتقال ہوا تو حضرت مجدد الف ثانی اس زمانہ میں لاہور میں تھے۔ سارے لاہور میں آپ کے انتقال کی خبر بجلی کی طرح دوڑ گئی۔ حضرت مجدد اس خبر کے سنتے ہی فوراً دہلی روانہ ہو گئے۔ اور دہلی پہنچنے کے بعد سب سے پہلے پیرِ طریقت کے مزار مبارک پر حاضری دی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ کی اس مجلس صوفیا میں نئی زندگی پیدا کی جو حضرت کے رحلت فرمانے کی وجہ سے بے رونق ہو گئی تھی اور چند روز قیام فرمانے کے بعد واپس چلے گئے۔

حضرت مجدد دو سال تک قید میں

حضرت مجدد الف ثانی کو اُمرا کے طبقہ سے لیکر غریبوں تک غیر معمولی ہر دلعزیزی اور مقبولیت حاصل تھی۔ اس نے ظاہر پرست علما کو آپ کا شدید مخالف بنا دیا تھا۔ ظاہر پرست علما یہ سمجھتے تھے کہ حضرت مجدد کے ہوتے ہوئے ان کو قیامت تک کوئی اقتدار حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ان نام نہاد علما نے حضرت مجدد کے بارے میں عجیب و غریب باتیں مشہور کر رکھی تھیں۔ جن میں سے ایک خاص الزام حضرت مجدد پر یہ لگایا گیا تھا کہ حضرت مجدد اپنے آپ کو خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق سے بھی بہتر خیال کرتے ہیں یعنی اپنے آپ کو نعوذ باللہ رسول اللہ صلعم کا ہم پلّہ بتاتے ہیں۔

نام نہاد علما نے اس الزام کو خوب اُچھالا۔ اور شہنشاہ جہانگیر کو اس بات کیلئے

آمادہ کر لیا کہ شہنشاہ جہانگیر آپ کو کوئی سخت سزا دے۔ چنانچہ جہانگیر نے حکم دیدیا کہ حضرت مجدد الف ثانی کو ہماری خدمت میں پیش کیا جائے۔ فوراً پیادے اور سوار سرہند دوڑ گئے اور حضرت کو آگرہ لے آئے۔ بادشاہ نے حضرت مجدد سے پوچھ کر پوچھا کیا تم اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق اکبر سے بہتر بتاتے ہو؟ آپ نے فرمایا "جب ہم حضرت علیؓ کو جو خلیفہ چہارم ہیں حضرت صدیق اکبر سے افضل نہیں تسلیم کرتے تو ہم خود کس شمار و قطار میں ہیں" بادشاہ نے کہا کہ "تمہارے مکتوبات کیلئے فرمایا "مکتوبات وہی کہتے ہیں جو اُستاد اور پیر و مرشد نے بتایا ہے" اس کے بعد حضرت نے مکتوبات کے رموز پر روشنی ڈالتے ہوئے بادشاہ کو مطمئن کر دیا۔

بادشاہ کے مطمئن ہونے کے بعد بھی بدباطن حاسد طرح طرح سے جہانگیر کو حضرت کے خلاف اُبھارتے رہے یہاں تک کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ غرضکہ بادشاہ جہانگیر کے حکم سے آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا گیا۔ آپ نے قلعہ گوالیار میں مقید ہونے کے باوجود درس و ہدایت کا سلسلہ قید خانہ میں بھی جاری رکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گوالیار کے قلعہ کے جتنے بھی غیر مسلم قیدی تھے ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ اور حضرت کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت کے مقید ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ افغانستان سے لیکر ہندوستان تک آپ کے لاکھوں معتقدوں اور مریدوں میں بادشاہ کے خلاف سخت جوش ہو گیا تھا لیکن حضرت برابر اُن کو صبر و ضبط کی تلقین فرماتے رہے۔ آپ کو قید خانہ میں دو سال ہوتے تھے کہ جہانگیر کو پتہ چلا کہ اس نے علما کے غلط مشورہ پر حضرت کے ساتھ زیادتی کی ہے وہ بے حد نادم ہوا۔ نہایت اعزاز کے ساتھ قلعہ سے رہا کیا اپنے پاس بلوایا۔ معذرت چاہی خود بھی مرید ہو گیا۔ اور شہزادہ خرم (شاہجہاں) کو بھی حضرت کا مرید کرایا حضرت کے ایما سے سارے ملک میں شرعی احکامات جاری

آپ آٹھ برس تک جہانگیر کے ہمراہ رہے۔ اور بادشاہ کے ذریعہ آپ نے اس برِ عظیم میں بہت بڑی بڑی اسلامی خدمات انجام دیں۔

حضرت مجدد کی ذات سے متعلق عجیب و غریب واقعات

تذکروں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب آپ کی نسبت یہ شہرت ہوئی کہ آپ خود کو حضرت صدیق اکبر سے افضل خیال کرتے ہیں تو ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دل میں سوچا کہ اگر حضرت واقعی صاحب حال ہیں تو میرے شکوک کو رفع کریں۔ میرے آبا و اجداد کا نام بتائیں اور مجھے میٹھے چاول کھلائیں۔ حضرت نے جب اس شخص کو دیکھا تو کشف سے اس کے قلب کی حالت کا اندازہ لگا کر فرمایا "مجھے تو اس شخص کے مسلمان ہونے میں بھی شک ہے جو اپنے آپ کو دوسروں سے افضل جانے۔ چہ جائیکہ اپنے آپ کو حضرت صدیق اکبر سے بہتر بتائے"۔ اس کے بعد آپ نے اس کے آبا و اجداد کا نام بتایا اور نوکر کو حکم دیا کہ ان کے لئے میٹھے چاول لاؤ۔ یہ باتیں سن کر وہ شخص حضرت کے قدموں پر گر پڑا۔ معافی مانگی اور عقیدتمندوں میں شامل ہو گیا۔

حضرت مجدد ایک مرتبہ مع اپنے اصحاب کے سیر کو باہر نکلے۔ تمازتِ آفتاب اور گرد و غبار کی زیادتی سے آپ کے ساتھی پریشان ہو گئے لیکن کچھ نہ کہہ سکے۔ آخر آپ نے خود ہی فرمایا "معلوم ہوتا ہے کہ یاروں کو تمازت اور گرد و غبار سے بڑی تکلیف پہنچ رہی ہے"۔ ایک ساتھی نے کہا "آپ پر سب کچھ روشن ہے"۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ نگاہ غلط انداز سے آسمان کی طرف دیکھا۔ لبوں کو جنبش دی۔ بس پھر کیا تھا ذرا سی دیر کے بعد موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ نہ گرد و غبار رہا اور نہ تمازت آفتاب۔

حضرت سے ایک شخص نے عرض کیا کہ "میرا ایک عزیز سخت بیمار ہے۔ حضرت اس کی صحت کے لئے دعا فرمائیے"۔ آپ نے کچھ تامل کے بعد فرمایا کہ "کیا یہ بہتر

نہیں ہے کہ مرحوم کے لئے دُعا مغفرت کروں"۔ یہ سُن کر وہ شخص روتا ہوا کھڑا ہو گیا اور اپنے گاؤں میں آیا تو دیکھا کہ واقعی عزیز مر چکا تھا۔ اور اعزا و اقربا رو پیٹ رہے تھے۔

حضرت بے حد مخیر تھے۔ مساکین اور غربا میں بے اندازہ دولت لٹاتے رہتے تھے۔ کم کھانے کے عادی تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "انسان فرشتہ ہے مگر پیٹ کی آگ اسے فرشتے سے انسان بنا دیتی ہے لیکن جب آتشِ حرص بھڑک جاتی ہے تو انسان شیطان بن جاتا ہے"۔ رقص و سماع سے آپ ہمیشہ پرہیز فرماتے تھے۔ ریاکار اور دنیا پرست علما کے شدید مخالف تھے۔ ترک دُنیا کے سلسلہ میں آپ کا نظریہ یہ تھا کہ:-

" ترک دنیا حقیقی طور پر کسی کو میسر نہیں اور نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ اسلام نے اس کی اجازت دی ہے۔ اسلام سکھاتا ہے کہ دُنیا بھی رکھو اور دین بھی۔ دین اسی حد تک جس حد تک قرآنِ پاک اور شریعت مطہرہ سکھاتی ہے۔ اور دنیا بھی اسی حد تک جس حد تک کہ اس کی اجازت ہے۔ ترک دنیا کا حقیقی مقصد مکروہات دنیا ترک کرنا ہے۔ اور شریعت کے پابند رہنے ہی کا اصل نام اسلام ہے"۔

حضرت مجدد کی وفات

حضرت مجدد الف ثانی کی عمر شریف چونسٹھ سال کی تھی کہ آپ بیمار ہو گئے۔ اور ۲۹ صفر ۱۰۳۴ھ (۱۶۲۵ء) کو بروز اتوار دنیا سے رحلت فرما گئے۔ آپ شہنشاہ اکبر کے دورِ حکومت میں پیدا ہوئے تھے اور آپ کا وصال شہنشاہ جہانگیر کے دورِ حکومت میں ہوا۔ آپ کا مزارِ مبارک سرہند شریف میں ہے جو آج تک مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ آپ کا عرس ہر سال ۲۷-۲۸ صفر کو بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہوتا ہے۔

اس سے قبل بتایا جا چکا ہے کہ حضرت کی شادی شیخ سلطان رئیس تھانیسر کی صاحبزادی زہرہ بی بی سے ہوئی تھی۔ آپ کی ان حرم محترم کے بطن سے دس بچے

پیدا ہوئے۔ جن میں سے تین لڑکیاں تھیں اور سات لڑکے۔ دو لڑکیاں بچپن ہی میں مر گئیں۔ لڑکوں میں بعض بڑے صاحب کمال ہوئے ہیں چنانچہ آپ کے فرزند سوم حضرت خواجہ محمد معصوم نے بڑا نام پایا ہے۔ آپ علوم ظاہری اور باطنی میں اپنے والد محترم کے سچے جانشین تھے۔

حضرت مولٰنا
شہباز محمدؐ بھاگلپوری
رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولٰنا شہباز محمدؒ بھاگلپوری

مشرقی اور وسطی ہند کے روحانی شہنشاہ اور راہِ طریقت کے بادشاہ حضرت مولٰنا شہباز بھاگلپوری اس برِعظیم کے وہ قابلِ قدر بزرگ ہیں جن کی ذاتِ گرامی پر یہ ملک قیامت تک فخر کرتا رہے گا۔ آپ ایک عالم باعمل ہونے کے ساتھ اتنے بڑے روحانی پیشوا ہیں جن کے روحانی کمالات کا شہرہ آج بھی چاردانگِ عالم میں ہے۔ اور رہتی دُنیا تک باقی رہے گا۔ جو لوگ کہ رُوحانیت سے ناآشنا ہیں ان کے لئے حضرت کے کمالات روحانی بے حد محیرالعقول ہیں۔ لیکن جن کو رُوحانیت سے لگاؤ ہے وہ جانتے ہیں کہ جو حیرت انگیز واقعات آپ کی ذات بابرکت سے رُونما ہوتے رہے ہیں۔ وہ مردانِ باخدا کے بائیں | تھ کا کرشمہ ہیں۔

بہار اور بنگال جو زمانہ دراز سے رُوحانیت کی دولت سے محروم تھا۔ آپ نے اس سرزمین کو اپنی روحانیت سے مالا مال کر دیا۔ اور شمع رسالت کی روشنی کو اس طرح اس خطہ میں پھیلایا کہ ہر شہر، ہر قصبہ اور ہر بستی نورِ حقیقت سے جگمگانے لگی۔ آپ کو اگرچہ دنیا سے رُوپوش ہوئے تقریباً تین سو سال ہو چکے ہیں لیکن آج بھی آپ کے عقیدتمند لاکھوں کی تعداد میں نہ صرف بہار، بنگال، وسطی ہند بلکہ سارے برِعظیم میں پھیلے ہوئے ہیں۔

حضرت شہباز کی پیدائش اور ابتدائی زندگی

شہبازِ طریقت حضرت مولٰنا شہباز محمد بھاگلپوری کی ولادت شاہانِ سوری کے دورِ حکومت میں ۹۵۶ھ (۱۵۴۹ء) میں ہوئی تھی۔ حضرت کے والد محترم کا اسم مبارک مولٰنا سید شاہ محمد خطاب اور

آپ کے دادا کا نام نامی حضرت حاجی خیر الدین تھا۔ حضرت کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا۔ چنانچہ حضرت شہباز حضرت جلال بخاری کی پندرھویں پشت میں تھے! اور حضرت کا واسطہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے چھبیسویں پشت میں جا کر ملجاتا ہے۔

تذکرہ کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت کے دادا حضرت حاجی خیر الدین مع حضرت کے والد مولنٰا سید شاہ خطاب کے حج اور زیارت حرمین سے فارغ ہونے کے بعد بطور سیر و سیاحت دیوہ تشریف لاتے اور اپنے رُوحانی کمالا سے دیوہ اور اس کے گرد و پیش کے علاقہ کو اچھی طرح فیض یاب کیا کچھ مدت کے بعد جب حاجی سید خیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا تو حضرت مولنٰا شہباز کے والدِ محترم حضرت شاہ محمد خطاب حضرت مولنٰا شہباز کو اپنے ساتھ لیکر شہر بھاگلپوری میں رونق افروز ہوتے۔

حضرت مولنٰا شہباز کی ابتدائی تعلیم اپنے والدِ محترم حضرت شاہ محمد خطاب کی زیرِ نگرانی شروع ہوئی۔ حضرت شاہ محمد خطاب چونکہ بہت بڑے عالم اور صاحبِ معرفت تھے۔ اس لئے چند ہی سال کے اندر حضرت مولنٰا شہباز نے آپ سے علوم ظاہری باطنی اچھی طرح حاصل فرمالئے۔ چنانچہ کمسنی کے عالم ہی میں آپ کی علمی استعداد اور روحانی کیفیت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے علما آپ سے کتراتے تھے۔ اور بڑے بڑے صوفیائے کرام آپ کا احترام کرتے تھے۔ والدِ محترم سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ قنوج اور دیگر مقامات پر علما اور مشائخ سے استفادہ حاصل فرماتے رہے اور اپنے علوم ظاہری اور باطنی کو جلا دیتے رہے۔ غرضکہ بہت کم مدت میں آپ کو علما اور ارباب معرفت میں بلند ترین درجہ حاصل ہو گیا۔

آپ پیدائشی ولی تھے

صوفیائے کرام کی مستند کتب میں درج ہے کہ حضرت مولنٰا شہباز کی ولادت سے

قبل حضرت شاہ شرف الدین رح مخدوم الملک بہاری رح اور مخدوم جلال الدین بندگی رح میں بھاگلپور کی ولایت کے بارے میں جب بحث و مباحثہ شروع ہوا تو رسول مقبول صلعم نے عالم مراقبہ میں تشریف لاکر حکم دیا کہ بھاگلپور کی ولایت شہباز ولی اللہ کے لئے نامزد ہو چکی ہے۔ اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولنٰا شہباز پیدائشی ولی تھے۔ اور آپ کو رسول مقبول صلعم سے نسبت حاصل تھی۔ اسی طرح تصوف کی ایک دوسری مستند کتاب میں درج ہے کہ حضرت بُو علی قلندر پانی پتی رح نے اپنے آخری زمانہ میں مُریدوں کو ہدایت فرمائی کہ میرے خاتمہ کے بعد میری فاتحہ میں شہباز کا نام بھی شامل رکھنا۔ مریدوں نے عرض کیا یا حضرت یہ شہباز کون بزرگ ہیں آپ نے ارشاد فرمایا۔ ”شہبازے ست کہ تا عرش کند پروازے“ یعنی ایک شہباز ہے جس کی پرواز عرش تک ہوگی۔ گویا حضرت بُو علی شاہ قلندر رح نے حضرت مولنٰا شہباز کے تولد ہونے کی پیشین گوئی آپ کی پیدائش سے سوا دو سو برس قبل کر دی تھی۔ چنانچہ حضرت قلندر کی اس پیشین گوئی کے مطابق جب حضرت مولنٰا شہباز دنیا میں آئے تو یہ حقیقت ہے کہ آپ کی پرواز عرش بریں تک تھی۔

زمانہ طالب علمی کی حیران کن باتیں

حضرت مولنٰا شہباز کے حالاتِ زندگی کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ذات گرامی سے کم عمری ہی میں کرامتوں کا ظہور ہونا شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ آپ کے زمانہ طالب علمی کی چند کرامتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں :-

زمانہ صغر سنی میں جب آپ دوسرے لڑکوں کے ساتھ پڑھتے تھے تو آپ کا یہ طریقہ تھا کہ جب بھی ذرا مہلت ملتی آپ سورج سے نظریں لڑانے لگتے۔ لڑکوں نے آپ کی اس حرکت کی مدرس سے شکایت کر دی اور کہا کہ یہ صاحبزادے سبق یاد کرنے

کی بجائے سورج سے آنکھیں لڑایا کرتے ہیں۔ مدرس نے آپ سے جواب طلب کیا اور پوچھا کہ "سورج سے کیوں آنکھیں لڑایا کرتے ہو" آپ نے جواب دیا "چونکہ میرا سبق آفتاب پر لکھا ہوا ہے" استاد نے آفتاب کی طرف جو نظر اٹھائی تو کیا دیکھا کہ واقعی آپ کے سبق کے حروف آفتاب پر لکھے ہوئے ہیں۔ مدرس حیران رہ گیا اور آپ سے اسے عقیدت ہوگئی۔

حضرت مولنا شہباز نہایت ہی شکیل نوجوان تھے جس زمانہ میں کہ آپ قنوج میں پڑھتے تھے تو ایک نوجوان اور خوبصورت کنیز آپ پر بُری طرح فریفتہ ہوگئی، اور آپ کی تاک میں رہنے لگی۔ اتفاقاً ایک روز اسے تنہائی کا موقع ہاتھ آگیا۔ اس بے حیا نے فوراً اپنی دونوں چھاتیاں حضرت کو عُریاں کرکے دکھائیں اور ازراہ شرارت کہا کہ "میرے یہ دو دُنبل نکل آئے ہیں آپ ان پر دم کر دیجئے تاکہ میں اچھی ہو جاؤں"۔ حضرت نے دم کر دیا خدا کی قدرت کہ حضرت کے دم کرتے کے ساتھ ہی اس کی دونوں چھاتیاں اس طرح غائب ہوگئیں جیسے کبھی نکلی ہی نہیں کنیز کو بے حد رنج ہوا آخر مجبور ہو کر حضرت کی خدمت میں آئی معافی مانگی اور عرض کیا کہ "دُعا کیجئے کہ میرے دُنبل جیسے تھے ویسے ہی ہو جائیں" آپ نے پھر دم کر دیا اور آپ کے دم کرتے ہی دونوں چھاتیاں بدستور اُبھر آئیں۔

کسی شہر میں آپ طلب علم کے لئے تشریف لے گئے جس مدرسہ میں آپ تعلیم پاتے تھے وہاں چراغ کا انتظام نہ تھا۔ اس لئے آپ رات کو پڑھنے کی غرض سے ایک بقال کی دُکان پر تشریف لے جاتے اور اس کے چراغ سے مُطالعہ کیا کرتے، اور رات بھر اُس کی دُکان کی چوکیداری فرمایا کرتے۔ حضرت کے قدموں کی برکت سے بقال کو اتنی آمدنی ہوئی کہ وہ چند ہی روز میں مالا مال ہوگیا۔

بقال کی جس دکان میں بیٹھ کر آپ مطالعہ فرمایا کرتے تھے اس کے بالکل سامنے

کسی بہت بڑے دولتمند کی برات آکر ٹھیری۔ رات بھر دوکان کے سامنے ناچ رنگ اور گانا بجانا ہوتا رہا۔ بقال جب صبح کو آیا تو اس نے کہا کہ "آپ نے تو رات خوب ناچ رنگ اور تماشہ دیکھا ہوگا۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کیسا ناچ رنگ اور تماشہ۔ یعنی طلب علم میں آپ کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ آپ کے سامنے رات بھر ناچ رنگ ہوتا رہا مگر آپ کو خبر تک نہ ہوئی۔"

جس بقال کی دُکان کی آپ حفاظت کیا کرتے تھے۔ اور جسے حضرت کے قدموں کی برکت سے بے حد نفع ہوا تھا۔ ایک روز اس نے بڑی لجاجت سے عرض کیا کہ "حضرت کچھ تو آپ میرے گھر سے بھی تناول فرمائیں"۔ آپ نے کہا "تم مجھے کھلا نہ سکو گے"۔ بقال پھر بھی التجا کرتا رہا۔ آپؒ نے اس سے کہا "اچھا گھی کھلا دو"۔ بقال نے خوشی خوشی ایک سیر گھی حضرت کی نذر کر دیا۔ آپ نے اسے نوش جان فرمانے کے بعد اور طلب کیا۔ بقال نے پہلے سے زیادہ حاضر کر دیا۔ آپ نے اسے بھی کھا لیا۔ غرضکہ آپ نے اس کے ہاں کا کئی من گھی صاف کر دیا۔ بقال بڑا گھبرایا۔ حضرت نے بقال کے چہرہ سے اس کی پریشانی کا اندازہ لگا کر حکم دیا کہ "گھی کے تمام برتنوں کو اور جتنے بھی تمہارے ہاں خالی برتن ہوں ان سب کو ڈھک دو"۔ بقال نے حکم کی تعمیل کر دی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا "اب انہیں کھول دو"۔ بقال کیا دیکھتا ہے کہ سارے برتن گھی سے لبالب بھرے ہوئے ہیں۔ اس واقعہ کی شہرت کے بعد جب آپکی جانب رجوعات شروع ہوگئی۔ تو آپ شہر چھوڑ کر چلے گئے۔

آپ کی کرامتیں اور آپ کی زندگی کے حیرت انگیز واقعات

حضرت سید لیسین رحمتہ اللہ علیہ حضرت مولنا شہباز کے مرشد طریقت تھے۔ لیکن ابھی حضرت مولنا شہباز سے آپ کی ملاقات بھی نہ ہوئی تھی کہ آپ کے ساتھ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

آپ یعنی حضرت سید یٰسین سے کوئی ایسا قصور سرزد ہو گیا کہ آپ کے قلب اور نورانی چہرہ پر آثار تیرگی پیدا ہونے لگے۔ آپ مکافات عمل کے لئے حج بیت اللہ گئے اور وہاں سے روضۂ انور پر جاکر بارہ برس تک ریش مبارک سے جاروب کشی کرتے رہے۔ آخر آپ کی معذرت قبول ہوئی، آپ کے دل میں نئے سرے سے روشنی بھی پیدا ہو گئی اور آپ کا چہرہ بھی بدستور نورانی بن گیا۔ اور دربار رسالت سے آپ کو حکم دیا گیا کہ "ایک شخص شہباز مونگیر میں مقیم ہے تم وہاں جاؤ یا تم اس کے ہاتھ پر بیعت کرو یا وہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کرے۔" حضرت یاسین رحمۃ اللہ علیہ سید سے مونگیر آئے۔ اور حضرت مولنا شہباز سے ملنے کے بعد اس بات کی خواہش کی کہ مولنا حضرت سید یاسین کو مرید کرلیں۔ ادھر حضرت مولنا شہباز یہ چاہتے تھے کہ حضرت سید یاسین ان کو اپنے مریدوں کے حلقہ میں شامل کرلیں۔ کافی عرصہ تک یہ بحث جاری رہی آخر یہ طے پایا کہ جس کا سن کم ہو وہ بڑی عمر والے کا مرید ہو جائے۔ چنانچہ حضرت مولنا شہباز جن کی عمر کم تھی انھوں نے حضرت سید یاسین کے ہاتھ پر بیعت فرمالی۔ لیکن حضرت یاسین کے اہل و عیال حضرت مولنا شہباز کے مرید ہو گئے۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کم عمری کے زمانہ ہی میں حضرت مولنا شہباز کا روحانی درجہ کس قدر بلند تھا۔

حضرت کے بھاگلپور جلوہ افروز ہونے کے بعد جب آپکو غیر معمولی مقبولیت اور ہر دلعزیزی حاصل ہونی شروع ہوئی تو نام نہاد علما نے یہ سوچتے ہوئے کہ حضرت کے ہوتے ہوئے ان کو کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھیگا۔ حاکم وقت کو آپ سے بدظن کر دیا۔ اور اسے اس کے لئے آمادہ کرلیا کہ وہ آپ کو بلاکر آپ کی ایسی توہین کرے کہ آپ مجبوراً اس مقام کو چھوڑکر چلے جائیں۔ چنانچہ حاکم نے دعوت مسنون کے بہانہ سے حضرت کو بلوایا۔ آپ قلعہ تک پہنچے تھے کہ غیبی آواز آئی "حاکم کا ارادہ بد ہے اگر حکم ہو تو قلعہ کو

اُلٹ دوں"۔ آپ نے جواب دیا" قلعہ میں حاکم کے علاوہ اور بھی خلق خدا ہے۔ ایک شخص کی بدنیتی کی سزا سب کو نہیں دی جاسکتی بس یہی کافی ہے کہ اس کے دل سے خیالِ بد نکل جائے"۔ چنانچہ جب آپ قلعہ میں پہنچے اور حاکم کو اطلاع کی گئی۔ تو حاکم نے کہا" ان کو کس نے بُلوایا تھا۔ ان سے کہو کہ مکان واپس چلے جائیں۔ حضرت تو مکان کے لئے روانہ ہوئے اور حضرت کے خلیفہ حضرت منان صاحب یہ سُن کر جلال میں آ گئے کہ حاکم نے حضرت کو توہین کی غرض سے بلایا ہے۔ چنانچہ آپ جلال ہی کی حالت میں قلعہ تک جا پہنچے قلعہ کے دروازہ پر ایک بیری کا درخت تھا حضرت منان نے جب عالم جلال میں اس درخت کو ہلایا۔ تو قدرتِ خدا سے حاکم دردِ شکم سے تڑپنے لگا۔ اور فوراً مر گیا جب اس واقعہ کی خبر حضرت مولنا شہباز کو ہوئی تو آپ حضرت منان پر بے حد ناراض ہوئے اور فرمایا کہ جب تمہارے جلال کی یہ کیفیت ہے تو تم کو آبادی سے کہیں دُور اپنا ٹھکانا بنانا چاہیے۔ حضرت منان شہر سے باہر تین کوس کے فاصلہ پر جاکر مقیم ہو گئے۔ وہیں ان کی قبر بھی ہے۔

جس زمانہ میں کہ شاہجہاں ایام شاہزادگی میں ٹھوکریں کھاتا پھر رہا تھا۔ حضرت کی شہرت سُنکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت جو طلبا کو درس دے رہے تھے شہزادہ کی جانب متوجہ نہ ہوئے اور آپ کے چہرہ پر ناگواری کے اثرات نمایاں ہو گئے شاہجہاں نے ہمت کر کے عرض کی کہ" حضرت میں حاجت لیکر حاضر ہوا ہوں۔ اور آپ بیزار معلوم ہوتے ہیں۔ کیا میں سبب پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں"۔ حضرت نے فرمایا کہ" تم سلطنت کی آرزو رکھتے ہو لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری قبا کا دامن حد شریعت سے بڑھا ہوا ہے۔ اگر تم شریعتِ محمدی کے پابند نہ رہے تو دنیا کی گمراہی کا سبب بن جاؤ گے"۔ شاہجہاں بولا" جو حکم ہو بجالاؤں"۔ آپ نے فرمایا کہ" جس قدر تمہارا دامن حدِ شرعی سے زیادہ ہے اس کو پھاڑ دو۔ اور طلبا کے حوالے کر دو تاکہ وہ ٹوپیاں بنالیں"۔

شاہجہاں نے فوراً اسی وقت دامن چاک کر دیا۔ اور عرض کیا کہ "میں ہندوستان کی سلطنت کی تمنا رکھتا ہوں۔ جنگ کے اسباب پیدا ہو گئے ہیں۔ اگر سلطنت میری قسمت میں ہے تو میں اس کے لئے جدوجہد کروں" حضرت نے فرمایا "چھن تو ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں" شاہجہاں کے لئے حضرت کا یہ اشارہ کافی تھا۔ اس نے حکومت کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ اور نورجہاں کی سخت ترین مخالفت کے باوجود حضرت کی پیشین گوئی کے مطابق اسے تخت و تاج حاصل ہو گیا۔ تخت نشین ہونے کے بعد شاہجہاں نے ہر چند کوشش کی کہ حضرت اپنی خدمت میں باریابی کی اجازت دیدیں۔ حضرت نے صاف انکار کر دیا۔ اور فرمادیا کہ "پہلے تم شہزادے تھے تو تم سے ملاقات جائز تھی۔ اب تم بادشاہ ہو اس لئے تم سے ملاقات جائز نہیں۔ بس یہی کافی ہے کہ میں تمہارے حق میں دعا کرتا رہوں گا۔ یاد رکھو اگر تم نے میری ملاقات کا قصد کیا تو میں تمہارے ملک کو چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤں گا" شاہجہاں نے آپ کی خدمت میں چند اضلاع کی سندیں بھی بھیجی تھیں۔ آپ نے ان سندوں کو قبول نہیں کیا اور پھاڑ ڈالا۔

خواجہ خضر علیہ السلام کو حضرت سے بیحد محبت تھی۔ خواجہ خضر نے آپکو ایک پتھر بطور ہدیہ دیا تھا جو کسی لڑکے نے کنوئیں میں پھینکدیا۔ ایک روز خواجہ خضر جب آپ سے ملنے آئے تو اس پتھر کے بارے میں آپ سے پوچھا۔ آپ نے تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ ایک لڑکا اسے کنوئیں میں پھینک آیا ہے۔ خواجہ خضر نے اس پر فرمایا کہ تم نے اس پتھر کی قدر نہ کی وہ سنگِ پارس تھا۔ جس چیز کو بھی اس سے مس کیا جاتا سونا بن جاتا۔ اس پتھر کے بعد تمہاری اولاد کو دنیا کی کوئی ضرورت باقی نہ رہتی۔ حضرت نے یہ سن کر ایک استنجہ کا ڈھیلا اٹھایا۔ اور اسے دیوار پر پھینک کر مارا تو دیوار سونے کی بن گئی۔ اس کے بعد آپ نے خواجہ خضر سے فرمایا کہ "اے بھائی بارگاہ الٰہی میں میری بس یہی دعا ہے کہ میرے فرزندوں میں صرف وہی نعمت باقی رہے جسے کوئی چور چرا نہ سکے"۔ اس کے بعد حضرت نے خواجہ

خضر سے کہا کہ فلاں کنویں میں سے اپنا پارس پتھر نکال لیجیے۔ جب خواجہ خضر کنویں پر گئے تو وہاں ایک پتھر کی بجائے پارس پتھروں کا ڈھیر موجود تھا۔ خواجہ خضر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک تاجر جو حضرت کا معتقد تھا۔ دوران سفر میں اسے یہ مصیبت پیش آئی کہ اس کا جہاز ڈوبنے لگا۔ تاجر نے حضرت کا تصور کیا اور دعا کے لئے التجا کی آپ اس وقت طلبا کو درس دے رہے تھے۔ آپ نے درس دیتے دیتے دونوں ہاتھوں کو زور سے زمین پر رکھ کر اس طرح بلند کیا جیسے آپ کسی چیز کو اٹھا رہے ہیں۔ جب آپ کے ہاتھ اونچے ہوئے تو آپ کی دونوں آستینیں پانی میں تر تھیں۔ خلفا نے جب اس عجیب و غریب حرکت کا راز پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ "تاجر کا جہاز ڈوب رہا تھا۔ اس نے مجھے یاد کیا۔ میں نے جہاز کو غرق ہونے سے بچا لیا یہ اسی کی تری تھی"۔ خلفا نے اس واقعہ کی تاریخ لکھ رکھی جب تاجر سفر سے آیا اور واقعہ سنایا تو حضرت کے ارشاد کی تصدیق ہو گئی۔

ایک درویش کی عادت یہ تھی کہ جب بھی کسی دوسرے درویش سے مصافحہ کرتا اس کی تمام روحانی قوتیں سلب کر لیتا تھا جب یہ درویش حضرت کے پاس آیا اور آپ سے مصافحہ کیا تو حضرت نے اس کی ساری روحانی قوتیں سلب کر لیں اور اس درویش نے جس قدر دوسرے فقرا سے سلب کیا تھا۔ وہ بھی حضرت نے اپنے اندر جذب کر لیا۔ اور درویش کو بالکل کورا بنا دیا۔ جب درویش نے آپ کی بے حد منت و سماجت کی تو آپ نے اس سے عہد لیا کہ جو کچھ اس نے دوسرے فقیروں سے لیا ہے وہ انھیں واپس کر دے یہ عہد لینے کے بعد آپ نے اس درویش کی روحانی طاقتیں لوٹا دیں۔

ایک روز حضرت اپنے شاگرد ملا بلاقی کو شرح وقایہ پڑھا رہے تھے حضرت کے بھتیجے ملا محی الدین جو دہلی سے سند لیکر واپس آئے تھے وہ بھی موجود تھے آپ نے ان سے پوچھا تم نے شرح وقایہ پڑھی ہے"۔ انھوں نے غرور میں آکر جواب دیا کہ "شرح وقایہ تو میرے شاگرد پڑھا کرتے ہیں"۔ حضرت کو ان کا غرور پسند نہ آیا اور آپ نے فرمایا "اچھا تو ملا بلاقی

کو شرح وقایہ کا سبق سمجھا دو" اب ملا محی الدین شرح وقایہ پڑھانے کے لئے بیٹھے تو بالکل کورے ہو گئے۔ ان کی ساری علمیت سلب ہو گئی۔ اس واقعہ کا ان کو بے حد رنج ہوا۔ آخر ملا محی الدین کی والدہ حضرت کے پاس آئیں اور حضرت سے منت وسماجت کی کہ ملا محی الدین میرا ایک ہی لڑکا ہے۔ اس نے بڑی محنت اور کوشش سے علم حاصل کیا تھا گر یہی حال رہا تو وہ علم کے چلے جانے کے غم سے ہلاک ہو جائے گا" حضرت کے تصرف سے ان کو علم دوبارہ حاصل ہو گیا۔

ایک دن حضرت عصر کی نماز کے لئے وضو کر رہے تھے۔ آپ کے خلفا بھی حاضر تھے وضو کرتے کرتے یکایک آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ نے پانی کا گھڑا اُٹھا کر پھینک مارا خلفا نے یہ عجیب وغریب واقعہ دیکھا تو تاریخ اور وقت قلمبند کر لیا۔ ایک ہفتہ کے بعد حضرت کا ایک خاص عقیدتمند حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور بیان کیا کہ میں جنگل سے گذر رہا تھا کہ اچانک ایک خوفناک شیر نے مجھ پر حملہ کیا۔ قریب تھا کہ شیر مجھے آن دبائے میں نے حضرت کے وسیلہ سے جناب باری میں دُعا کی تو اچانک پانی کا ایک بھرا ہوا گھڑا غیب سے نمودار ہوا۔ اور شیر کے سر پر پڑا۔ وہ چیختا چلاتا گیدڑ کی طرح بھاگ گیا۔ جب خلفا نے تاریخ اور وقت کا مقابلہ کیا تو وہی تاریخ اور وقت تھا جب حضرت نے گھڑا پھینک کر مارا تھا۔

حضرت درس دے رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ ایک سرکاری پیادہ نے ایک شخص کو بیگار میں پکڑ رکھا ہے۔ اس کے سر پر گھاس کا انبار ہے اور پیادہ اسے مارتا ہوا لئے جا رہا ہے۔ حضرت نے اپنے خلفا سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ اگر تمہارے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا تو تم کیا کرتے؟ خلفا نے جواب دیا" پیادہ کی کیا مجال جو ہم کو کچھ کہہ سکے۔ اگر ہمارے ساتھ کوئی پیادہ ایسا کرتا تو ہم اسے مار مار کر دماغ درست کر دیتے۔ آپ نے فرمایا کہ "جس شخص کو پیادہ نے بیگار میں پکڑ رکھا ہے اور مار رہا ہے۔ وہ اپنے وقت کا قطب ہے

خدا تعالیٰ نے اسے یہ قدرت بخشی ہے کہ اگر وہ چاہے تو ایک لمحہ میں زمین و آسمان کو زیر و زبر کر دے۔ مگر اس میں تحمل بھی اس قدر ہے کہ اگر کوئی اُسے مار بھی ڈالے تو اُف نہ کرے جب تک انسان متحمل نہیں ہوتا اس کو درجہ قطبیت بھی حاصل نہیں ہوتا۔

ایک طالب علم بیعت کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی وقت ایک بزرگ آئے اور چلے گئے۔ حضرت نے طالب علم سے کہا "جانتے ہو یہ کون ہیں یہ حضرت غوث الاعظم ہیں"۔ طالب علم یہ سنتے ہی ان بزرگ کے پیچھے دوڑا۔ اور ان سے عرض کی کہ "میں مولنا شہباز سے بیعت کا ارادہ رکھتا تھا۔ اب ارادہ حضور سے بیعت کا۔ میری عرض قبول فرما لیجیے"۔ بزرگ نے فرمایا "میں اور شہباز ایک ہی ہیں"۔ یہ کہکر نظر سے غائب ہو گئے۔

حضرت ایک روز بیٹھے حقہ پی رہے تھے کہ اچانک حقہ کی نے لوٹ گئی۔ اس واقعہ سے آپ کے خلفا متعجب ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ "ایک فقیر بہت مدت سے میرے لئے دعائے سفلی پڑھ رہا تھا۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ اس کی محنت ضائع نہ جائے اسے وار کرنے دیا اور اس کے وار کو حقہ کی نے پر لے لیا"۔

حضرت کے بڑے صاحبزادے ملا عبد السّلام کی طبیعت کسب و ریاضت کی طرف مائل نہ تھی۔ لوگوں نے ان پر طعن کیا۔ آپ نے ملا عبد السلام کو چالیس دن تک حجرہ میں اپنے پاس چلہ نشین رکھا اور تعلیم فرماتے رہے۔ چالیس دن کے بعد ملا عبد السلام حجرہ سے باہر نکلے تو مرد کامل تھے۔

ایک روز حضرت نے پہلے تو اپنے بڑے صاحبزادے ملا عبد السلام کو بلوا کر اپنا عمامہ شریف ان کے سر پر رکھا۔ پھر ان سے چھوٹے صاحبزادے ملا لطیف کو بلوا کر ملا عبد السلام کے سر سے عمامہ اُتار کر اُن کے سر پر رکھ دیا۔ پھر اُن سے چھوٹے ملا [illegible] کو بلوا کر ملا لطیف کے سر سے عمامہ اُتار کر اُن کے سر پر باندھ دیا۔ پھر سب سے چھوٹے

صاحبزادے ملّا صفی کو بلایا اور عمامہ کو ملّا تقی کے سر سے اتار کر ان کے سر پر رکھدیا۔ ملّا صفی کے بچپن کا زمانہ تھا۔ وہ عمامہ شریف باندھ کر بھاگ گئے۔ حضرت نے فرمایا "بھاگ گیا بھاگ گیا" اور کئی مرتبہ ان الفاظ کو دہرایا۔ خلفانے عرض کیا حضرت اس سے آپ کا کیا مقصد ہے۔ آپ نے فرمایا "چاروں لڑکے پے درپے جانشین ہوں گے۔ پھر چوتھے لڑکے کے فرزندوں کی جانب روحانیت کی دولت منتقل ہو جائے گی"۔

حضرت کا ایک معتمد اللہ داد کشتی میں سوار تھا کشتی دریا میں اُلٹ گئی۔ اللہ داد نے ڈوبتے ڈوبتے حضرت کو یاد کیا اور نذر مانی تو کیا دیکھتا ہے کہ حضرت موجود ہیں۔ حضرت کے توسل سے اللہ داد پانی میں نہیں ڈوبا۔ اور حضرت نے اپنے دستِ مبارک سے اسے شیر برنج کھلایا۔ ایک جگہ پانی کے نیچے گھاس تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ گھاس کو پکڑ کشتی آتی ہے۔ یہ کہہ کر حضرت تو چلے گئے اور ایک کشتی نمودار ہوئی۔ وہ کشتی میں سوار ہو گیا۔ اور ڈوبنے سے بچ گیا۔ جب اللہ داد کو اس کے گھر لائے تو اس کا بدن جا بجا مچھلیوں نے زخمی کر دیا تھا۔ اور اس کے لبوں پر شیر برنج کی سفیدی موجود تھی۔ اللہ داد نے فوراً ہی حضرت کی خدمت میں نذر پیش کی۔

حضرت کے طلبا میں سے ایک طالب علم شیخ بو علی سینا کی تصانیف کتاب الشفا اور اشارات پڑھتا تھا۔ ایک مشکل مقام پر طالب علم حضرت سے بحث کرنے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ "جو میں کہتا ہوں وہی مصنف کی مراد ہے"۔ طالب علم نے کہا "مگر میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی"۔ اتنے میں ایک اجنبی حضرت کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا "خیر ان سے پوچھ لو"۔ شاگرد نے اس اجنبی سے پوچھا تو اس نے بھی وہی بتایا جو حضرت بتا رہے تھے۔ طالب علم نے اجنبی سے اس کا نام پوچھا تو اس نے کہا کہ "میرا نام بو علی سینا ہے"۔ اور یہ کہہ کر نظروں سے غائب ہو گیا۔

ایک مرتبہ کھلگاؤں سے شاہی خزانہ جا رہا تھا جو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا شاہی

نے اس گاؤں کے زمینداروں کو گرفتار کر کے پیش کرنے کا حکم دیا۔ زمیندار گھبرا کر حضرت کے پاس آئے۔ اور کہا کہ "شاہجہان بادشاہ نے ہم کو طلب کیا ہے اور سُنا ہے کہ ہم کو موت کی سزا دی جائے گی آپ دُعا فرمائیں"۔ آپ نے گھاس کی پتیاں اُٹھا کر زمینداروں کو دیدیں اور حکم دیا کہ "جب بادشاہ کے پاس جاؤ تو پگڑی میں رکھ لینا"۔ جب زمیندار بادشاہ کے روبرو حاضر ہوئے تو بادشاہ نے کہا "شاید تم جادوگر معلوم ہوتے ہو۔ ہم تمہارے قتل کا فیصلہ کر چکے تھے مگر اب ہم کو تم پر رحم آگیا ہے"۔ زمینداروں نے حضرت مولنٰا شہباز کی گھاس کی پتیوں کا سارا ماجرا سُنا دیا۔ شاہجہان نے کہا "بے شک وہ درویش کامل ہیں اور ہم پر بھی مہربان ہیں"۔ چنانچہ اس نے زمینداروں کو سزا دینے کی بجائے اور بہت سی آراضی عطا کر دی جو اُن زمینداروں نے حضرت کے طلباء کے خرچ کے لئے وقف کر دی۔ زمیندار جب بامُراد واپس آئے تو حضرت رحلت فرما چکے تھے۔

حضرت کا وہی معتقد تاجر جس کے جہاز کو حضرت نے ڈوبنے سے بچایا تھا۔ اس نے ایک روز حضرت مولنٰا شہباز سے عرض کی کہ "میں آپ کی دُعا سے بے حد دولتمند ہو گیا ہوں۔ مگر میرے کوئی بیٹا نہیں ہے۔ بیوی بھی میری بڑھیا ہے۔ میرے لئے دُعا کیجئے"۔ حضرت نے اسے دو بینگن دئیے اور فرمایا کہ "ایک تو تم کھا لینا اور دوسرا اپنی بیوی کو کھلا دینا۔ انشاءاللہ لڑکا پیدا ہوگا"۔ تاجر نے عرض کیا کہ "لڑکے کا نام کیا رکھیں" آپ نے فرمایا "میں مسافر اور وہ مقیم"۔ حضرت کے اس ارشاد کا اس وقت تو مطلب کوئی نہ سمجھا لیکن اس واقعہ کے چھ ماہ بعد جب آپ نے وصال فرمایا تو لوگ سمجھے کہ حضرت نے اپنی رحلت کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔ حضرت کے وصال کے بعد جب تاجر کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو اس نے اس کا نام "مقیم" ہی رکھا اسی مقیم نے جوان ہونے کے بعد حضرت کا مزار شریف چہار دیواری۔ اور برجوں کو پختہ بنوایا تھا۔

حضرت مولنٰا شہباز کا وصال

حضرت مولنٰا شہباز نے اپنے وصال

سے بہت قبل اپنی رحلت کے بارے میں پیشین گوئیاں فرمانی شروع کردی تھیں۔ جوں جوں رحلت کا زمانہ قریب آتا جاتا تھا آپ بے حد مسرور دکھائی دیتے تھے۔ اس لئے کہ آپ واصل حق ہونے والے تھے۔ چنانچہ آپ مختصر سی علالت کے بعد شاہجہاں کے دور حکومت میں بروز جمعرات بتاریخ ۱۶ صفر ۱۰۵۰ہجری (۱۶۴۰ء) کو ۹۵ سال کی عمر میں اس دُنیا کو خیرباد کہہ گئے۔ لیکن آپ کی کراموں کا سلسلہ آپ کی وفات کے بعد بھی بدستور جاری رہا جن میں سے چند نیچے درج کی جاتی ہیں۔

لاہور کی ایک عورت جو حضرت کی غائبانہ سچی معتقد تھی بیعت کے ارادہ سے روانہ ہوئی۔ اور حضرت کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک کپڑا لیکر چلی جس کا ایک ایک تار باوضو ہوکر کاتا گیا تھا اور بُنا گیا تھا جب بھاگلپور کے قریب آئی تو معلوم ہوا کہ حضرت وصال فرما چکے ہیں۔ عورت کو بے حد صدمہ ہوا۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ آپکے فرزند مُلا عبدالسلام آپکے جانشین ہیں تو ان کے پاس چلی جا۔ وہ مُلا عبدالسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ مُلا عبدالسلام کو حضرت کی جانب سے عالم رویا میں حکم ہوا کہ میری قبر کھود کر صندوق کو باہر نکال لو۔ اور صندوق کو کھولنے کے بعد اس عورت کو اندر بھیجدو اور تخلیہ کردو۔ اور اس کپڑے کا کفن جو عورت لائی ہے دیدو۔ مُلا عبدالسلام نے صبح اُٹھ کر حسب الحکم عمل کیا۔ عورت صندوق کے پاس آئی زیارت کی اور عرض کیا کہ میں ہرگز اس قابل نہیں تھی کہ میرے لئے ایسا عظیم الشان حکم ہوتا۔ آپکا ہاتھ اُٹھا۔ اور پھر بدستور ساکت ہوگیا جب عورت چلی آئی تو مُلا عبدالسلام نے کفن کی تجدید کر کے صندوق کو بدستور قبر میں داخل کردیا

جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حضرت کے خلفا نے مُلا عبدالسلام پر شدید نکتہ چینی شروع کردی کہ انھوں نے یہ فعل بالکل شریعت اسلامیہ کے خلاف کیا ہے لیکن حضرت نے سب کو بشارت فرمائی کہ "میں نے اس عورت کے اعتقاد سے مجبور ہوکر یہ حکم دیا تھا مُلا عبدالسلام کا اسمیں کوئی قصور نہیں"۔

بھاگلپور کا ایک باکمال جوگی نرمل ناتھ حضرت کے درپے آزار رہتا تھا لیکن

حضرت کے جلال اور عتاب سے ڈر کر مع اپنے چیلوں کے یہ بھاگ گیا لیکن جب آپ وصال ہو چکا تو یہ جوگی مع اپنے چیلوں کے پھر واپس آ گیا اور آتے ہی حضرت کے مزارِ مبارک پر سنگ باری شروع کر دی۔ آپ نے ملّا عبد السلام کو بشارت دی کہ اس کے مقابلہ کے لئے میرا عصا کھڑا کر دو۔ عصا کا کھڑا ہونا تھا کہ پتھر اُلٹ اُلٹ کر جوگی اور اس کے چیلوں کو زخمی کرنے لگے۔ نرمل ناتھ مع چیلوں کے یہ کہتا ہوا بھاگا کہ "میں نے سمجھا تھا کہ شہباز مر چکے مگر وہ تو بدستور زندہ ہیں۔" اس کے بعد یہ جوگی بھاگلپور میں کبھی نہیں آیا۔

حضرت کے چند دوسرے اوصاف

حضرت امورِ شریعہ کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ کوئی فعل ایسا نہیں کرتے تھے جس میں شریعت اسلامیہ سے انحراف کا شائبہ بھی ہو۔ آپ کی زبان پر لفظ صراحی محض اس لئے کبھی نہیں آیا چونکہ یہ شراب کے ظرف کے لئے مستعمل ہے۔ آپ چارپائی پر کبھی نہیں سوتے تھے۔ رسول مقبول صلعم کے سچے مقلد اور پیرو تھے۔ آپ لباس اور طرز ماند و بود میں حضور کی پوری پوری تقلید کرتے تھے۔ آپ نے حضرت کی سنّت پر عمل کرتے ہوئے مختلف اوقات میں نَو نکاح کئے تھے۔

حضرت میں علمی ذوق بے اندازہ تھا۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت نے کتابوں کی پانچ سو جلدیں اپنے دستِ مبارک سے لکھی تھیں۔ آپ کے فیوض آج بھی وسطی ہند بہار۔ اور بنگال میں جاری ہیں۔ اور آپ ان قابلِ فخر بزرگوں میں سے ہیں جن کا نام قیامت تک باقی رہے گا۔

حضرت سعید اے

سرمد شہید

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سرمد شہید رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سرمد شہید ہندوستان کے وہ مست الست ہیں جن کے خون سے عشق حقیقی کی ایک ایسی غیر فانی داستان لکھی گئی ہے جو ابد الآباد تک قائم اور باقی رہے گی حضرت سرمد شہید کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اولیا اللہ کی صف میں ایک نئے رنگ میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ اور نئے انداز کے ساتھ دُنیا کو خیر باد کہتے ہیں۔

ایک تجلی رُونما ہوئی جس نے کہ ان کے قلب کو منور کر دیا اور ایک غیبی نعرہ بلند ہوا اور وہ اس نعرہ میں فنا فی اللہ ہو گئے۔ ان کی ابتدا۔ ان کی زندگی۔ ان کے حالات سب پر اس طرح پردہ پڑا ہوا ہے کہ نہ مورخ ہی نقاب کشائی کر سکتا ہے اور نہ تذکرہ نویس ہی پُرانے کتبخانوں کو کھنگالنے کے بعد اس بحرِ حقیقت کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے بس ان کی زندگی کا اہم ترین واقعہ ان کے پاکیزہ خون کے وہ قطرے ہیں جو عہدِ اورنگزیب میں کلمۃ الحق بلند کرتے ہوئے جلّاد کی تلوار کے سامنے اُچھلے اور عشق حقیقی کی ایک ایسی داستان چھوڑ گئے جس سے ارباب طریقت رہتی دنیا تک سرور سرمدی حاصل کرتے رہیں گے۔

حضرت سرمد شہید کی ابتدائی زندگی

دنیا کے کسی مورخ یا تذکرہ نویس کو آجتک یہ علم نہ ہو سکا کہ شراب معرفت کا یہ ساقی کون تھا۔ کس خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ کب پیدا ہوا، کہاں پیدا ہوا اور اس کی ابتدائی زندگی کیا تھی۔ سرمد ایک راز تھا جو دُنیا والوں کے لئے ہمیشہ سربستہ رہے گا۔ اور اس راز کے سربستہ رہنے ہی میں شاید قدرت کا بہت بڑا راز پوشیدہ ہے۔

سرمد شہید کی اصلیت کے بارے میں انتہائی چھان بین کے بعد تذکرہ نویس جو سُراغ لگا سکے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ فرنگی یا ارمنی تھے۔ اور وہ ابتدا میں مذہبی اعتبار

سے یا تو عیسائی تھے یا یہودی۔ کاشان (ایران) ان کا وطن تھا۔ لیکن مسلمانوں کی صحبت نے اور فیضان الٰہی کی تجلیوں نے ان کے دل کی دنیا کو بدل ڈالا اور وہ مشرف باسلام ہو گئے۔ اصلی نام کیا تھا اس کی کسی کو خبر نہیں بعض تذکروں میں سعید۔ اسے ۔سرمد کے نام سے ان کو پکارا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ سعید اسلامی نام ہو۔ اسے قدیم عیسائی یا یہودی نام کا مخفف ہو اور سرمد ان کا تخلص تھا ہی۔ کہاں تعلیم حاصل کی اور معیار تعلیم کیا تھا؟ اس کا بھی کسی کو پتہ نہیں۔ تذکرہ نویسیوں نے صرف اتنا بتایا ہے کہ عربی اور فارسی زبان میں ان کی علمیت اور فضیلت مسلمہ تھی۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کیونکہ انکے کلام کی بلند پروازیاں صاف طور پر یہ کہہ رہی ہیں کہ یہ ایک ایسے فاضل اجل کا کلام ہے۔ جو ظاہری علوم کے ساتھ باطنی علوم میں بھی طاق تھا۔

سرمدؔ کے قلب میں عشق کی پہلی چنگاری

عشق کی وہ چنگاری جو بڑھتے بڑھتے ایک شعلہ بن گئی۔ ہندوستان ہی میں پہلی مرتبہ اور آخری مرتبہ سرمد کے حسن پرست قلب میں روشن ہوئی تھی جس کی تفصیل یہ ہے کہ سرمد ہندوستان اور ایران کے درمیان تجارت کیا کرتے تھے۔ ایران کا مال ہندوستان لاکر فروخت کرتے تھے اور ہندوستان کا مال ایران لیجا کر فائدہ اُٹھاتے تھے۔ لیکن ان کو اس کا پتہ نہ تھا کہ جس ہندوستان کے ساتھ وہ سیم و زر کا کھیل کھیل رہے ہیں اسی ہندوستان پر ان کو اپنا متاع دل اور سب کچھ قربان کر دینا پڑے گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب وہ سندھ پہنچے تو ٹھٹھ کے ایک حسین و جمیل لڑکے کی نگاہ غلط انداز نے ان سے سب کچھ چھین لیا۔ جب سرمد کا متاع دل لُٹ گیا تو وہ ہندوستان ہی کے ہو کر رہ گئے اور مدتوں ہندوستان کے جنگلوں۔ بیابانوں شہروں اور بستیوں میں بادیہ پیمائی کرتے رہے۔

زخم خوردہ سرمد دہلی میں

اس عشق نے کیا کیا گل کھلائے اور سرمد کے

زخم خوردہ قلب کو کیسی کیسی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا؟ اس کا کسی کو کچھ پتہ نہیں۔ بس اتنا معلوم ہے کہ دلِ زخمی کو لئے ہوئے سرمد کسی طرح دہلی پہنچ گئے۔ اور مدتوں اُس سرمایہ درد کو سینہ سے لگائے پھرتے رہے جو ان کی زندگی کا سب سے بڑا ماحصل اور سرمایہ تھا۔

وہ عاشق جس نے سندھ میں رنگِ مجازی دیکھا تھا۔ دہلی آنے کے بعد عشقِ حقیقی میں رنگ گیا۔ دن رات درویشوں۔ فقیروں۔ اور سادھوؤں میں وقت گذرنے لگا۔ اور معرفت کی وہ منزلیں طے ہونے لگیں جو ایک صاحبِ دل کو منتہائے مقصود تک پہنچا دیا کرتی ہیں۔

سرمد کو دہلی میں اس کا قدر شناس ایک فقیر منش شہزادہ بھی مل گیا۔ یہ تھا شاہجہاں کا سب سے بڑا بیٹا اور ہندوستان کی حکومت کا ولیعہد دارا شکوہ جس کو خدا نے بادشاہ کے گھر میں پیدا ہونے کے باوجود فقیروں جیسا دل عطا کیا تھا۔ اور جسے مسجد، کلیسا۔ اور مندر میں کوئی فرق نہیں دکھائی دیتا۔ اسے ہر جگہ ایک ہی جلوہ نظر آتا تھا۔ اس کے فقیرانہ دربار میں۔ درویشوں۔ سنت اور سادھوؤں کا جھمگٹا لگا رہتا تھا۔ سرمد کے لئے دارا شکوہ سے اچھا ساتھی کون ہو سکتا تھا اور دارا شکوہ کے لئے سرمد سے بڑھ کر ہمدم اور دمساز کون بن سکتا تھا۔ دونوں ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور دونوں کی نظر ذاتِ واحد کی جلوؤں میں ایسی کھو گئی تھی کہ کفر و اسلام کی بھی تمیز باقی نہیں رہی تھی۔

دارا شکوہ کا بے دینی کے الزام میں قتل

حالات نے یکایک پلٹا کھایا شاہجہاں بیمار ہوا۔ دارا شکوہ باپ کی جانشینی کے فرائض انجام دینے لگا۔ شاہ شجاع۔ اورنگزیب۔ اور شہزادہ مراد تینوں بھائیوں نے تخت حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کی۔ جنگ چھڑ گئی۔ شاہ شجاع

شکست کھانے کے بعد راستہ سے ہٹ گیا۔ اورنگزیب اور مُراد کو فتح حاصل ہوگئی۔ مگر مُراد بھی قید ہوگیا۔ عنانِ حکومت اورنگزیب کے ہاتھ میں آگئی۔ داراشکوہ نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر اسے گرفتار کرکے دہلی لے آیا گیا۔ نام نہاد علما کا قلم جو ہمیشہ ہی جلّاد کی تلوار کا کام کرتا رہا ہے حرکت میں آیا۔ اور داراشکوہ کو بے دینی کے جرم میں سزائے موت دیدی گئی۔ مُراد کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اب اورنگزیب تنہا تخت کا مالک تھا۔ داراشکوہ کے قتل کے بعد سرمد دُنیا میں اکیلے رہ گئے۔ ان کی مجذوبیت اور بھی بڑھ گئی۔ اور ان کی نظر میں دنیا بالکل تاریک ہوگئی۔

داراشکوہ کے بعد سرمد پر "نگاہ کرم"

داراشکوہ مر چکا تھا۔ لیکن اس کا ایک ایسا ساتھی باقی رہ گیا تھا جس کے ہاتھ میں دہلی اور دہلی کے گردو نواح کے لاکھوں باشندوں کے دل تھے یہ سرمد تھا جن کا اقتدار اسقدر بڑھا ہوا تھا کہ اسکے ایک اشارہ پر تختِ دہلی لرز سکتا تھا مگر اسے ان دُنیاوی جھگڑوں سے کیا غرض تھی وہ مست تھا اپنے رنگ میں سیاسیات سے بے خبر لیکن اورنگزیب کے حاشیہ نشین علما کو یہ فقیر بہت بڑا خطرہ دکھائی دیتا تھا۔ بار بار اورنگزیب کو اُبھارا گیا لیکن اورنگزیب نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہوجاتا تھا۔ اورنگ زیب سے کہا گیا کہ یہ فقیر حکومت کے لئے انقلاب برپا کرسکتا ہے۔ مگر اورنگزیب پھر بھی نہ بولا۔ مگر نام نہاد علما برابر اپنا کام کرتے رہے۔

حضرت سرمد پر برہنہ رہنے کا الزام

داراشکوہ کی موت سے قبل ہی سرمد برائے نام لباس پہنتے تھے لیکن داراشکوہ کی موت نے ان کی شانِ مجذوبی کو کچھ ایسا بڑھادیا کہ سرمد بالکل برہنہ رہنے لگے۔ اگر کوئی کپڑے پہنا بھی دیتا تو ذرا سی دیر میں پارہ پارہ کردیتے تھے۔ علما کی طرف سے شور بلند ہوا کہ سرمد عالم و عاقل اور فرزانہ ہونے کے باوجود

نمائش برہنگی کرتا ہے۔ جو شریعت اسلامیہ کی کھلی ہوئی توہین ہے۔ اب اورنگ زیب بھی ملاؤں کے رنگ میں رنگ چکا تھا۔ یا یوں کہیئے کہ سیاسی اعتبار سے سرمد سے دارالشکوہ کی دوستی کا انتقام لینے کا وقت آ چکا تھا چنانچہ قاضی القضاۃ ملا قوی کو برہنگی کی وجہ دریافت کرنے کے لئے حضرت سرمد کی خدمت میں بھیجا گیا۔ ملا صاحب نے حضرت سرمد سے جا کر پوچھا "علم و فضل کے باوجود آپ کا مادر زاد برہنہ رہنا آخر کس عذر پر مبنی ہے"۔ حضرت سرمد نے برجستہ جواب دیا۔

"کیا کروں شیطان قوی ہے"۔

قاضی القضاۃ پر شاہی عالم پر شیطان ہونے کی پھبتی۔ ملا صاحب کے تن بدن میں آگ لگ گئی اسلام کی توہین برداشت کی جا سکتی تھی۔ مگر اپنی توہین کا برداشت کرنا ملا کے لئے ناممکن تھا۔ فوراً کفر کا قلمدان کھلا حضرت سرمد پر ملا قوی اور ان کے حواریوں نے کفر کا فتویٰ لگا دیا اور قتل کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ مگر اورنگ زیب راضی نہ ہوا وہ محض عریانی کی بنا پر ایک ایسے شخص کے قتل کے لئے کیسے راضی ہو سکتا تھا جس کے معتقد لاکھوں انسان تھے۔ جس کی مٹھی میں دہلی اور دہلی کے گرد و نواح کے بے شمار باشندے تھے۔ اس نے سمجھ لیا کہ اس نوعیت کا غلط قدم اس کی حکومت کی بنیادوں کو ہلا سکتا ہے لہذا سرمد کے قتل کا ارادہ ملتوی کر دیا گیا۔

حضرت سرمد کی اورنگ زیب پر چوٹ

اورنگزیب جمعہ کی نماز کیلئے قلعہ سے جامع مسجد کیلئے روانہ ہوا تو جامع مسجد کے شاہی دروازہ کے قریب دیکھا کہ حضرت سرمد کا کمبل تو ایک طرف پڑا ہے اور سرمد مادر زاد برہنہ بیٹھے ہیں۔ سرمد کے دشمن ازلی ملا قوی نے بادشاہ کو اس مست الست کی برہنگی کی جانب توجہ دلائی تو اورنگ زیب سواری سے اتر کر حضرت کے پاس آیا اور حضرت سے کہا "آپ عالم دین ہیں اور عاقل و فرزانہ ہیں۔ آپ کو اس طرح

منظر عام پر مادرزاد برہنہ بیٹھ کر نمازیوں کے وضو نہیں خراب کرنے چاہئیں۔ کم سے کم کمبل ہی اپنے ستر پر ڈال لیجئے۔" سرمد نے معنی خیز نگاہوں سے اورنگ زیب کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔" تو ہی ڈال دے"۔ اورنگ زیب نے کمبل اُٹھا کر آپ کے ستر پر ڈالنا چاہا تو کمبل کے نیچے بڑا ہی خوفناک منظر دکھائی دیا۔ اس نے دیکھا کہ اس کے بھائیوں اور بھتیجوں کے بے شمار سر کمبل کے نیچے رکھے ہیں۔ اور ان سے تازہ خون جاری ہے۔ یہ کرامت دیکھ کر اورنگ زیب لرز گیا اور کمبل وہیں ڈال دیا۔ حضرت سرمد نے پوچھا" کمبل اُٹھا کر کیوں چھوڑ دیا"۔ جب اورنگ زیب نے کوئی جواب نہ دیا تو آپ نے کہا کہ" غور کر کہ میں تیرے عیب ڈھکوں یا اپنا ستر ڈھکوں"۔ اورنگ زیب چلا گیا۔

حضرت سرمدؒ کے قتل کا فتویٰ

حضرت سرمد شہید جو اپنے خون سے محبوبِ حقیقی کی داستان کو رنگین بنانے کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ ان کے خلاف ملّا فتوی اور نام نہاد علما کی سازشیں برابر جاری رہیں۔ چنانچہ ان سازشوں کے ماتحت یہ طے پایا کہ سرمد کو علما اور فضلا کے مجمع کے روبرو طلب کیا جائے۔ تاکہ ان کے محضرِ قتل کی تیاری میں سہولت ہو۔ اور ان کے ساتھ جو کچھ بھی کیا جائے وہ علما کے فتوے کے مطابق کیا جائے یعنی سرمد کے سر کو تن سے جُدا کرنے کے لئے کفر باز علما کی تیغ چمکنے لگی۔ چنانچہ نام نہاد علما کی مجلس منعقد کی گئی اور اس مجلس کے رُوبرو ایک ملزم کی حیثیت سے سرمد کو پیش کیا گیا۔ سب سے پہلے خود اورنگ زیب نے حضرت سرمد سے پوچھا" لوگ کہتے کہ سرمد نے دارا شکوہ کو مژدہ سلطنت دیا تھا کیا یہ درست ہے"۔ گویا اورنگ زیب کے دل کی اصلی بے چینی زبان پر آگئی۔ اس کے جواب میں سرمد نے فرمایا" بے شک میں نے مژدہ دیا تھا۔ اور وہ درست نکلا کہ اسے ابدی سلطنت کی تاجپوشی میسر آگئی"۔ اورنگ زیب کے بعد ملّا اور مولویوں نے پھر وہی برہنگی کا فرسودہ اعتراض اُٹھایا۔ جس کا جواب سرمد بارہا دے چکے تھے۔

مجمع عام میں سرمد پر لباس پہننے کے لئے زور دیا گیا۔ سرمد نے ان کی جانب توجہ بھی نہ کی تو ملاؤں نے چلانا شروع کر دیا کہ "شریعت اسلامیہ سے انحراف کرنیوالا واجب القتل ہے۔"

اورنگ زیب جیسا ہوشمند شخص خوشامدی علما کی اس بودی دلیل پر کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔ اس نے علما سے کہا کہ "محض برہنگی وجہ قتل نہیں ہو سکتی" علما خاموش ہو گئے لیکن ملا قوی جو دوسرے عالموں اور ملاؤں سے کہیں زیادہ ہوشیار تھا۔ اسے یہ معلوم تھا کہ سرمد کبھی پورا کلمہ طیبہ نہیں پڑھتا۔ اس نے علما سے کہا کہ "ان سے کلمہ طیبہ پڑھنے کے لئے کہا جائے" علما نے سرمد سے کلمہ پڑھنے کے لئے کہا تو سرمد نے اپنی عادت کے بموجب پورے کلمہ کی بجائے صرف اتنا پڑھا "لا الہ" یعنی کوئی خدا نہیں۔ حضرت سرمد کا لا الہ کہنا تھا کہ ملاؤں نے شور مچا دیا کہ "ادھورا کلمہ ذات باری سے کھلا ہوا انکار ہے۔ پورا کلمہ پڑھو" اس پر سرمد نے کہا "ابھی تک میں ابتدائی منزل میں ہوں اور نفی میں مستغرق ہوں۔ اثبات تک نہیں پہنچ سکا ہوں۔ اگر الا اللہ کہونگا تو جھوٹ ہوگا۔ جو دل میں نہ ہو وہ زبان پر کیسے آسکتا ہے" ملا چلا پڑے کہ "ایسا کہنا کھلا ہوا کفر ہے اگر توبہ نہ کرے تو مستحق قتل ہے" سرمد سے کہا گیا کہ "توبہ کرو ورنہ واجب القتل قرار دئے جاؤ گے" ملا موت و حیات کا سبق اس مرد کامل کو پڑھا رہے تھے جو ان جھگڑوں سے کہیں بلند تھا جس کے نزدیک موت زندگی تھی۔ اور زندگی موت۔ غرضکہ جب حضرت سرمد نے توبہ نہ کی تو دنیا دار علما نے متفقہ طور پر سرمد کے قتل کا فتویٰ دیدیا۔ نام نہاد علما چاہتے بھی یہی تھے۔ ان کو دلی مقصود حاصل ہو گیا۔ اور انہوں نے اس مرد کامل کے خون میں اپنے دامن کو رنگنے میں ایک خاص لذت محسوس کی۔

حضرت سرمد کی شہادت

حضرت سرمد شہید کے قتل کے فتوے کا

صادر ہوتا تھا کہ ہر طرف ایک شور اور بے چینی برپا ہو گئی۔ عوام کے اس اضطراب اور بے چینی کو دیکھتے ہوئے اسد اللہ نامی ایک مرد حق نے جو حضرت سرمد سے خصوصیت رکھتے تھے آپ سے کہا کہ "خلق خدا آپ کے لئے بے حد پریشان ہے۔ بندگان خدا کی منت و سماجت کو دیکھتے ہوئے اگر آپ اپنی وضع اور حالت بدل دیں تو بظاہر کوئی نقصان نہیں آپ نے یہ سن کر نظر اٹھائی اور ارشاد فرمایا کہ ؎

عمریست کہ آوازہ منصور کہن شد

من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

گویا آپ راہ حق میں سر دینے کے لئے تُلے ہوئے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت سرمد کو شہادت گاہ کی جانب لے چلے تو تمام شہر ٹوٹ پڑا۔ اور ہجوم کی زیادتی کی وجہ سے کوچہ و بازار میں انسانی سروں کے سمندر کے علاوہ اور کچھ نہیں دکھائی دیتا تھا۔ شہر میں چونکہ شدید اضطراب پھیل چکا تھا۔ اس لئے سارا شہر فوج کے انتظام میں دیدیا گیا اور چاروں طرف ناکہ بندی کر دی گئی۔ اس مرد صفا کو جب شہادت گاہ میں لائے تو آپ مسکرا رہے تھے جب جلاد شمشیر براں لئے ہوئے آگے بڑھا تو آپ نے اس سے مسکرا کر نظر ملائی اور فرمایا کہ "فدائے تو شوم بیا بیا کہ بہر صورتے کہ می آئی من ترا خوب می شناسم۔" اور یہ کہتے ہوئے تلوار کے نیچے گردن مبارک رکھ دی ؎

شور شورے شد و از خواب عدم چشم کشودیم

دیدیم کہ باقیست شب فتنہ غنودیم

حضرت کا سر مبارک تن سے جدا ہو کر کلمہ پڑھتا رہا

ملاؤں کے فتوے کے مطابق حضرت کے سر مبارک کو تن سے جدا کر دیا گیا۔ خلیفہ ابراہیم بیان

کرتے ہیں کہ گو حضرت سرمد نے اپنی زندگی میں کلمہ طیبہ "لا الٰہ" سے آگے نہیں پڑھا لیکن جب شہادت پائی تو لوگوں نے سنا کہ حضرت کے سر گشتہ سے تین بار الا اللہ کہا اور بعض تذکرہ نویسوں کا یہ کہنا ہے کہ حضرت سرمد کا سر مقتول نہ صرف کلمہ طیبہ پڑھتا رہا بلکہ تھوڑی دیر حمد باری میں بھی مصروف رہا۔

آپ کی شہادت کے سلسلہ میں چند تذکرہ نویسوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ شہادت کے بعد حضرت سرمد شہید ایسے جلال میں آئے کہ اپنے سر مبارک کو اٹھا کر عالم جلال میں جامع مسجد کی کئی سیڑھیوں پر چڑھ گئے۔ لیکن آپ کے پیر حضرت ہرے بھرے صاحب کی ہدایت پر آپ کا جلال جاتا رہا اور آپ ٹھنڈے پڑ گئے۔ واللہ اعلم۔ حضرت سرمد شہید کی شہادت کا یہ واقعہ عالمگیر کی تخت نشینی کے تین سال بعد ۱۰۷۰ھ (۱۶۶۱ء) میں پیش آیا تھا۔ آپ کا مزار مبارک جامع مسجد دہلی کے شاہی دروازہ کے بالکل سامنے ہے۔ جو مرجع خاص و عام ہے۔

اورنگزیب کو چین میسر نہ آسکا

حضرت سرمد کے معتقد تذکرہ نویسوں کا یہ کہنا ہے کہ نام نہاد علما کے کہنے پر اگرچہ اورنگزیب نے بھی حضرت سرمد شہید کے محضر قتل پر دستخط کر دئے تھے مگر وہ ساری عمر اپنی اس غلطی پر متاسف رہا۔ اور اس کو حضرت سرمد شہید کی شہادت کے بعد ایک روز بھی چین میسر نہ آسکا چنانچہ ابتدا میں تو وہ شمالی ہند کے جنگی ہنگاموں میں مصروف رہا۔ اور اس کی عمر کے آخری ۲۶ سال دکھن میں مصیبتیں اٹھاتے ہوئے گذر گئے یہاں تک کہ وہ غریب الوطنی کے عالم ہی میں مر گیا اور اسے اس دہلی میں رہنا نصیب نہ ہوا جہاں کے دنیا پرست علما کے کہنے پر وہ اس مرد خدا کے قتل پر راضی ہو گیا تھا۔

بعض تذکرہ نویسوں کا تو یہاں تک خیال ہے کہ اس مرد با خدا کے

خون کے گرتے ہی مغلیہ حکومت کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ اور مغلیہ حکومت اُسی دہلی میں دفن ہو گئی جس دہلی میں کہ حضرت سرمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاکیزہ خون کے قطرے گرے تھے۔

حضرت شیخ
کلیم اللہ شاہجہاں آبادی
رحمتہ اللہ علیہ

حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی ہندوستان کے وہ مایۂ ناز بزرگ ہیں جن کے روحانی کمالات کو ہندوستان کے اولیائے کرام میں ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔ آپ نے اپنے روحانی فیوض سے اس وقت ہندوستان کو سرفراز فرمایا جبکہ اس برعظیم میں اسلامی حکومت زوال پذیر تھی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں پر ایک مایوسی اور ناامیدی کی سی کیفیت طاری تھی یہ وہ زمانہ تھا جب شرک اسلام پر غلبہ حاصل کرنے میں پوری طرح مصروف تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اسلام اور مسلمانوں کی اس نازک وقت میں دستگیری فرمائی ہے جبکہ مسلمان ہر طرف سے بے سہارا ہو چکے تھے۔ چنانچہ آپ کے فیوض اور روحانی برکات ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ ہندوستان میں اسلامی حکومت متزلزل ہو چکی تھی اور اسلام پر ہر طرف سے حملے شروع ہو گئے تھے لیکن پھر بھی مسلمان تمام بلاؤں اور آفتوں سے محفوظ رہے اور نازک ترین حالات کے باوجود اسلام کا مقدس مشن بدستور جاری رہا۔

حضرت شیخ کی پیدائش اور ابتدائی زندگی

حضرت شیخ ۲۴ جمادی الاول ۱۰۶۰ھ (دسمبر ۱۶۵۰ء) کو دہلی میں تولد ہوئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب شاہجہاں نے دہلی یعنی شاہجہاں آباد کو نیا دارالسلطنت بنایا تھا اور دہلی میں علما اور فضلا کا ہجوم تھا۔

آپ کے والد محترم کا اسم مبارک حضرت شیخ نور اللہ صدیقی تھا۔ جو علم ہندسہ اور فن تعمیر کے بہت بڑے ماہر تصور کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت شیخ نور اللہ

اپنے زمانہ کے بہت بڑے خطاط بھی تھے چنانچہ جامع مسجد دہلی کے دروں کی محرابوں وغیرہ پر جو کتبات لکھے ہوئے ہیں وہ آپ ہی کی فن کاری کی غیر فانی یادگار ہیں حضرت شیخ اور آپ کے والد محترم خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق کی اولاد میں سے ہیں۔

حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی کی تعلیم و تربیت آپ کے والد محترم حضرت نور اللہ صدیقی کی نگرانی میں ہوئی ہے حضرت شیخ بچپن ہی سے بلا کے ذہین تھے۔ آپ کی ذہانت کا یہ عالم تھا کہ عام طلبا جتنا درس کہ سالہا سال میں حاصل کرتے تھے آپ چند ماہ کے اندر اس پر عبور حاصل فرما لیتے تھے۔ چنانچہ آپ کی ذہانت اور علم دوستی ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ ابتدائی عمر ہی میں آپ کا شمار اکابر علما میں ہونے لگا تھا حضرت شیخ جب فقہ حدیث اور تمام ظاہری علوم سے فارغ ہو گئے تو آپ کے بیدار قلب نے آپ کو علوم باطنی کی جانب متوجہ کیا۔ چنانچہ آپ عبادت و ریاضت میں مصروف رہنے لگے۔ اور محبت الٰہی میں آپ کو ایک خاص ذوق حاصل ہونے لگا۔

حضرت شیخ یحییٰ مدنی سے بیعت

حضرت شیخ کو جب حُبِ الٰہی نے بہت زیادہ مضطرب اور بے چین کیا تو آپ کو ایک ایسے پیر کامل کی تلاش ہوئی جو آپ کو رُوحانیت کی بلند ترین منزلوں تک پہنچا دے۔ چنانچہ آپ اسی تلاش اور جستجو میں سیاحت فرماتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ یہاں پہنچنے کے بعد ایک مجذوب نے آپ کی رہنمائی فرمائی اور آپ کو ہدایت کی کہ آپ مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت یحییٰ مدنی سے بیعت فرمالیں۔ مجذوب کی ہدایت کے بموجب آپ بلا توقف مدینہ منورہ پہنچ گئے اور حضرت شیخ یحییٰ مدنی رحمتہ اللہ علیہ کے مُریدان خاص کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔

حضرت شیخ یحییٰ مدنی رحمتہ اللہ کی روحانی کشش حضرت شیخ کلیم اللہ کو دہلی سے مدینہ منورہ کھینچ کر لے گئی تھی۔ حضرت پر بے حد مہربان تھے۔ چنانچہ بیعت کے چند روز

بعد ہی آپ کے روحانی کمالات سے متاثر ہو کر حضرت شیخ یحییٰ مدنی نے آپ کو اپنا خلیفہ اعظم مقرر فرمادیا اور آپ کو قطبیت کا بھی بلند درجہ حاصل ہو گیا۔ فیوض باطنی سے مالا مال ہو کر جب آپ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لائے تو آپ کے روحانی جلال کی بنا پر ہر شخص آپ کو قطب عالم کہہ کر مخاطب ہوتا تھا۔

حضرت شیخ کی ہندوستان واپسی

حضرت شیخ علوم باطنی سے فیضیاب اور خرقۂ خلافت سے سرفراز ہونے کے بعد جب دہلی کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت شیخ یحییٰ مدنی نے فرمایا کہ "پرانی دہلی کا رہنے والا ایک شخص مسمی شیخ اچھا ہم سے عالم معانی میں مرید ہوا ہے۔ جب تم دہلی پہنچو تو اسی سے خلوص کے ساتھ ملنا کیونکہ وہ بھی تمہاری طرح ہمارا معنوی فرزند ہے۔ اور اسے ہماری طرف سے شجرہ اور کلاہ پہنچا دینا"۔

حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی جب مدینہ منورہ سے ہندوستان واپس آئے تو پرانی دہلی میں داخل ہونے سے قبل آپ نے حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ میں قیام فرمایا اور رات وہیں بسر کی۔ اسی رات حضرت شیخ اچھا نے اپنے پیر معنوی حضرت یحییٰ مدنی کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ "ہمارا مرید خاص اور خلیفہ اعظم شیخ کلیم اللہ جس نے ظاہری آنکھوں سے ہمیں دیکھا ہے آج صبح دہلی میں داخل ہوگا۔ تم کو چاہیے کہ اس کا استقبال کرو اور شجرہ و کلاہ جو ہم نے ان کے ہاتھ تمہارے لئے بھیجا ہے ان سے لیلو"۔ غرضکہ حضرت شیخ اچھا نے اپنے پیر روشن ضمیر کی ہدایت کے بموجب حضرت شیخ کلیم اللہ کا استقبال کیا۔ ان دونوں بزرگوں نے اگرچہ اس سے قبل ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا لیکن روحانی تعلق کی بنا پر دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔ اور تا زندگی ان دونوں بزرگوں میں بلا کی محبت رہی حضرت شیخ اچھا کا مزار دہلی میں حضرت امیر خسرو کے روضہ کے پاس ہے۔

حضرت شیخ کا روحانی فیض

حضرت شیخ کی جائے سکونت قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان اس حصہ میں تھی جو اب پریڈ گراؤنڈ کے نام سے مشہور ہے۔ اور جہاں حضرت کا مزار مبارک ہے حضرت کی جائے قیام وہ متبرک جگہ ہے جہاں سے علوم باطنی اور ظاہری کا دریا مدتوں بہتا رہا ہے اور جس کی چمک سے سارا ہندوستان جگمگا اٹھا تھا۔ چنانچہ آپ کے باطنی فیوض سے جہاں مخلوق فیضیاب ہو رہی تھی وہاں آپ کے علوم ظاہری کے فیض کی بھی یہ کیفیت تھی کہ آپ نے نہایت وسیع پیمانہ پر درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرما رکھا تھا۔ ہندوستان کے کونے کونے سے لوگ علم دین حاصل کرنے کے لئے آتے تھے اور دستار فضیلت لیکر جاتے تھے۔

حضرت شیخ ولی کامل اور عالم باعمل ہونے کے علاوہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے صاحب قلم بھی تھے چنانچہ آپ نے بے شمار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جنمیں سے چند کتابیں یہ ہیں:۔ (۱) قرآن پاک کی تفسیر "تفسیر کلیمی" جو صرف ایک مرتبہ طبع ہوئی ہے مگر اب نایاب ہے (۲) سواء السبیل کلیمی عربی معہ ترجمہ اردو۔ یہ کتاب تصوف اور معرفت کا ایک بیش بہا خزانہ ہے (۳) عشرہ کاملہ عربی معہ ترجمہ اردو یہ بھی تصوف کی مشہور کتاب ہے (۴) کشکول کلیمی فارسی معہ ترجمہ اردو (۵) مرقع کلیمی فارسی معہ ترجمہ اردو (۶) مکتوبات کلیمی فارسی (۷) تسنیم (۸) رسالہ رد روافض۔ (۹) مالا بد۔ ان کتابوں کے علاوہ بھی آپ نے بے شمار کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن کو معرفت اور تصوف میں امتیازی درجہ حاصل ہے لیکن افسوس کہ آپ کی بیشتر تصانیف نا پید ہیں۔ حضرت شیخ کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ آپ چاروں سلسلوں میں صاحب مجاز تھے۔

حضرت شیخ کی زندگی سے متعلق چند واقعات

حضرت شیخ نہایت

سادہ اور غریبانہ زندگی بسر فرماتے تھے۔ آپ کی ذاتی آمدنی جو ایک مکان کے کرایہ کی آمدنی تھی صرف ڈھائی روپیہ ماہانہ تھی۔ آپ اور آپ کے متعلقین کا گذارہ اسی محدود آمدنی پر تھا۔ خانقاہ میں جو نذریں آتی تھیں۔ اس سے حضرت کا لنگر خانہ چلتا تھا مگر آپ ذاتی خرچ کے لئے اس میں سے کچھ نہیں لیتے تھے۔ بادشاہ فرخ سیر نے بہت چاہا کہ آپ کوئی جاگیر قبول فرمالیں لیکن حضرت شیخ نے اسے منظور نہیں فرمایا۔ بادشاہوں اور امرا سے آپ ہمیشہ پرہیز کرتے تھے۔

سماع سے حضرت شیخ کو بے حد شوق تھا لیکن مریدوں کے سوا محفل سماع میں کسی غیر کو نہیں آنے دیتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سماع میں مشغول تھے کہ دربان نے عرض کیا کہ "نظام الدین نامی ایک نوجوان حاضر ہے۔ اور اندر آنے کی اجازت کا طالب ہے" آپ نے فرمایا "بلالو" معتقدین نے عرض کیا کہ "آپ تو سماع کے وقت کسی غیر شخص کو آنے نہیں دیتے" آپ نے فرمایا "وہ بھی کوئی غیر نہیں ہے" چنانچہ یہی نظام الدین جو اس زمانہ کے مقتدر علما میں سے تھے۔ پہلے حضرت کے مریدان خاص کے زمرہ میں شامل ہوئے اور بعد کو حضرت شیخ کے خلیفہ اعظم کا منصب انھیں حاصل ہوا۔ حضرت شیخ نے ان کو دکن کی ولایت سپرد کر کے اورنگ آباد بھیجدیا تھا۔ اور اب وہیں آپ کا مزار مبارک ہے۔

حضرت شیخ کے خلفا آپ کے خلفاء کا دائرہ اگرچہ بہت وسیع ہے لیکن ان میں سے یہ خلفا زیادہ مشہور ہیں۔ خلیفہ اعظم حضرت مولٰنا نظام الدین اورنگ آبادی۔ حضرت محمد ہاشم حضرت مولٰنا شاہ جمال الدین جے پوری۔ حضرت شاہ تانوجن کا مزار مسجد فتحپوری دہلی میں ہے۔ حضرت مولٰنا عبد المجید خواجہ یوسف اور خواجہ شریف جن کے مزارات حیدرآباد دکن میں ہیں۔

حضرت شیخ کا وصال حضرت شیخ کی عمر جب اکیاسی برس کی ہوگئی تو

مختصر سی علالت کے بعد آپ دہلی میں ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ ہجری (۱۷۳۰ء) کو رحلت فرما گئے۔ چنانچہ آپ کے جسد مبارک کو آپ کی خانقاہ کے اندر دفن کر دیا گیا۔ یہ خانقاہ جامع مسجد اور قلعہ کے درمیان اسی علاقہ میں تھی جو آجکل پریڈ گراؤنڈ کے نام سے مشہور ہے۔ چنانچہ آپ کا مزارِ مبارک آج بھی مرجع خلائق ہے جس سے کہ خلق خدا کو بے اندازہ فیوض حاصل ہوتے ہیں ۔

حضرت خواجہ

محمد سلیمان تونسوی

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی۔ دورِ آخر کے اُن اولیائے کرام میں سے ہیں جن کے اوصاف اور روحانی کمالات سے تذکرہ کی کتابیں رنگی ہوئی ہیں۔ آپ پیدائشی ولی تھے۔ اور آپ کے روحانی کمالات نے اُس نازک دور میں مسلمانوں کو سہارا دیا جب اس برِ عظیم میں اسلامی حکومت دم توڑ رہی تھی اور انگریزی اقتدار ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک مسلط ہو چکا تھا۔ آپ کی ولایت اور خلافت کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ خود رسول مقبول صلعم نے عالم رویا میں آنے کے بعد آپ کو ان بلند مراتب پر سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کی ذات بابرکت کو بارگاہ الٰہی میں اس قدر مقبولیت حاصل تھی کہ آپ جو کچھ چاہتے تھے وہ ہو جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کے معتقدوں میں بنی نوع انسان کے علاوہ جنات کی بھی بہت بڑی تعداد موجود تھی۔ ذیل میں ہم حضرت خواجہ کے مختصر حالات درج کرتے ہیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کس پائے کے بزرگ تھے۔

حضرت کی پیدائش اور بچپن

حضرت کے آبا و اجداد افغان قوم کے قبیلہ جعفریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا خاندان موضع گڈ گوجی واقع کوہ درگ میں آکر آباد ہو گیا تھا۔ کوہ درگ تونسہ شریف سے بالکل قریب تیس کوس کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کے دادا کا نام عمر خاں اور آپ کے والد محترم کا اسم مبارک عبدالوہاب تھا۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام بی بی زلیخا تھا۔ جس زمانہ میں کہ آپ بطن مادر میں تھے تو ایک فقیر نے آپ کی والدہ ماجدہ کو دیکھ کر بشارت دی تھی کہ "اس مائی کے بطن سے ایک ایسا سلیمان زماں پیدا ہوگا جس سے

ہزارہا مخلوق کو فیض پہنچے گا"۔ اس کے علاوہ آپ کی پیدائش سے قبل آپ کی والدہ محترمہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک بقعۂ نور آسمان سے اُتر کر اُن کی گود میں آ گیا ہے۔ جس سے سارا گھر روشن ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس بشارت کے مطابق حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی ۱۱۸۴ھ ہجری (۱۷۶۸ء) میں موضع گڈ گوجی میں تولد ہوئے۔ اور آپ کے فیض سے ایک عالم مستفید ہوا۔ آپ کے ایک بھائی اور بھی تھے جن کا نام محمد یوسف تھا۔ اور چار بہنیں بھی تھیں۔

آپ کی تعلیم اور ابتدائی زندگی

حضرت کی عمر ابھی صرف چار سال تھی اور آپ سن شعور کو بھی نہیں پہنچے تھے کہ دوسرے اولیائے کرام کی طرح آپ بھی سایۂ پدری سے محروم ہونے کے بعد یتیم ہو گئے۔ والد محترم کی رحلت کے بعد چونکہ آپ کی پرورش اور تعلیم کی تمام تر ذمہ داریاں آپ کی والدہ کے سر آپڑی تھیں اس لئے آپ نے ایک معمولی سے مدرس ملا یوسف کے پاس انھیں پڑھنے کے لئے بٹھادیا۔ ملا یوسف سے آپ صرف نصف قرآن پڑھ سکے کیونکہ ملا یوسف خود پندرہ پاروں سے زیادہ پڑھے ہوئے نہ تھے۔ اس کے بعد آپ کی والدہ نے آپ کو حاجی صاحب نامی ایک بزرگ کے پاس مزید تعلیم کے لئے بٹھادیا۔ جن سے آپ نے قرآن مجید کی تکمیل فرمائی اور چند فارسی کتب پڑھیں۔ اس کے بعد ان ہی حاجی صاحب کے مشورہ سے آپ کو آپ کی والدہ محترمہ نے میاں حسن علی کے پاس تعلیم کے لئے تونسہ بھیجدیا۔ حاجی صاحب نے بچپن ہی میں حضرت خواجہ صاحب کے لئے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ ایک باکمال بزرگ ہوں گے۔

میاں حسن علی کے مدرسہ کے طلبا کا یہ دستور تھا کہ وہ یا تو گداگری کر کے یا مزدوری کے ذریعہ خود اپنے لئے معاش تلاش کرتے تھے۔ جب حضرت خواجہ اس مدرسہ میں داخل ہوئے تو ان کو بھی معاش کی تلاش کے لئے کہا گیا۔ لیکن ان کو نہ

گداگری آتی تھی اور نہ مزدوری۔ ایک روز گداگری کے لئے نکلے تو ہندو بقال کے گھر پہنچ گئے۔ اس کی عورت روٹی پکا رہی تھی۔ حضرت نے روٹی کا سوال کیا جب اس نے جواب نہ دیا تو آپ نے آگے بڑھ کر ایک روٹی اُٹھا لی اور چلتے بنے۔ بقال نے جب حضرت کے اُستاد سے اس بات کی شکایت کی تو اُستاد نے حکم دیا کہ تم گداگری کے لائق نہیں ہو۔ مزدوری کے لئے جایا کرو۔ آپ مزدوری کے لئے جاتے تو آپ سے مزدوری بھی نہ ہوتی۔ اور اگر مزدوری کرتے تو پوری مزدوری کا آٹا لے آتے خود روٹی کھاتے اور باقی فوراً ہی غربا میں تقسیم کر دیتے۔ اُستاد نے جو یہ رنگ دیکھا ان کو مزدوری سے بھی منع کر دیا۔ اور کہا کہ ہمارے گھر سے کھانا کھا لیا کرو غرضکہ آپ زمانہ دراز تک میاں حسن علی کے مدرسہ میں ظاہری تعلیم حاصل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا شمار لائق ترین علما میں ہونے لگے گا۔

آپ میں غیر معمولی روحانی تڑپ

چونکہ آپ پیدائشی ولی تھے اس لئے آپ کے اندر بچپن ہی سے رُوحانی تڑپ موجود تھی۔ آپ ظاہری تعلیم کے ساتھ رفتہ رفتہ باطنی منازل بھی طے فرماتے چلے گئے۔ اور آپ کم سنی کے زمانہ ہی میں روحانی اوصاف سے متصف ہو چکے تھے۔

آپ کی رُوحانی عظمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حافظ جمال الدین صاحب مدنی رح کے خلیفہ اعظم مولوی نور احمد سنگھڑ آ رہے تھے کہ آپ کی حضرت خواجہ سلیمان سے ملاقات ہو گئی۔ مولوی نور احمد اگرچہ ضعیف آدمی تھے مگر حضرت خواجہ کو جو ابھی کمسن تھے دیکھ کر گھوڑے سے اُتر گئے۔ اور حضرت خواجہ صاحب کو گھوڑے پر سوار کر کے ان کی باگ پکڑ کر ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ مولوی نور احمد صاحب کے ایک مُرید نے یہ دیکھ کر کہا کہ حضرت آپ ضعیف ہونے کے باوجود پیدل چل رہے ہیں

اور نوجوان کو گھوڑے پر سوار کر رکھا ہے۔ اس پر نور احمد نے غصّہ کی نظروں سے مُرید کو دیکھتے ہوئے جواب دیا کہ "خاموش رہو بے ادب تم ان کی شان سے واقف نہیں!" اس واقعہ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خواجہ سلیمان تونسوی کو کمسنی کے زمانہ میں بھی خدا رسیدہ بزرگوں کی نظر میں کس قدر عظمت حاصل تھی۔

حضرت کی طالب علمی کا زمانہ تھا کہ ایک ہندو عورت اپنی نوجوان لڑکی کو آپ کے پاس لیکر حاضر ہوئی۔ اس لڑکی کے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے تھے جس کے لئے بہت علاج کیا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب ہندو عورت اس لڑکی کے لئے آپ سے طالب دُعا ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ "اس مسجد میں چند روز تک روزانہ چراغ جلاؤ۔ اور جھاڑو دو انشاء اللہ فائدہ ہو جائے گا" ہندو عورت نے آپکے حکم کی تعمیل کی۔ اور لڑکی بفضلِ خدا بالکل تندرست ہو گئی۔

قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی سے بیعت

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی۔ قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کے خلیفہ تھے لیکن آپ کس طرح حضرت قبلہ عالم کے مخلصین میں شامل ہوئے یہ واقعہ بھی بڑا ہی عجیب و غریب ہے۔ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ ابھی قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی نے حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کو دیکھا بھی نہ تھا کہ قبلۂ عالم کے پیر و مُرشد حضرت مولنا فخر الدین رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دن اپنے مُرید اور خلیفہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی کو ہدایت کی کہ ایک خدا رسیدہ نوجوان جو اپنے وقت کا سلیمان ہوگا اسے اپنے مخلصین میں شامل کرو۔ یہ ہمارے اور تمہارے لئے برکت کا باعث ہوگا۔ چنانچہ پیر و مرشد کے اس ارشاد کے بعد حضرت قبلۂ عالم کئی سال تک حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کی تلاش و جستجو میں رہے۔ آخر قبلۂ عالم کی رُوحانی کشش حضرت خواجہ سلیمان کو ان کی

خدمت میں کھینچ لائی اور آپ نے اوچ آکر حضرت قبلۂ عالم کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ حضرت قبلۂ عالم آپ کو حلقہ مُریدین میں شامل کرنے کے بعد کس قدر خوش تھے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ہم کو مبارکباد دو کہ وہ شہباز طریقت جس کے لئے ہم کئی سال سے سرگرداں تھے۔ اب ہمارے دام میں آگیا"

حضرت خواجہ جب حضرت قبلۂ عالم کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے تو آپ کی عمر صرف سولہ سال کی تھی۔ حلقہ ارادت میں شامل ہونے کے بعد پیر و مرشد کا حکم ہوا کہ اپنے دادا پیر حضرت مولٰنا فخرالدین کی زیارت کے لئے دہلی جاؤ۔ چنانچہ آپ حضرت خواجہ اجمیری کی بارگاہ عالی سے رُوحانی فیوض حاصل کرکے دہلی کے لئے روانہ ہوگئے لیکن ابھی راستہ ہی میں تھے کہ حضرت مولٰنا فخرالدین کا دہلی میں وصال ہوگیا۔ حضرت مولٰنا فخرالدین نے رحلت سے قبل وصیت کردی تھی کہ "ایک شخص سلیمان نامی ہماری ملاقات کو آئے گا چونکہ مشیت ایزدی یہ نہیں ہے کہ ظاہری ملاقات ہو اس لئے اس کو میرا سلام پہنچانا اور اس کی خدمت میں ہماری جانب سے یہ فولادی علَم پیش کردینا۔" چنانچہ جب حضرت خواجہ سلیمان تونسوی۔ حضرت مولٰنا کی رحلت کے بعد دہلی پہنچے تو آپ کی وصیت پر عمل کیا گیا۔ اور صرف یہی نہیں ہوا بلکہ آپ کو اپنے دادا پیر مولٰنا فخرالدین کی زیارت بھی اس طرح ہوگئی کہ حضرت مولٰنا کا ایک دانت شہید ہوگیا تھا۔ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ اس دانت کو ہمارے منہ میں رکھ کر ہمیں دفن کیا جائے لیکن گھبراہٹ میں کسی کو اس وصیت کا خیال نہ رہا۔ آٹھ دس دن کے بعد جب حضرت سلیمان تونسوی دہلی پہنچ چکے تھے تو یہ وصیت یاد آئی قبر کھولی گئی۔ اور آپ کا دانت آپ کی وصیت کے مطابق منہ میں رکھا گیا۔ غرضکہ اس عجیب و غریب طریقہ پر حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کو اپنے دادا پیر کی زیارت نصیب ہوگئی۔ یا یوں کہیئے کہ دادا پیر نے اپنے خلیفہ کے مخلص مُرید کو اپنا جمال دکھانے

کے لئے تربت کا پردہ اُٹھا دیا۔ تاکہ ان کا یہ عاشق دہلی سے محروم نہ واپس جائے۔

حضرت خواجہ حضرت مولانا مرحوم کے چالیسویں تک دہلی میں مقیم رہے دہلی سے واپسی پر دورانِ سفر میں بہت سے دُرویشوں اور خدارسیدہ بزرگوں سے ملاقات کی اور اس کے بعد اپنے پیر و مرشد قبلۂ عالم خواجہ نور احمد کی خدمت میں مہار شریف پہنچ گئے اور زمانۂ دراز تک پیر و مرشد سے روحانی فیض حاصل کرتے رہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کی بے قراری

حضرت خواجہ کو اپنی والدہ ماجدہ بی بی زلیخا سے جُدا ہوئے سالہاسال گذر چکے تھے۔ آپ علوم ظاہری اور باطنی کے حصول میں کچھ ایسے مستغرق ہوئے کہ کئی سال تک اپنی والدہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر نہ ہو سکے۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کی جُدائی سے اس لئے اور بھی پریشان تھیں چونکہ ان کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ان کا نورِ نظر کہاں ہے۔ آخر آپ کی والدہ نے آپ کی تلاش میں اپنے داماد کو روانہ کیا جنہوں نے کہ حضرت خواجہ کو ملتان میں آن پکڑا۔ حضرت خواجہ اپنے پیر و مرشد کے کسی کام کے لئے ملتان آئے ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ کے بہنوئی نے جب آپ کو ساتھ لیجانا چاہا تو آپ نے فرمایا کہ میں پیر و مرشد کی اجازت لیکر بہت جلد حاضر ہوتا ہوں حضرت خواجہ جب مہار شریف واپس تشریف لے گئے تو پیر و مرشد نے ان کے بغیر کہے ہی کشف کے ذریعہ تمام حالات و واقعات سے آگاہی حاصل فرمالی تھی۔ چنانچہ آپ نے خود ہی فرمایا "تمہاری والدہ تمہارے فراق میں نڈھال ہیں۔ جاؤ ان کے دل کو سرور اور آنکھوں کو ٹھنڈک بخشو۔ لیکن اس کا خیال رہے کہ ہماری یاد سے غافل نہ ہوجانا"۔ پیر و مرشد کی اجازت کے بعد آپ والدہ محترمہ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے گھر آکر معلوم ہوا کہ حضرت کے بڑے بھائی یوسف انتقال فرما چکے ہیں۔ بھائی کی موت کا بے حد صدمہ ہوا۔

جب حضرت خواجہ کو والدۂ محترمہ کی خدمت میں رہتے ہوئے کافی عرصہ گذر گیا اور اپنے پیرو مرشد قبلہ عالم کے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا تو آپ نے رخصت طلب کی لیکن والدہ اور اقربا آپ کو واپس بھیجنے کے لئے کسی طرح بھی راضی نہ ہوئے۔ اب حالت یہ تھی کہ حضرت خواجہ تو پیرو مرشد کی زیارت کے لئے بے چین تھے اور اقربا آپ کو کسی طرح نہیں چھوڑتے تھے نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس خیال سے کہ کہیں حضرت خواجہ فرار نہ ہو جائیں۔ اعزا اور اقربا نے کوہ ورک کے برج کلاں کے گرد جہاں حضرت خواجہ رہتے تھے۔ خاردار کانٹے بچھا دئے تھے۔ اور احتیاط کے لئے رات کے وقت تمام دروازے بند کر دئے جاتے تھے لیکن حضرت خواجہ کی پیر کے لئے تڑپ ان بندشوں سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی۔ چنانچہ ایک رات کو آپ کوہ ورک کے قریب کی ایک خندق میں کود کر نکل بھاگے۔ اور پیرو مرشد کی خدمت میں جا پہنچے لیکن اس کے بعد پیرو مرشد سے اجازت لیکر برابر والدہ محترمہ کی زیارت کے لئے آتے جاتے رہتے تھے۔

حضرت کے پیرو مرشد کا وصال

قبلہ عالم حضرت خواجہ نور محمدؒ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت خواجہ اپنی والدہ محترمہ کی خدمتِ اقدس میں تھے۔ پیرو مرشد کی جانب سے کشش ہوئی تو آپ دوڑے ہوئے مہار شریف تشریف لائے۔ قبلہ عالم آپ کے آنے سے بے حد مسرور ہوئے خاص توجہ آپ کی جانب منعطف فرمائی۔ اور کہا کہ "ہم اپنی طرف سے نہیں بلکہ خدا اور رسول کے حکم سے خلافت تمہارے سپرد کرتے ہیں"۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ مجھ میں اس ذمہ داری کے اٹھانے کی استطاعت نہیں ہے"۔ غرضکہ پیرو مرشد کی جانب سے جس قدر اصرار ہوتا تھا۔ آپ انکار فرمائے جاتے تھے کہ اسی دوران میں حضرت خواجہ کو رسول مقبول صلعم کی زیارت ہوئی حضور نے ارشاد فرمایا کہ "تم

خلافت سے کیوں انکار کرتے ہو۔" حضرت خواجہ نے عرض کیا۔" میں اس کے قابل نہیں۔" دربار رسالت سے حکم ہوا۔" ہم کہتے ہیں قبول کرلو۔" غرضکہ حضرت خواجہ کو خلافت قبول کرنی پڑی۔ چنانچہ جب آپ نے حضرت قبلہ عالم سے خلافت قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا تو قبلہ عالم نے مسکرا کر فرمایا۔" میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ خدا اور رسول کا حکم ہے۔ میں اپنی طرف سے خلافت نہیں دے رہا۔" غرضکہ خلافت قبول کرنے کے بعد حضرت خواجہ نے لوگوں کو بیعت کرنا شروع کر دیا۔ اور قبول خلافت کے چند روز بعد حضرت قبلہ عالم کا وصال ہوگیا۔

حضرت خواجہ صاحب سے متعلق چند واقعات

حضرت خواجہ محمد سلیمان تونسوی کو قوالی سے بے حد ذوق تھا۔ چنانچہ آپ کی بارگاہ میں نہ صرف مشہور قوال حاضر ہوتے رہتے تھے بلکہ جنات بھی آپ کو قوالی سنانا اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے۔ تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میاں احمد قوال حضرت کے بنگلہ مبارک پر پہنچا تو اس نے سنا کہ ایک شخص نہایت ہی خوش الحانی کے ساتھ گا رہا ہے۔ اور اس کی آواز میں اس بلا کی کشش ہے کہ اس سے قبل ایسی دلکش آواز اس نے کبھی نہیں سنی تھی۔ جب احمد قوال اندر داخل ہوا تو اچانک گانا بند ہوگیا اور وہاں حضرت خواجہ کے سوا اور کوئی بھی نہ تھا۔ حضرت جو مستی کے عالم میں تھے آپ نے احمد قوال کی جانب دیکھ کر فرمایا۔" احمد تم وقت اور موقعہ بھی نہیں دیکھتے" احمد نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔" حضور میں سردار شیر محمد کی عرضی لیکر حاضر ہوا تھا۔ معافی چاہتا ہوں۔" حضرت کی خدمت میں حاضری دینے کے بعد جب احمد واپس جانے لگا تو آپ نے احمد سے پوچھا۔ تم نے یہاں کسی کا گانا سنا تھا۔" اس نے عرض کیا کہ" غریب نواز سنا اور ایسا سنا کہ آج تک نہ سنا تھا۔ اور یہ پوچھنے کی جرأت نہ

کر سکا کہ یہ ماہرِ فن کون تھا۔" آپ نے فرمایا کہ "ایک جن کئی روز سے کہہ رہا تھا کہ میں گانا سُن لیجئے آج سُنا تو نہایت لذت آئی"۔ جب احمد دروازہ سے باہر نکلا تو اس نے حضرت کو کسی سے یہ کہتے سُنا "شاباش میاں کالواب پھر شروع ہو جاؤ"۔ حضرت کے فرماتے کے ساتھ ہی پھر وہی دلکش گانے کی آواز فضا میں گونجنے لگی۔

ایک شخص اپنی بیوی کو حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ "ان پر جن کا اثر ہے"۔ حضرت خواجہ نے جن کو حکم دیا کہ "اے جن اس عورت کو چھوڑ دے" جن نے عرض کیا کہ "میرا بیٹا بیمار ہے اس کے لئے تعویذ عنایت فرمایئے"۔ حضرت نے فرمایا کہ "اگر بیٹا بیمار ہے تو عورت کو تنگ کرنے کا کیا مطلب"۔ جن عرض کرنے لگا کہ "لوگ مجھے آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہونے دیتے تھے۔ اس لئے اس عورت کے ذریعہ حاضر خدمت ہوا ہوں"۔ جن نے فوراً عورت کو چھوڑ دیا وہ تندرست ہوگئی اور حضرت نے جن کے لڑکے کے لئے تعویذ تحریر فرما دیا۔

لوگوں نے حضرت سے کوہ درگ کے سردار کے ظلم وستم کی شکایت کی آپ نے سردار کو نصیحت کی کہ "خدائے تعالےٰ کے قہر وجلال سے ڈرو"۔ اس کے جواب میں سردار حضرت خواجہ صاحب کے ساتھ نہایت گستاخی سے پیش آیا۔ دوسرے دن سردار کے پیٹ میں شدت کا درد اٹھا۔ اور اس کی حالت یہ ہوگئی کہ کتے کی طرح بھونکنے لگا۔ اس کے حواری آپکے پاس آئے اور حضرت سے دعا کے لئے ملتجی ہوئے آپ نے کوئی توجہ نہیں فرمائی آخر یہ گستاخ سردار کتے کی طرح بھونکتے بھونکتے مرگیا۔

نواب صادق محمد خاں والئی بہاولپور، سردار اسد اللہ خاں والئی سنگھڑ کی دختر سے شادی کرنے کے بے حد خواہشمند تھے۔ حضرت نے نواب بہاولپور کو اس شادی سے روکا اور فرمایا کہ "اس شادی کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو تمہاری جان جائے گی یا سلطنت"۔ مگر نواب بہاولپور نہ مانے اور انھوں نے نکاح کرلیا۔ چنانچہ ایک سال

کے اندر ہی اندر نواب بہاولپور کی موت واقع ہوگئی۔

حضرت خواجہ صاحب ایک مرتبہ اپنے پیر و مرشد قبلۂ عالم کے عرس سے واپس ہو کر سنگھڑ جا رہے تھے۔ راستہ میں دریا طغیانی پر تھا۔ ملتان میں دیوان ساون مل کے کارندے پربھو دیال نے سب کشتیاں ضبط کر لی تھیں۔ حضرت نے فرمایا ہم فقیروں کو نہ ستاؤ مگر وہ باز نہ آیا۔ آخر مجبور ہو کر آپ نے فرمایا کہ "جب خداوند بحر و بر نے فرعون جیسے کافر کو دریائے نیل میں راستہ دیدیا تھا تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہم جو اس کے کمترین بندے ہیں اور اس کے پیارے نبی کے غلاموں کے غلام ہیں ہم راستہ نہ پاسکیں"۔ یہ فرما کر آپ اللہ کا نام لینے کے بعد دریا کی جانب بڑھے۔ اور پوری جماعت جس میں چند ہندو بھی تھے آسانی کے ساتھ دریا سے پار ہوگئی دیوان ساون مل کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس نے معذرت چاہی اور پربھو دیال کارندے کو معزول کر کے قید خانہ میں ڈال دیا۔

حضرت خواجہ صاحب کا وصال

حضرت خواجہ صاحب عبادت و ریاضت کی کثرت کی وجہ سے پہلے ہی کمزور ہو گئے تھے کہ آپ اچانک شدت مرض میں مبتلا ہو گئے۔ آپ سات روز تک علیل رہے آخر ۲۶ صفر ۱۲۶۷ہجری (۱۸۴۹ء) کو تہجد کی نماز کے بعد حضرت اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت اللہ بخش مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ نواب بہاولپور نے تقریباً ایک لاکھ روپیہ کی لاگت سے آپ کا عالی شان مقبرہ تعمیر کرایا۔ حضرت خواجہ صاحب کے خلفا نہ صرف ہندوستان و پاکستان کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بلکہ ہندوستان کے باہر بھی آپ کے خلفا کی کافی تعداد موجود ہے۔ غرضکہ آپ کی ذات گرامی اس برعظیم کے اولیائے کرام میں نہایت ہی بلند اور قابلِ فخر

ہے جس سے کہ لاکھوں بندگانِ خدا نے استفادہ حاصل کیا اور اب بھی حاصل کر رہے ہیں ۔

حضرت مولانا

فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولنا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رح

حضرت مولنا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی نے اُس نازک دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے جبکہ اسلامی حکومت کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ اور فرنگیوں کے دورِ استبداد کی بدولت مسلمان خصوصاً اور اس برعظیم کے دوسرے باشندے عموماً بڑی طرح مصائب کا شکار بنے ہوئے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس نازک وقت میں آپ نے اس ملک کے باشندوں کی دستگیری فرما کر بنی نوع انسان کی اتنی بڑی خدمت انجام دی ہے جسے کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ ایک عالم باعمل ہونے کے ساتھ اتنے بڑے روحانی پیشوا تھے جن کو صف اوّل کے اولیائے کرام میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ کا طرزِ معاشرت اور سادہ زندگی صحابہ کرام کا سچا نمونہ تھا۔ آپ کے حالات زندگی سے یوں تو کتابیں بھری پڑی ہیں لیکن ہم ذیل میں آپ کی پاکیزہ زندگی کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کر رہے ہیں تاکہ اولیائے کرام سے محبت رکھنے والے آپ کی مقدس زندگی سے استفادہ حاصل کر سکیں۔

حضرت کی ولادت اور بچپن

حضرت کا آبائی وطن قصبہ ملانواں ضلع ہردوئی ہے۔ آپ قصبہ ملانواں کے مشہور اور خدا رسیدہ بزرگ حضرت مخدوم العارفین مصباح العاشقین شیخ محمد رضوان رح کی ساتویں پشت میں ہیں۔ آپ کے دادا کا نام حضرت محمد برکت اللہ اور آپ کے والد کا اسم گرامی حضرت شیخ اہل اللہ تھا۔ آپ کے والد کے ہاں اٹھارہ برس تک کوئی نرینہ اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ آپ بڑی تمناؤں اور آرزوؤں کے بعد پیدا ہوئے تھے آپ نے پیدا ہونے کے بعد نورِ معرفت سے

اس برِ عظیم کو خوب جگمگایا۔
آپ کی ولادت یکم رمضان المبارک ۲۱۳ھ ہجری (۸۲۹ء) کو ہوئی تھی
چونکہ آپ رمضان کے مہینہ میں پیدا ہوئے تھے اس لئے آپ نے تین دن تک
مطلق دودھ نہیں پیا۔ گویا آپ نے دُنیا میں قدم رکھتے ہی شریعت کا احترام
اور ریاضت شروع فرمادی تھی۔ اسی طرح بچپن کے زمانہ میں آپ کی یہ کیفیت
تھی کہ آپ لہو ولعب میں وقت گنوانے کی بجائے ہمیشہ عبادت وریاضت میں مصروف
رہتے تھے۔ آپ کے ہم سِن بچے اگر آپ سے کھیلنے کے لئے کہتے تھے تو آپ مسکرا کر
فرمادیتے کہ "ہم دنیا میں کھیلنے کے لئے نہیں آئے"
جس زمانہ میں کہ آپ نے بولنا اور بات کرنا شروع کیا اُس زمانہ میں آپ
کی عمر مشکل سے دو ڈھائی سال کی تھی اس کمسنی کے باوجود آپ کی زبان سے جو کلمہ بھی
نکلتا تھا۔ وہ اس قدر معقول اور پُرمعنی ہوتا تھا کہ سننے والے حیران رہ جاتے تھے۔ اور
یہ محسوس ہوتا تھا کہ بچہ کی بھولی زبان میں کوئی بہت بڑا دانشمند گفتگو کر رہا ہے جس کی
ہر بات میں ایک نکتہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ کمسنی کی عمر ہی سے آپ کی باتوں میں اس بلا کی
کشش تھی کہ محلّہ کی عورتیں آپ کی بھولی بھولی اور پرمعنی باتیں سننے کے لئے جمع ہوجاتی
تھیں اور آپ کی باتوں سے بے حد لطف اور کیف حاصل کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ
ابھی آپ بہت کم سِن تھے کہ چھُپ چھُپ کر عبادت فرمایا کرتے تھے۔ اور گھنٹوں
عبادت الٰہی میں مستغرق رہتے تھے۔
آپ کی عمر مشکل سے گیارہ سال کی ہوگی کہ دیگر اولیائے کرام کی طرح آپ کے
سر سے بھی والد بزرگوار کا سایہ اُٹھ گیا۔ اور آپ کی تمام تر ذمہ داریاں آپ کی
والدہ محترمہ کے سر آپڑیں۔ چنانچہ آپ کے والد نے جو تھوڑا بہت سرمایہ چھوڑا تھا
وہ ختم ہوگیا۔ اور اسی زمانہ میں جب قحط پڑا تو آپ کی والدہ محترمہ نے گھر کا دراز

بند کر دیا۔ اور درختوں کے پتے جو گھر میں موجود تھے اُبال اُبال کر خود بھی کھاتی رہیں اور حضرت کو بھی کھلاتی رہیں۔ اور کسی کو کانوں کان بھی اپنی اس مفلوک الحالی کی خبر نہ ہونے دی۔ حالانکہ آپ کے قریبی عزیزوں میں بہت سے ایسے خوشحال عزیز تھے۔ جن سے مالی امداد حاصل کی جا سکتی تھی۔ لیکن آپ کی والدہ محترمہ نے بجز خدا کے سامنے ہاتھ پھیلانے کے کسی انسان کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا گوارہ نہیں کیا۔ اور توکل کی ایک ایسی غیر فانی مثال پیش کی جو صرف پیغمبروں کا حصّہ ہے۔

حضرت کی اعلیٰ تعلیم

حضرت والد کے انتقال کے بعد جس افلاس اور نکبت میں مبتلا ہو گئے تھے اس کے ہوتے ہوئے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا تو در کنار معمولی تعلیم کا بھی کوئی امکان نہ تھا۔ لیکن قدرت نے چونکہ خلق خدا کی رہنمائی کی خدمت آپ کے سپرد کر رکھی تھی۔ اس لئے آپ بھوکے رہ کر اور فاقے کر کے بھی برابر تعلیم حاصل فرماتے رہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم قصبہ ملانواں میں حاصل کی۔ اس کے بعد مزید تعلیم کی غرض سے لکھنؤ تشریف لے گئے اور وہاں زمانہ دراز تک علوم ظاہری حاصل فرماتے رہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جس زمانہ میں کہ نہ صرف دہلی میں بلکہ دُور دُور تک حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے علم و فضل کا بے حد شہرہ تھا۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن آپ کی شہرت سن کر استفادہ کی غرض سے لکھنؤ سے دہلی کے لئے روانہ ہو گئے۔ حضرت کے پاس چونکہ سفر خرچ نہیں تھا۔ اس لئے حضرت اثنائے سفر میں پیسے دو پیسے کے دانے لے لیتے۔ اور کھا لیتے۔ غرضکہ آپ سفر کی انتہائی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد دہلی پہنچ گئے اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ میں شامل ہو گئے اور دو ماہ تک شاہ عبدالعزیز سے حدیث شریف پڑھتے رہے۔ اس کے بعد وطن واپس چلے گئے۔ لیکن پھر دوبارہ دہلی جا کر شاہ محمد اسحٰق صاحب

سے حدیث شریف کی تکمیل کی چونکہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا وصال ہو چکا تھا
حضرت مولانا فضل الرحمٰن جس وقت علوم ظاہری کی تکمیل کیلئے دہلی تشریف
لے گئے تھے اس وقت آپ کی عمر صرف سترہ سال تھی لیکن اس کم عمری کے باوجود
آپ صفِ اوّل کے علما میں شمار کئے جاتے تھے۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ کے
وہ باطنی جوہر بھی اُبھرنے شروع ہو گئے جو پیدائش ہی سے آپ کی فطرت کا جزو اعظم
تھے۔ چنانچہ اب آپ کو باطنی علوم کی ترقی کے لئے ایک ایسے رہنما کی تلاش ہوئی جو آپ
کو سلوک کی منزلیں طے کرا دے۔ اس غرض کے لئے آپ حضرت شاہ محمد آفاق رح
کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہوئے حضرت شاہ محمد آفاق اپنے دور کے مشہور بزرگ
ہوئے ہیں اور آپ کے رُوحانی کمالات سے ہزاروں بندگانِ خدا نے فیض حاصل
کیا ہے۔ حضرت شاہ محمد آفاق نے آپ کو پہلی نظر میں دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اور
اور سمجھ لیا کہ اس کے دل میں وہ شعلۂ معرفت پوشیدہ ہے جو ایک روز آفتاب
بن کر دُنیا کو جگمگا دینے والا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا ادھر
آپ بھی شاہ صاحب کے جذب قلبی سے متاثر ہو کر شاہ صاحب کے مُرید ہو گئے اور
چند روز کے اندر اندر آپ کو شاہ صاحب کے ممتاز ترین خلفا کا درجہ حاصل ہو گیا

گنج مُرادآباد میں سکونت

علوم ظاہری اور باطنی سے آراستہ ہونے
کے بعد آپ نے بہت کم مدت اپنے وطن
یعنی قصبہ ملانواں میں قیام فرمایا۔ چنانچہ اپنی اہلیہ کے انتقال کے بعد آپ ترک
وطن فرما کر اس قصبہ سے گنج مرادآباد تشریف لے گئے۔ اور وہیں سکونت اختیار
فرمائی۔ قصبہ ملانواں کو آپ نے اس لئے چھوڑا تھا چونکہ وہ فسق و فجور کا مرکز بنا ہوا
تھا لیکن جب آپ گنج مرادآباد میں سکونت پذیر ہوئے تو آپ کو پتہ چلا کہ وہاں کے
لوگوں کی بھی حالت قصبہ ملانواں والوں سے بہتر نہیں ہے۔ بلکہ یہاں کے باشندیا

نے آپ کی ایذا رسانی پر بھی کمر باندھ لی لیکن حضرت نہایت استقلال کے ساتھ مخالف طاقتوں کا مقابلہ کرتے رہے۔

حضرت نے گنج مراد آباد میں جس جگہ قیام فرمایا تھا وہیں ایک مسجد بھی تھی جس میں کبھی نماز نہیں ہوتی تھی بس مسجد کے اندر چند تعزیئے رکھے رہتے تھے۔ اور مسجد ویران پڑی تھی۔ آپ نے اس مسجد سے تعزیئے نکلوا کر کسی دوسری جگہ رکھوا دئے اور مسجد کو صاف کرا کے مصروف عبادت ہو گئے۔ گنج مراد آباد کے باشندوں کو آپ کی یہ روش ناگوار گذری انھوں نے واجد علی شاہ کو لکھا کہ مولنا فضل الرحمٰن نے اس قصبہ میں آتے ہی تعزیوں کی توہین کی ہے۔ آپ کی دربار میں طلبی ہوئی۔ لیکن جب آپ وہاں پہنچے تو آپ کو عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا گیا غرضکہ حضرت نے اس غیر آباد مسجد کو خوب رونق دی۔

گنج مراد آباد میں مستقل سکونت اختیار کرنے کے بعد آپ نے اس قصبہ میں عقد ثانی فرمالیا اور مسجد کے متصل ایک چھوٹا سا مکان بھی بنالیا۔ مگر اہل قصبہ اور خصوصاً سسرال والے آپ کو برابر ستاتے رہے۔ لیکن آپ نے ہمیشہ انتہائی صبر اور تحمل سے کام لیا آخر آپ کے عمدہ سلوک اور احسانات نے دشمنوں کو بھی دوست بنالیا

رفتہ رفتہ آپ کی جانب رجوعات کا یہ عالم ہوا کہ گنج مراد آباد جیسے غیر معروف قصبہ میں ہر چہار طرف سے ہزاروں عقیدتمندوں کی آمد شروع ہوئی۔ اور یہ قصبہ رُوحانیت کا بہت بڑا مرکز بن گیا۔ وہی مسجد جو کسی زمانہ میں ویران پڑی رہتی تھی ہر وقت زائرین سے بھری رہنے لگی۔ کسی شخص کو حضرت کی جانب سے اگرچہ ایک شب سے زیادہ قیام کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی ہر وقت ایک میلہ سا لگا رہتا تھا۔ غرضکہ حضرت مدتوں اپنے فیوض باطنی سے خلق خدا کی خدمت کرتے رہے۔ آخر عمر میں جب آپ کی دوسری اہلیہ محترمہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ تو آپ نے تیسرا نکاح

ایک پنجابن پیرانی صاحبہ سے محض اس لئے کرلیا کیونکہ حضرت کے پوشیدہ مقام پر ناسور تھا۔ اور اس کی نگہداشت کے لئے محرم راز کی ضرورت تھی۔ ان پیرانی صاحبہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ بھی اپنے زمانہ کی ایک قدر رسیدہ خاتون تھیں۔

حضرت کے مشاغل اور زندگی پر ایک نظر

حضرت مولنا فضل الرحمٰن کا محبوب ترین مشغلہ عبادت و ریاضت تھا۔ آپ کے وقت کا بیشتر حصہ یاد الٰہی میں صرف ہوتا تھا۔ اور عبادت میں آپ کے انہماک کی یہ حالت تھی کہ عبادت کے وقت آپ کو کچھ خبر نہیں رہتی تھی یہاں تک کہ آپ کے روئیں روئیں سے ذکر الٰہی جاری ہوجاتا تھا۔ چنانچہ عبادت و ریاضت کی زیادتی کی بنا پر آپ کی صحت بے حد خراب ہوگئی تھی۔ تفسیر اور حدیث کے درس میں آپ خاص لذت اور کیف محسوس فرماتے تھے۔

آپ کی زندگی نہایت سادہ اور صحابۂ کرام کا سچا نمونہ تھی۔ لباس بہت سادہ اور غریبانہ پہنتے تھے۔ گوشت سے حتی المقدور پرہیز فرماتے تھے۔ باجرہ کی روٹی پر آپ کا گذارہ تھا۔ مونگ کی کھچڑی بھی اکثر تناول فرمالیتے تھے۔ آپ کا مکان کچا تھا جس کے آگے چھپر پڑا ہوا تھا۔ اکثر مریدوں اور معتقدوں نے چاہا کہ آپ مکان کو پختہ بنانے کی اجازت دیدیں لیکن آپ نے اسے پسند نہیں فرمایا۔ شروع عمر میں پان بہت کھاتے تھے مگر آخر عمر میں دانتوں کی شکایت کی بنا پر چھوڑدیا تھا۔ قبض کی وجہ سے اکثر حقہ پیتے تھے۔ مُریداور معتقدین حضرت کے لئے قیمتی سے قیمتی لباس لاتے تھے لیکن آپ غریبانہ کپڑوں سے خوش تھے۔ تکیہ اور گدّے کے استعمال سے پرہیز کرتے تھے۔ دہلی کی جوتی اور دہلی کی ٹوپی آپ کو بے حد پسند خاطر تھی۔

حضرت نہایت ہی فیاض طبع تھے۔ مریدین اور معتقدین جتنے بھی قیمتی تحائف لاتے تھے وہ سب کے سب غربا اور متوسلین میں تقسیم فرمادیتے تھے۔ مسافروں اور

حاجتمندوں کی ضرورتیں قرض لیکر بھی رفع کرتے تھے۔ آپ کی فیاضی اور دریادلی کا
اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ موسم سرما میں حضرت نے اپنے تمام
کپڑے غریبوں میں تقسیم کردئے اور خود اکہری اچکن میں زندگی بسر فرمانے لگے
ایک عرب نے آپکی خدمت میں آکر دو سو روپے طلب کئے۔ آپ نے منشی سے
کہاکہ بنئے سے قرض لیکر اُن کو روپے دیدو۔ کل ڈیڑھ سو روپے قرض ملے۔ آپ نے
عرب کو دیدیئے مگر عرب دو سو سے کم پر راضی نہ ہوا تو پچاس روپے اور قرض منگا کر
اُسے دئے جب عرب آپ سے دو سو روپے وصول کرچکا تو اس نے کہاکہ ہماری چادر
دری۔ لوٹا اور کٹورا چوری ہوگیا ہے۔ وہ بھی ہمیں دو۔ آپ نے اپنی چادر اور لوٹا اس
عرب کو دیدیا اس کے بعد عرب نے آپ سے کہاکہ ہم کو آٹھ دس خط بھی لکھدو۔ آپ
نے خطوط بھی لکھدئے۔ عرب نے مزید مطالبہ کیاکہ ہمارے جانے کے لئے ٹٹو کا کرایہ بھی
دو۔ آپ نے حکم دیدیا کہ فلاں بنئے سے ہمارا نام لیکر ٹٹو کا کرایہ لے لینا۔ یہ تھا حضرت
کی فیاضی اور برداشت کا عالم۔

ایک مُرید رات کے وقت حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا کہ میری لڑکی کی
شادی ہے مجھے روپیہ عنایت فرمائیے۔ اپنے سرہانے سے تھیلی نکالی اور اس کو
دیدی جس میں کہ پانچ سو روپے تھے۔ غرض کہ آپ روزانہ صدہا روپیہ مستحقین اور غربا
میں تقسیم فرمادیا کرتے تھے۔

حضرت کے استغنےٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک معتقد نے آپ کی خدمتِ اقدس میں
ایک نہایت ہی قیمتی سونے کی گھڑی پیش کی۔ آپ نے اسے لیکر مٹی کے ایک ایسے
گھڑے میں ڈال دیا۔ جس میں کہ ردّی پڑی رہتی تھی۔ تھوڑی دیر میں منشی نیاز احمد
حاضرِ خدمت ہوئے تو اُن سے فرمایا " دیکھنا گھڑے میں ایک ڈبیہ پڑی ہے"۔ انھوں
نے نکالا تو گھڑی تھی۔ عرض کیا "حضرت یہ تو گھڑی ہے"۔ آپ نے فرمایا "تمہارے کام

کی ہے تو تم ہی لے لو۔"

جے پور کے ایک حکیم صاحب آپ کے لئے ایک مقوی معجون تیار کر کے لائے اور عرض کیا کہ "یہ نہایت ہی قیمتی جواہرات کی معجون ہے۔ آپ کے قویٰ میں اضمحلال پیدا ہو گیا ہے۔ اس سے آپ کو بے حد فائدہ ہوگا۔" آپ نے تھوڑی سی چکھ کر تعریف کی اسی وقت مہتر آن نکلا۔ اسے دیکھتے ہی حضرت نے ارشاد فرمایا۔ "تو بہت ضعیف ہو گیا ہے۔ یہ معجون کھا لیا کر۔" غرضکہ ساری معجون اسے اُٹھا کر دے دی۔

دربھنگہ کے راجہ صاحب حاضر خدمت ہوئے۔ اور حضرت کی خدمت میں اشرفیوں کی ایک تھیلی بطور نذر پیش کی۔ ایک بقال کو جس سے کہ حضرت قرض لیا کرتے تھے۔ آپ نے فوراً بلوایا اور تھیلی اس کے حوالے کر دی۔ وہ اشرفیاں گننے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ "گھر جا کر گن لینا۔" جب بقال دوبارہ آپ کی خدمت میں آیا۔ تو آپ نے پوچھا کہ "اب تمہارا قرضہ بیباق ہو گیا۔" بقال نے عرض کیا "پچاس اور باقی ہیں۔" ارشاد ہوا "وہ بھی اللہ ادا کرا دے گا۔"

حضرت کی کرامتیں

حضرت کی کرامتیں اس قدر ہیں کہ ان سے تذکروں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ جذام کے مریض آپ کی دُعا سے تندرست ہو جاتے تھے۔ جن مریضوں کو کسی علاج سے فائدہ نہ ہوتا تھا ان کو حضرت کے عطا کئے ہوئے لودینے اور سونف سے افاقہ ہو جاتا تھا خطرناک سے خطرناک امراض آپ کے پڑھے ہوئے پانی سے دُور ہو جاتے تھے۔ اگر کسی پر جن آتا تھا تو آپ فرما دیتے تھے کہ "مریض کے کان میں ہمارا اسلام کہدینا۔" اس سے آسیب دُور ہو جاتا تھا۔

ایک برہمن زادہ کنویں پر نہا رہا تھا۔ اور پانی کی چھینٹیں کنویں میں جا رہی تھیں آپ نے منع کیا تو لڑکا گستاخی کے ساتھ پیش آیا۔ آپ نے عصائے مبارک کو سہارا

دیں آنکھیں بند کرلیں۔ پھر کیا تھا کنویں کا پانی جوش کھانے کے بعد کنویں سے اُبلنے لگا یہ کرامت دیکھ کر لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ "حضور اس لڑکے کا قصور مُعاف فرما دیں آپ نے آنکھیں کھول دیں۔ پانی بیٹھ گیا۔ اور فرمایا "میں نے صرف یہ دُعا کی تھی کہ خدایا کنویں کو نجاست سے پاک کر دے"۔

بلند شہر کے ایک نوجوان کا خط آیا کہ میں پیدائشی نامرد ہوں والدین سے زبردستی میری شادی کر دی ہے۔ اب زندگی سے مایوس ہونے کے بعد سنکھیا کھالوں گا میرے لئے دُعا فرمایئے ورنہ حشر کے دن داورِ محشر سے کہوں گا کہ مولانا فضل الرحمٰن نے دُعا نہ کر کے مجھے سنکھیا کھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ آپ نے اسے جواب لکھوا دیا کہ ہم تمہارے لئے دُعا کرتے ہیں۔ کئی روز بعد نوجوان کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ خدا نے مجھے تندرست کر دیا ہے۔ تھوڑے دن بعد وہ آکر حضرت سے بیعت ہو گیا۔

تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے قصبہ ملانواں کی مسجد میں اپنی خشک مسواک کھڑی کر دی۔ اور دُعا کی کہ "خداوندا اس کو سرسبز کر دے"۔ چنانچہ یہ مسواک سرسبز ہو گئی۔ اور اس وقت تک مسواک کا درخت مسجد میں موجود ہے۔

ایک مرتبہ آپ چند لوگوں کے اصرار سے شکار کو تشریف لے گئے۔ اتفاقاً کوئی شکار نہ ملا جب واپس آرہے تھے تو چند ہرن دکھائی دیئے۔ آپ سے نشانہ لگانے کے لئے کہا گیا۔ آپ نے نشانہ لگانے کی بجائے باآوازِ بلند ہرنوں سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم میں سے ایک ہرن رہ جائے اور باقی چلے جائیں"۔ چنانچہ ایک ہرن رہ گیا جسے پکڑ لیا گیا۔ آپ نے ہمراہیوں سے فرمایا "اس نے تمہاری خوشی کر دی تم اس کو رہا کر دو"۔ لوگوں نے حضرت کے ارشاد کے بموجب اس کو چھوڑ دیا۔

قاضی پور کے اطراف کے چند اشخاص حضرت کی خدمت میں حاضری کی غرض سے روانہ ہوئے راستہ میں بہارس پڑا تو ان لوگوں نے سوچا کہ اب تو یہ نوکری ہی ہے۔

آج کی رات ناچ مجرا اور عیاشی میں کیوں نہ بسر کی جائے۔ چنانچہ ان لوگوں نے سب کچھ کیا۔ جب مرادآباد پہنچے تو وقت زیادہ ہو چکا تھا۔ حضرت نے ان کی آمد سے پہلے ہی حکم دے دیا تھا کہ "چند شہدے آ رہے ہیں ان کا کھانا رکھ دو"۔ جس وقت یہ لوگ حاضر خدمت ہوئے تو آپ بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ "تمہارا پیر تو بنارس میں ہے یہاں کیوں آئے ہو"۔

ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "ایک دن کی غیر حاضری کی وجہ سے حاکم نے مجھے برخاست کر دیا ہے"۔ آپ نے اس کی پیشانی پر کچھ لکھ دیا اور کہا کہ "اسی وقت چلے جاؤ"۔ وہ شخص اپنے شہر پہنچا تو حاکم کا چپراسی دوڑا ہوا آیا اور کہا کہ "حاکم نے تمہیں بلایا ہے"۔

حضرت کی حالت یہ تھی کہ کشف کے ذریعہ پوشیدہ واقعات معلوم کر لیتے تھے زبان سے جو کچھ فرماتے تھے وہی ہو جاتا تھا۔ خاک کی چٹکی اٹھا کر دیدیتے تو وہ اکسیر ثابت ہوتی۔ غرضکہ مریضوں کو تندرست کرنے کے معاملہ میں تو آپ مسیح ثانی تھے۔ ہزاروں لاعلاج مریض آپ کی دعا سے تندرست ہو گئے۔

حضرت مولٰنا فضل الرحمٰن کا وصال

حضرت مولٰنا فضل الرحمٰن کی صحت یوں تو زمانہ دراز سے بگڑتی چلی جا رہی تھی لیکن ماہ ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ کی ابتدائی تاریخوں میں آپ پر بخار کا ایسا شدید حملہ ہوا جس کے بعد پھر آپ سنبھل ہی نہ سکے۔ آپ کی حالت دن بدن خراب ہوتی چلی گئی لیکن بیماری کے شدید حملہ کے باوجود آپ نماز اور یاد الٰہی سے غافل نہ ہوئے۔ ۹ اور ۱۰ ربیع الاوّل کو یکایک آپ کی حالت بہتر ہو گئی جس سے یہ یقین ہو گیا کہ اب آپ رو بصحت ہیں۔ لیکن ۱۵ ربیع الاوّل کے بعد آپ کی حالت پھر بگڑ گئی اور برابر بگڑتی ہی چلی گئی۔

۲۰ ربیع الاوّل کو خواب سے بیدار ہونے کے بعد آپ نے ایک خاص اضطراری حالت میں فرمایا "یہ بہشت یہ بہشت"۔ آپ نے چار مرتبہ اس جملہ کی تکرار فرمائی۔ اور چاروں طرف اشارہ کیا اس کے بعد ارشاد ہوا "رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم تشریف لاتے ہیں"۔ اس کے بعد ۲۱ ربیع الاوّل کو آپ نے فرمایا کہ "ہم مر گئے ہمارے جنازہ کی نماز پڑھ دو۔ اگر کوئی نہیں پڑھتا تو میں خود پڑھے دیتا ہوں"۔ یہ فرمانے کے بعد اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ لئے۔ جیسے کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔

دوسرے دن تین بجے آپ نے اپنے عزیزوں۔ مریدوں اور معتقدوں کے حق میں دعا فرمائی اور چار بجے سے تنفس شروع ہو گیا جس سے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی صاف آواز نکلتی تھی۔ اسی حالتِ ذکر میں بعد نمازِ مغرب بروز جمعہ بتاریخ ۲۲ ربیع الاوّل ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) کو آپ اس دُنیائے فانی سے رحلت فرما گئے اِنَّا للہ وَاِنَّا اِلَیہ راجعون۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے فرزند حضرت احمد میاں سجادہ نشین قرار دئے گئے۔

حضرت مولنا
حاجی سیّد وارث علی شاہ
رحمتہ اللہ علیہ

حضرت مولٰنا حاجی سیّد وارث علی شاہؒ

حضرت مولٰنا حاجی سیّد وارث علی شاہ صاحب کی ذاتِ گرامی ان اولیائے کرام میں سے ہے جنہوں نے اُس نازک وقت میں مسلمانوں کی دستگیری کی ہے۔ جبکہ ہندوستان سے اسلامی حکومت ختم ہو چکی تھی۔ اور مسلمان اس برِ عظیم میں نہایت ہی پراگندہ حالی کی زندگی گذار رہے تھے۔ یہ وہ نازک دور تھا جب انگریز کی شمشیر استبداد سے بے نکان مسلمانوں کا قتلِ عام جاری تھا۔ اور مسلمانوں کو صرف مسلمان ہونے کے جرم میں ملک کے کونے کونے میں کچلا جا رہا تھا حقیقت یہ ہے کہ یہ زمانہ مسلمانوں کیلئے نازک ترین زمانہ تھا جبکہ مسلمانوں کی کشتی بھنور میں پھنس چکی تھی۔ آپ نے اس نازک وقت میں مسلمانوں کو سہارا دیا اور آپ کے روحانی کمالات نے مسلمانوں کو اس ناامیدی کے سمندر میں ڈوبنے سے بچا لیا جو مسلمانوں کو ہر چہار طرف سے گھیرے ہوئے تھا۔

حضرت مولٰنا کا خاندان اور ولادت

حضرت مولٰنا سید وارث علی شاہ رح کے مورث اعلیٰ نیشا پور سے آکر ہندوستان میں آباد ہو گئے تھے۔ حضرت کے والدِ محترم سید قربان علی شاہ دیوہ (ضلع بارہ بنکی) کے ایک نہایت ہی متمول بزرگ اور رئیس تھے لیکن ابھی حضرت بطنِ مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد حضرت ۱۲۳۴ھ ہجری (۱۸۱۸ء) میں تولد ہوئے۔ لیکن آپ نے ابھی ہوش بھی نہ سنبھالا تھا کہ والدہ محترمہ کا سایہ بھی آپ کے سر سے اُٹھ گیا گویا رسول اللہ صلعم کی طرح آپ بچپن ہی میں یتیم و یسیر ہو گئے تھے۔ اور آپکی املاک و جائداد پر غیر بی عزیزوں نے قبضہ جما لیا تھا۔

حضرت کی تعلیم کا سلسلہ پانچ برس کی عمر سے شروع ہوا۔ ماں اور باپ دونوں کا سایہ سر سے اُٹھنے کے بعد اگرچہ آپ کا کوئی نگراں نہ تھا لیکن قدرت نے آپ کے قلب میں جو نورِ ایمان روشن کر رکھا تھا۔ اس کی بنا پر آپ نے چند سال کے اندر اندر علوم ظاہری کی حیرت انگیز طریقہ پر تکمیل فرمالی۔ علوم ظاہری کے ساتھ ساتھ آپ کے باطنی جوہر بھی ابھرنے شروع ہوئے۔ اور آپ کی حالت یہ ہوگئی کہ آپ رات کے سناٹے میں بیابان کی طرف نکل جاتے اور عبادت میں مصروف ہوجاتے۔

حضرت مسندِ خلافت پر

حضرت سید خادم علی شاہ صاحب جن کا شمار لکھنؤ کے مقتدر صوفیائے کرام میں تھا۔ آپ کے بہنوئی تھے۔ جب سید صاحب نے حضرت مولنا کے باطنی جوہروں پر نظر ڈالی تو ان کو معلوم ہوگیا کہ یہ ایک روز ولی کامل بننے والے ہیں۔ چنانچہ سید صاحب نے حضرت مولنا کو اپنی نگرانی میں لے لیا اور اپنے ارادت مندوں کے حلقہ میں شامل کرلیا۔ حضرت مولنا جن کے قلب میں پہلے ہی سے رُوحانی تڑپ موجود تھی آپ نے حضرت سید خادم علی شاہ رح سے اچھی طرح باطنی استفادہ کیا اور مردِ کامل بن گئے۔

جب ۱۲۵۲ھ میں حضرت سید خادم علی شاہ کا انتقال ہوا تو اس وقت حضرت مولنا کی عمر بیس سال کی تھی۔ لیکن آپ راہِ سلوک کی تمام منزلیں طے فرما چکے تھے لہٰذا سید صاحب کے عقیدتمندوں نے آپ کو سید خادم علی شاہ کی مسند خلافت پر بٹھا دیا۔ اور آپ کا رُوحانی فیض جاری ہوگیا۔ لیکن مسند خلافت کو سنبھالے ہوئے ابھی چند ماہ ہوئے تھے کہ آپ نے پیر و مرشد کو خواب میں دیکھا کہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ "سفر کرو" اس حکم کا ملنا تھا کہ آپ نے اپنے گھر کا سارا سامان غریبوں اور مسکینوں میں لٹا دیا۔ اور پا پیادہ سیاحت کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔

حضرت کی سیاحت

ترکِ وطن کرنے کے بعد آپ سب سے پہلے حضرت خواجہ

غریب نواز کے آستانۂ مبارک پر پہنچے اور اس سرزمین کی تقدیس کے پیش نظر آپ نے جوتا پہننا ترک کر دیا۔ اور پھر کبھی جوتا نہیں پہنا۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے دربار میں حاضری دینے کے بعد بمبئی سے جدہ کے لئے جہاز میں سوار ہوئے۔ جدہ سے مکہ معظمہ گئے۔ حج فرمانے کے بعد مدینۂ منورہ تشریف لے گئے۔ اور کافی عرصہ تک دیارِ محبوب میں پڑے رہے۔ اس کے بعد بیت المقدس۔ شام۔ دمشق۔ بیروت۔ بغداد۔ کاظمین۔ نجف اشرف کربلائے معلیٰ کا سفر کیا۔ پھر ایران گئے اور وہاں سے روس اور ترکی کی سیاحت فرماتے ہوئے حج کے زمانہ میں دوبارہ حرم میں جا پہنچے۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد افریقہ تشریف لے گئے اور مختلف مقامات کی سیاحت فرماتے ہوئے وطن کی جانب لوٹے۔

حضرت نے احرام باندھنے کے بعد اس سادہ لباس کو اس قدر پسند فرمایا کہ آپ نے اسی کو مستقل لباس بنا لیا۔ دورانِ سیاحت میں بڑے بڑے مدبرین اور حکمراں آپ کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوتے۔ چنانچہ سلطان عبدالحمید خاں فرمانروائے ترکی آپ کے مخلص مریدوں کے حلقہ میں شامل ہو گئے تھے۔ حضرت کی سیاحت کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ آپ نے زیادہ تر سیاحت پیادہ پا فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ دوران سفر میں جانوروں تک کی سواری سے پرہیز کیا ہے۔ البتہ سمندری اور دریائی سفر کے لئے آپ کو مجبوراً جہاز اور کشتی پر سوار ہونا پڑا ہے۔

دنیا اور دنیا کی چیزوں سے نفرت

حضرت کا تعلق چونکہ ایک امیر کبیر گھرانے سے تھا۔ اس لئے حضرت کو ورثے میں کافی جائداد اور دولت ملی تھی۔ لیکن آپ کو دنیاوی دولت سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ چنانچہ جب آپ سیاحت کے لئے تشریف لے جانے لگے۔ تو گھر کا سامان۔ اور ساری دولت غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دی تھی اور املاک

وجائداد کے تمام کاغذات دریا برد کر دئے تھے۔ دنیاوی جھگڑوں سے الگ رہنے کی
غرض سے آپ نے ساری عمر تجردانہ زندگی گذاری ہے۔

حضرت کی خدمت میں مرید اور معتقدین نہایت قیمتی تحائف اور بڑے بڑے
نذرانے پیش کرتے تھے لیکن آپ فوراً تحائف اور نقدی غریبوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔
کسی اندوختہ کا جمع کرنا تو درکنار آپ ایک وقت سے دوسرے وقت کے کھانے تک
کا انتظام نہیں فرماتے تھے۔ آپ کی خوراک کا عالم یہ تھا کہ ۴۰ برس کی عمر سے لیکر ۴۴
برس کی عمر تک ہفتہ میں صرف ایک بار کھانا تناول فرماتے تھے۔ گوشت، انڈے اور
مچھلی سے حتی المقدور پرہیز فرماتے تھے۔ آخر عمر میں جب نقاہت بڑھ گئی۔ تو ہفتہ
میں ایک مرتبہ کھانا کھانے کی بجائے حسب ضرورت غذا کھا لیتے تھے۔ غرضکہ آپ
نے دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کو بالکل ترک کر دیا تھا۔

زمانۂ دراز تک سیاحت فرمانے کے بعد جب آپ وطن واپس آئے تو دیکھا
کہ گھر کھنڈر ہو چکا ہے۔ اور جائداد اور زمینداری پر عزیزوں نے قبضہ جما لیا ہے حضرت
کی واپسی پر عزیزوں کو فکر ہوئی کہ اب ان کو املاک وجائداد واپس کرنی ہوگی لیکن حضرت
تو پہلے ہی جائداد اور زمینداری کے کاغذات تلف کر چکے تھے۔ لہٰذا آپ نے املاک
وجائداد کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اور صرف چند روز کے قیام کے بعد پھر سیاحت
کے لئے وطن سے نکل گئے۔ اور ۱۸۵۷ء تک یا تو آپ جنگلوں میں پھرتے رہے یا نامعلوم
مقامات کی سیاحت فرماتے رہے غرضکہ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ سیاحت میں
گذرا ہے۔ یا جنگلوں اور پہاڑوں میں بیٹھ کر آپ عبادت فرماتے رہے ہیں۔

آپ کی زندگی سے متعلق چند واقعات

عبادت اور ریاضت سے آپ کو سب سے
زیادہ لگاؤ تھا۔ چنانچہ بڑھاپے میں جبکہ آپ بے حد کمزور ہو گئے تھے۔ اس وقت

بھی آپ ہر وقت عبادت میں مستغرق رہتے تھے۔ اور ادب و احترام کے خیال سے کھڑے ہو کر عبادت فرماتے تھے۔ چنانچہ عالمِ ضعیفی میں جبکہ آپ میں اتنی طاقت بھی نہیں رہی تھی کہ سجدہ کے بعد کھڑے ہو سکیں۔ آپ نے خدام کو حکم دے رکھا تھا کہ جب آپ سجدہ سے سر اُٹھائیں تو بغلوں میں ہاتھ دیکر کھڑا کر دیا جائے۔

ایک مرتبہ آپ کے معتقد راجہ دوست محمد نے آپ کی خدمت میں زری کے کام کی ایک نہایت ہی قیمتی بنارسی رضائی پیش کی۔ آپ نے اسے نہایت خوشی سے اوڑھ لیا۔ دوسرے ہی دن ایک غریب جولاہا چھینٹ کی ایک معمولی سی رضائی لایا۔ تو آپ نے زری کی رضائی تو اُتار کر جولاہے کو عطا کر دی۔ اور چھینٹ کی رضائی خود اُوڑھ لی۔ اور فرمایا "یہ چھینٹ کی رضائی زری کی رضائی سے زیادہ خوبصورت اور قیمتی ہے"!

حضرت کی غیر موجودگی میں دین علی نامی ایک سپاہی چوری کی غرض سے حضرت کے مکان میں آیا۔ وہاں قرآنِ مجید کے چند نسخوں کے علاوہ کیا رکھا تھا۔ وہی لیکر چل دیا۔ لیکن خدا کی قدرت سے راستہ نہ دکھائی دیا۔ اور پکڑا گیا۔ جب آپ واپس آئے تو سپاہی کی حماقت پر خوب ہنسے۔ جس قدر مال و اسباب تھا سب تقسیم کر دیا۔ اور دین علی کو بُلا کر بہت کچھ مرحمت فرمایا۔ اور اس کے بعد گھر میں کبھی مٹی کا برتن بھی نہیں رکھا۔

حضرت کی کرامتیں

جب حضرت پہلی مرتبہ حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہوئے تو آپ کو جہاز پر فاقہ کشی کی نوبت آگئی۔ جب فاقہ کرتے ہوئے کئی دن گذر گئے تو جہاز بیچ سمندر کے کھڑا ہو گیا۔ جہاز کا کپتان جو مسلمان تھا۔ اسے خواب میں رسول اللہ صلعم کی زیارت ہوئی۔ حضور نے کپتان سے فرمایا "لوگ بھوکے ہیں اور تم خوب پیٹ بھر کر کھاتے ہو یہ اسی کا وبال ہے"۔ کپتان نے دوسرے دن سب مسافروں کی دعوت کی مگر حضرت ایک گوشے میں بیٹھے اللہ اللہ کرتے رہے۔ دوسری رات کو پھر اسی قسم کی تنبیہہ ہوئی۔ پھر اس نے سب کی دعوت کی لیکن حضرت حسب دستور عبادت

میں مصروف رہے۔ جب تیسری رات کو پھر سرزنش ہوئی تو اس نے دعوت کے دوران میں رجسٹر لیکر سب مسافروں کی حاضری لی۔ تو پتہ چلا کہ ایک مسافر دعوت میں شامل نہیں ہوا۔ کپتان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کھانا پیش کیا۔ معذرت چاہی۔ فوراً جہاز درست ہوگیا۔

علی محمد خاں رسالدار جب لڑائی پر سمندر پار جانے لگا تو حضرت کی جدائی سے بہت دلگیر ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ "علی محمد اگر تم پانی میں ہوگے تو ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔ آگ میں ہوگے تو ہم تمہارے ہمراہ ہوں گے"۔ رسالدار نے عرض کیا "حضور مجھ کو مصر جانے کا حکم ہوا ہے"۔ آپ نے فرمایا "سنا ہے مصر کے چاقو اچھے ہوتے ہیں"۔ پھر تھوڑی دیر خاموش ہوکر فرمانے لگے "کیوں علی محمد اگر کوئی ہندوستانی افسر کہیں کارنمایاں انجام دے تو ملکہ (وکٹوریہ) اس کی بڑی خاطر کرتی ہوں گی۔ ولایت ایک اچھا شہر ہے۔ اچھا جاؤ خدا حافظ"۔ چنانچہ حضرت کی اس پیشین گوئی کے مطابق مصر میں ہندوستانی فوجیں فتحیاب ہوئیں۔ رسالدار نے بڑے اہم کارنامے انجام دئے جن سے خوش ہوکر حکومت نے اس کو انگلستان بھیجدیا۔ جہاں ملکہ نے رسالدار کی بے حد عزّت افزائی کی"۔ رسالدار جب خوش خوش وطن واپس آیا تو حضرت کی خدمت میں مصر کے بہت سے چاقو پیش کئے۔

حضرت کا وصال

حضرت کی صحت تو پہلے ہی گر چکی تھی لیکن آخر وقت میں آپ پر نزلہ اور بخار کا ایسا شدید حملہ ہوا کہ آپ اس حملہ سے جانبر نہ ہو سکے۔ تقریباً دس روز حضرت علیل رہے۔ انتقال سے ایک روز قبل آپ نے ایک مرید سے فرمایا کہ "ہم کل صبح چار بجے چلیں گے"۔ آپ کے اس ارشاد کے بعد آپ کے معتقدین نے سمجھ لیا تھا کہ یہ سفر آخرت کی اطلاع ہے۔ چنانچہ حسب الارشاد دوسرے روز بتاریخ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۴ء) چار بجکر ۱۵ منٹ پر آپ نے اس دُنیا کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔ اِنّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

اولیائے کرام کے ملفوظات

ملفوظاتِ حضرت خواجہ عثمان ہارونی

حضرت خواجہ خواجگان عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے چند قیمتی اور منتخب ملفوظات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ یہ ملفوظات کتاب انیس الارواح سے ماخوذ ہیں جسے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب فرمایا تھا۔ ان ملفوظات میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے بہت بڑا درس پوشیدہ ہے۔

(۱) ایمان کے بارے میں حضرت نے فرمایا کہ "عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان ننگا ہے۔ اُس کا لباس پرہیزگاری ہے۔ اس کا سرمایہ فقر ہے۔ اس کی دوا علم ہے۔ اور اس بات کی شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ ایمان ہے۔"

(۲) نماز کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا "جو شخص نماز ادا نہیں کرتا وہ اس حدیث کی رُو سے من ترك الصلوٰة متعمدًا فقد كفر اے مستوجب القتل عند الشافعی یعنی جس شخص نے ارادتاً نماز ترک کی پس وہ کافر ہوا یعنی امام شافعی کے نزدیک وہ قتل کرنے کے قابل ہے۔"

(۳) عورتوں کی فرماں برداری کے بارے میں ارشاد ہوا کہ "امیر المومنین حضرت علی رضؓ نے فرمایا کہ میں نے جناب سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنا ہے کہ جو عورت اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرتی ہے وہ فاطمۃ الزہرا کے ساتھ بہشت میں داخل ہو گی۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس عورت کو خاوند بستر پر طلب کرے اور وہ (معقول عذر کے بغیر) نہ آئے تو اس کی تمام کی ہوئی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں اور اس کے ذمّہ اس قدر بدیاں ہو جاتی ہیں جتنی کہ جنگل کی ریت

اور اگر وہ عورت مرجائے اور شوہر اس سے راضی نہ ہو۔ تو اس کے لئے دوزخ کے ساتوں دروازے کھل جاتے ہیں۔ اور اگر عورت سے خاوند راضی ہو۔ اور عورت وفات پاجائے تو اس کے لئے بہشت میں ستر درجے قائم ہوتے ہیں۔"

(۴) پھر فرمایا کہ "میں نے تنبیہہ میں لکھا دیکھا ہے کہ جو عورت خاوند سے ترشروئی سے پیش آئے۔ اور اس کی طرف نہ دیکھے تو اس کے اعمالنامے میں آسمان کے ستاروں کی برابر گناہ لکھے جاتے ہیں۔"

(۵) عورتوں کی فرمانبرداری کے بارے میں مزید فرمایا کہ "اگر خاوند کی ناک کے ایک نتھنے سے خون اور دوسرے سے پیپ جاری ہو اور عورت اسے زبان سے صاف کرے تو بھی خاوند کا حق ادا نہیں ہوتا۔ پس اے درویش اگر خدا کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلعم حکم فرماتے کہ عورتیں اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں۔"

(۶) صدقہ دینے کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "خواجہ یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوے میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ سب عملوں سے اچھا عمل کونسا ہے۔ تو آنحضرت نے فرمایا کہ صدقہ دینا۔ یہ دوزخ کی آگ کے لئے پردہ ہوجاتا ہے۔ ایک دفعہ پھر آنحضرت سے پوچھا گیا کہ صدقے کے بعد دوسرے درجہ پر کونسا نیک عمل ہے تو آپ نے فرمایا کہ قرآن کا پڑھنا۔"

(۷) صدقہ کی فضیلت پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے پھر فرمایا کہ "عبداللہ مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ میں نے ستر سال تک اپنے نفس کے ساتھ مجاہدہ کیا اور بے حد مصیبتیں اٹھائیں۔ پھر بھی بارگاہ الٰہی کا دروازہ نہیں کھلا لیکن جوں ہی میں نے جو مال کہ میری ملکیت میں تھا راہ خدا میں صرف کیا۔ تو دوست یعنی خدا میرا بنگیا۔

اور جو دوست کی ملکیت تھی وہ سب میری ملکیت ہو گئی۔

(۸) آپ نے فرمایا کہ "ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ نے آثار اولیا میں لکھا ہے کہ ایک درم صدقہ دینا ایک سال کی ایسی عبادت سے بہتر ہے جس میں دن کو روزہ رکھا جائے اور رات کو کھڑے ہو کر عبادت کی جائے۔

(۹) آپ فرماتے ہیں کہ "آثار اولیا میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ صدقہ نوری ہے اور حوروں کی خوبصورتی کا باعث اور صدقہ ہزار رکعت نماز سے بہتر ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو صدقہ دینے والوں کا گروہ عرش کے نیچے مقام پائے گا جن لوگوں نے موت سے پہلے صدقہ دیا ہے موت کے بعد وہ ان کے لئے گنبد بنے گا"

(۱۰) شراب کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص پر لعنت کی ہے جو شراب پیئے یا بیچے یا اس کی قیمت میں سے کچھ کھائے۔ پھر خواجہ صاحب آنسو بھر لائے اور فرمایا کہ شریعت میں تو صرف شراب ہی حرام ہے، ورنہ طریقت میں تو ندی کا وہ پانی بھی جس کے پینے سے خدا کی بندگی سے سستی ہو بمنزلہ شراب کے ہے۔"

(۱۱) نفس کشی کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت میں نے نفس کو نماز کے لئے طلب کیا تو اس نے موافقت نہ کی اور نماز قضا ہو گئی۔ اس کا باعث یہ تھا کہ میں نے مقررہ مقدار سے کچھ زیادہ کھانا کھا لیا تھا۔ جب دن چڑھا تو میں نے دل میں ٹھان لی کہ سال بھر تک میں نفس کو پانی نہیں دوں گا۔"

(۱۲) مومن کو تکلیف دینے کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے مومن کو ستایا سمجھو کہ اس نے مجھے ناراض کیا۔ اور جس نے مجھے ناراض کیا اس نے خداوند تعالیٰ کو

ناراض کیا"

(۱۳) مومن کو گالی دینے کے بارے میں فرمایا کہ "جو شخص مومن کو گالی دیتا ہے وہ گویا اپنی ماں اور بیٹی کے ساتھ زنا کرتا ہے۔ گالی دینا ایسا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی لڑائی میں فرعون کی مدد کرنا۔ پھر فرمایا کہ جو شخص مومن کو گالی دیتا ہے اس کی دعا چند روز تک قبول نہیں ہوتی اور اگر بغیر توبہ کئے مر جاتا ہے تو گنہگار ٹھہرتا ہے"

(۱۴) کھانا کھانے کے بارے میں آپ نے فرمایا "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دسترخوان کا رنگ سرخ تھا جو آسمان سے اترتا تھا اور اس میں سات روٹیاں اور پانچ سیر نمک ہوتا تھا۔ پس جو شخص دسترخوان پر روٹی نمک کے ساتھ کھائے۔ ہر لقمہ کے ساتھ سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ اور سو درجے بہشت میں زیادہ ہو جاتے ہیں اور وہ بہشت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ داخل ہوگا۔ اور جو شخص سرخ دسترخوان پر نمک کے ساتھ روٹی کھاتا ہے۔ اسے بہشت میں ایک شہر ملتا ہے۔ اور جب روٹی کھانے سے فارغ ہوتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے"

(۱۵) روزی کمانے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے اٹھ کر پوچھا یا رسول اللہ میرے پیشہ کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے آنحضرت نے فرمایا کہ تیرا پیشہ کیا ہے اس نے عرض کی کہ درزی کا پیشہ۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تو راستی سے یہ کام کرے تو بہت اچھا ہے قیامت کے دن تو ادریس علیہ السلام کے ساتھ بہشت میں جائے گا۔ پھر ایک اور آدمی نے اٹھ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے پیشہ کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں۔ آنحضرت نے پوچھا کہ تو کیا کام کرتا ہے اس نے عرض کی کہ کھیتی باڑی آنحضرت نے فرمایا یہ بہت اچھا کام ہے۔ اس واسطے کہ یہ کام حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا۔

یہ مبارک اور مفید کام ہے۔ خداوند تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا سے تجھے برکت دے گا۔ اور قیامت کے دن بہشت میں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک ہو گا۔ پھر ایک اور آدمی نے اُٹھ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کی رائے میں میرا پیشہ کیسا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا تو کیا کام کرتا ہے اس نے عرض کی کہ میرا کام تعلیم ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے کام کو خداوند تعالیٰ بہت ہی اچھا جانتا ہے۔ اگر تو خلقت کو نصیحت کرے گا تو قیامت کے دن حضرت خضر علیہ السلام کا سا ثواب تجھے ملے گا۔ پھر ایک اور آدمی نے اُٹھ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے پیشہ کی نسبت آپ کا کیا ارشاد ہے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تیرا پیشہ کیا ہے۔ اُس نے عرض کی سوداگری۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اگر تو راستی سے یہ کام کرے گا تو بہشت میں پیغمبروں کا ہمراہی ہو گا"۔

(۱۶) روزی کمانے کے بارے میں آپ نے مزید فرمایا کہ "روزی کمانے والا خدا کا دوست ہوتا ہے لیکن اسے چاہیے کہ نماز ہر وقت ادا کرے اور شریعت کی حد سے قدم باہر نہ رکھے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ ایسا روزی کمانے والا خدا کا پیارا ہے اور خدا کا صدیق ہے"۔

(۱۷) مصیبت کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "مشائخ کا کہنا ہے کہ مصیبت میں آہ وزاری کرنا کفر ہے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے اس کا نام منافقوں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے۔ اور ایسے شخص پر خدا کی لعنت ہوتی ہے جو مصیبت کے وقت شور کرتا ہے"۔

(۱۸) آپ نے پھر فرمایا کہ "مشائخ نے کہا ہے کہ جو شخص مصیبت کے وقت گریہ زاری کرتا ہے اور داویلا مچاتا ہے۔ چالیس سال کے گناہ اس کے ذمہ میں لکھے جاتے ہیں اور اس کی سو سال کی عبادت ضبط کر لی جاتی ہے۔ اگر ایسی حالت میں توبہ کئے

بغیر وہ مر جائے تو دوزخ میں شیطان کے ہمراہ ہوگا۔"

(۱۹) مصیبت کے بارے میں آپ نے مزید فرمایا کہ "جو شخص مصیبت کے وقت سیاہ لباس پہنے اس کے لئے دوزخ میں ستر گھر تیار رہتے ہیں۔ اور اس کی کسی قسم کی عبادت قبول نہیں کی جاتی مصیبت کے وقت سیاہ لباس پہننا ایسا ہے گویا اس نے ستر مومنوں کو جان سے مار ڈالا۔ ہزار بدیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ جب تک وہ سیاہ لباس پہنے رہتا ہے آسمان اور زمین کے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔"

(۲۰) پانی پلانے کے بارے میں آپ نے فرمایا "جس وقت کوئی آدمی کسی پیاسے کو پانی پلاتا ہے۔ اسی گھڑی اس کے تمام گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا ابھی ماں کے شکم سے پیدا ہوا ہے۔ ایسا شخص بغیر حساب کے بہشت میں جائے گا اور اگر اسی روز فوت ہو جائے تو اسے شہید کا درجہ حاصل ہوگا۔"

(۲۱) بھوکے کو کھانا کھلانے کے بارے میں فرمایا "جو شخص کسی بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کی ایک ہزار حاجتوں کو پورا کرتا ہے۔ اور دوزخ کی آگ سے اسے آزاد کر دیتا ہے۔ اور بہشت میں اس کے لئے ایک محل بنایا جاتا ہے"

(۲۲) لڑکیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "لڑکیاں خدا کا ہدیہ ہیں۔ جو شخص ان کو خوش رکھتا ہے خدا اور رسول اس سے خوش ہوتے ہیں جس شخص کو خداوند تعالےٰ لڑکیاں عنایت کرے اس سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور جو شخص لڑکیوں کے پیدا ہونے پر خوشی کرے تو اس خوشی کی خانہ کعبہ کی ستر دفعہ زیارت کرنے سے بھی زیادہ فضیلت ہے۔ جو والدین اپنی لڑکیوں پر رحم کرتے ہیں خدا ان پر رحم کرتا ہے۔"

(۲۳) سلام کرنے کے بارے میں فرمایا کہ "میں نے خواجہ یوسف حسن چشتی کی زبانی سنا ہے کہ جب کوئی شخص سلام کرتا ہے تو اسے ہزار نیکیاں ملتی ہیں۔ اور اس

کی ہزار حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ اور گناہوں سے ایسا پاک ہوجاتا ہے گویا کہ ماں کے شکم سے ابھی پیدا ہوا ہے۔ اس کے ایک سال کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ ایک سال کی عبادت اس کے اعمال نامے میں درج کی جاتی ہے اور سو حج اور عمرہ اس کے نام لکھے جاتے ہیں۔"

(۲۴) نماز کے کفارہ کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلعم سے روایت فرمائی ہے کہ جس شخص کی نمازیں قضا ہوگئی ہوں اور اسے معلوم نہ ہو کہ کتنی ہیں وہ پیر کی رات کو پچاس رکعت نماز ادا کرے اور ہر رکعت میں ایک دفعہ سورہ فاتحہ اور ایک دفعہ سورۂ اخلاص پڑھے تو خداوند تعالیٰ اس کی گذشتہ نمازوں کا کفارہ کر دیتا ہے۔ خواہ اس نے سو سال بھی نماز ادا نہ کی ہو۔"

(۲۵) سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کے بارے میں فرمایا کہ "خواجہ یوسف حسن چشتی رحمتہ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث میں ہے کہ جو شخص سوتے وقت سورہ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھتا ہے وہ قیامت کے دن امینوں میں سے ہوگا۔ اور پیغمبروں کے بعد سب سے پہلے وہ بہشت میں جائے گا اور بہشت میں جاتے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزدیک ہوگا۔"

(۲۶) دنیا اور دنیا کی دولت کے بارے میں فرمایا کہ "مرد مومن کو چاہیے کہ اس دنیا کی جانب رخ نہ کرے اور نزدیک نہ بھٹکے۔ اور جو کچھ ملے اسے خدا کی راہ میں خرچ کر دے۔ مال و دولت ہرگز جمع نہ کرے۔"

(۲۷) آپ نے ارشاد فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ قسم کے لوگوں سے راضی نہیں ہیں۔ اول وہ لوگ جو جمعہ کی نماز قضا کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو آزاد کئے ہوئے غلام کو بیچتے ہیں۔ تیسرے وہ جو اپنے ہمسایہ کو ستاتے ہیں۔ چوتھے

وہ جو کسی سے ناحق کوئی چیز چھین لیتے ہیں اور پانچویں وہ جو اپنے اہل و عیال پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں۔"

(۲۸) تلاوت قرآن مجید کے بارے میں فرمایا کہ"قرآن شریف کو بار بار پڑھنا چاہیئے کہ یہ بھی گناہوں کا کفارہ ہے اور دوزخ کی آگ کے لئے بمنزلہ پردہ کے ہے۔ جو شخص قرآن پڑھنے میں مشغول ہوتا ہے خداوند تعالیٰ بہشت کے دروازے اس کے لئے کھول دیتا ہے۔ اور ہر حرف کے بدلہ جو وہ پڑھتا ہے خدا ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت تک تسبیح پڑھتا رہتا ہے۔ کوئی شخص خدا سے اس قدر نزدیک نہیں جس قدر وہ شخص ہے جو علم سیکھے اور قرآن پاک کی بار بار تلاوت کرے۔"

(۲۹) مومن کی صفات کے بارے میں فرمایا کہ"مومن وہ شخص ہے جو تین چیزوں کو دوست رکھے۔ اوّل موت کو۔ دوم درویش کو۔ سوم فاقہ کو۔ پس جو شخص ان تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے فرشتے اسے دوست رکھتے ہیں۔ اور اس کی جگہ بہشت ہوتی ہے۔"

(۳۰) آپ نے ارشاد فرمایا کہ"میں نے خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سُنا ہے کہ خداوند تعالیٰ تین گروہوں کی طرف نظر رحمت سے دیکھتا ہے۔ اور ان گروہوں کے لوگ عرش کے نیچے ہوں گے۔ اوّل وہ جو ہمیشہ ہمت کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو ہمسایوں اور عورتوں کو خوش رکھتے ہیں اور تیسرے وہ جو درویشوں اور عاجزوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔"

(۳۱) حاجت روائی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ"اس مومن سے خداوند تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ جو مومن کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ بہشت میں اس کا مقام ہوتا ہے۔" پھر فرمایا کہ"جو شخص مومن کی عزت کرتا ہے اس کی جگہ بہشت

میں ہوتی ہے۔ اور خداوند تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے"۔

(۳۲) آپ نے فرمایا کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اپنے بھائی مومن کی حاجت کو پورا کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ اس کی دُنیا اور آخرت کی حاجتوں کو پُورا کرتا ہے۔ وہ قیامت کے دن بہشت میں جائے گا اور حضرت آدم علیہ السلام کی ہمسائیگی اسے حاصل ہو گی"۔

(۳۳) علم کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ" علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خاص خدا کے لئے علم حاصل کرنا اور دوسرا عام علم۔ جو شخص علم کا ایک کلمہ سنتا ہے وہ ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ جو شخص ایسی جگہ بیٹھتا ہے جہاں علم کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اسے غلام کے آزاد کرنے کی برابر ثواب ملتا ہے"۔

(۳۴) مسجد میں چراغ بھیجنے کی بابت فرمایا کہ" امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایک رات مسجد میں چراغ بھیجتا ہے۔ اس کے ایک سال کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں۔ اور ایک سال کی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ بہشت میں اس کے لئے ایک شہر بنایا جاتا ہے۔ اور جو شخص ایک مہینہ تک لگاتار مسجد میں چراغ بھیجتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کے ہفت اندام کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھتا ہے۔ بہشت کے تمام دروازے اس کے لئے کھل جاتے ہیں کہ جس دروازہ سے چاہے بہشت میں داخل ہو۔ ایسا شخص دنیا سے رحلت کرنے سے قبل ہی اپنی جگہ بہشت میں دیکھ لیتا ہے۔ اور بہشت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق ہوتا ہے"۔

(۳۵) آپ نے فرمایا کہ" جو شخص شلوار کے پائیچے کو اس قدر دراز کرتا ہے کہ وہ پاؤں کے نیچے تک لٹکے تو ہر قدم پر زمین اور آسمان کے فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور اس کے بدن کے ہر بال کے بدلے دوزخ میں اس

کے لئے ایک مکان تیار ہوتا ہے۔ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو لمبا تہہ بند باندھتا ہے وہ منافق ہوتا ہے۔ اور جو آستین دراز کرتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے۔"

(۳۶) آخری زمانہ کی بابت فرمایا کہ "آخری زمانہ میں امیر لوگ زبردست ہو جائیں گے اور عالم لوگ عاجز۔ اس زمانہ میں خداوند تعالیٰ خلقت پر سے اپنی برکت اُٹھا لیگا۔ شہر ویران ہو جائیں گے۔ اور دین میں فساد واقع ہو گا۔"

(۳۷) توبہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "قرآن شریف میں حکم الٰہی یوں ہے۔ یا ایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا۔ یعنی اے ایمان لانے والو توبہ کرو اور خدا کی طرف واپس آؤ کہ خداوند تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا ہے پھر فرمایا کہ مرنے سے پہلے توبہ کر لو۔ بعد میں افسوس کرنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔" آپ نے توبہ کے بارے میں مزید فرمایا کہ "توبہ دو قسم کی ہے ایک تو وہ کہ اس کے بعد پھر انسان گناہ کے نزدیک نہ پھٹکے اور دوسری توبہ یہ ہے کہ دن رات توبہ کرے اور اسے توڑ ڈالے ایسی توبہ اچھی نہیں ہے۔"

ملفوظات حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیریؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم اور جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور تالیف "دلیل العارفین" میں حضرت کے ملفوظات درج فرمائے ہیں۔ ذیل میں یہ قیمتی ملفوظات اس مستند کتب سے منتخب کر کے پیش کیے جاتے ہیں:۔

(۱) حضرت خواجہ غریب نواز نے باطہارت رہنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "عارفوں کی شرح میں آیا ہے کہ جب آدمی رات کو باطہارت سوتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے ہمراہ رہیں۔ وہ صبح تک اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کرتے رہتے ہیں کہ پروردگار اس بندے کو بخش دے کیونکہ یہ باطہارت سویا ہے۔"

(۲) نماز کے بارے میں فرمایا کہ "میں نے خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سُنا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب انبیاء۔ اولیاء۔ اور ہر مسلمان سے پوچھیں گے جو اس حساب میں پورا نہیں اُترے گا۔ وہ عذاب دوزخ میں مبتلا ہوگا۔"

(۳) نماز کو وقت پر ادا نہ کرنے کے بارے میں فرمایا کہ "میں نے شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ امام زاہد کی تفسیر میں لکھا ہے:۔ فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتہم ساھون یعنی ویل دوزخ میں ایک کنواں ہے بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کی ایک وادی ہے جس میں سخت سے سخت عذاب ان لوگوں پر ہوگا جو نماز کو وقت پر ادا نہیں کرتے" یعنی نماز قضا کرتے ہیں۔

(۴) ہنسی اور کھیل کود سے پرہیز کے بارے میں فرمایا کہ "ایک مرتبہ حضرت

رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ آدمیوں کو دیکھا جو ہنسی اور کھیل کود میں مشغول تھے۔ آنحضرتؐ نے ٹھہر کر سلام کیا تو سب غلاموں کی طرح دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ آنحضرت نے ان سے پوچھا کہ بھائیو کیا تم موت سے بے کھٹکے ہو؟ سب نے ایک زبان ہو کر عرض کی کہ نہیں۔ پوچھا اعمال کی باز پرس سے بچ گئے ہو؟ عرض کی نہیں۔ پوچھا۔ پل صراط سے گذر گئے ہو؟ عرض کی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر کیوں ہنسی اور کھیل کود میں مشغول ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت نے ان پر ایسا اثر کیا کہ بعد ازاں کسی نے ان کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا"۔

(۵) ورد اور تسبیح کے بارے میں فرمایا کہ "جو شخص کوئی ورد مقرر کرے اسے روزانہ پڑھنا چاہئے۔ دن کو اگر نہ پڑھ سکے تو رات کو پڑھے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ ورد کا ترک کرنے والا لعنتی ہے"۔

(۶) پھر فرمایا کہ "ایک مرتبہ مولانا رضی الدین رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے پر سے گر پڑے جس سے پاؤں میں سخت چوٹ آئی۔ جب گھر آئے تو سوچا کہ یہ بلا مجھ پر کیوں نازل ہوئی۔ یاد آیا کہ صبح کی نماز کے فرضوں کے بعد سورۂ یٰسین پڑھا کرتا تھا وہ آج نہیں پڑھی تھی"۔

(۷) پاکی اور ناپاکی کے بارے میں فرمایا کہ "فتاویٰ ظہیریہ میں میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جنب کی حالت میں بھی آدمی کا منہ پاک رہتا ہے۔ جو کچھ کھائے یا پانی وغیرہ پیئے وہ ناپاک نہیں ہوتا خواہ وہ بے طہارت ہے یا جنبی ہے۔ یا حائض مومن ہو خواہ کافر اس کا منہ پاک ہے"۔

(۸) نماز کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "نماز ایک امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کی سپرد کی ہے۔ پس بندوں پر واجب ہے کہ اس امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں"۔

(۹) پھر خواجہ صاحب نے فرمایا کہ "نماز دین کا رکن ہے اور رکن ستون ہے۔ پس جب ستون قائم ہوگا۔ تو گھر بھی قائم ہوگا۔ جب ستون نکل جائے گا تو چھت فوراً گر پڑیگی چونکہ اسلام میں دین کے لئے نماز بمنزلہ ستون کے ہے اس لئے جب نماز کے اندر فرض سنت۔ رکوع اور سجود میں فرق آئے گا تو اسلام اور دین وغیرہ خراب ہو جائیں گے"۔

(۱۰) نماز کے بارے میں مزید فرمایا کہ "پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کی نماز نہیں اس کا ایمان نہیں"۔

(۱۱) قسم کھانے کے بارے میں فرمایا کہ "ایک بزرگ خواجہ محمد اسلم طوسی نے ایک مرتبہ سچی قسم کھائی اُس وقت وہ حالتِ سُکر میں تھے۔ جب ہوش آیا تو پوچھا کہ کیا آج میں نے قسم کھائی ہے۔ لوگوں نے کہا ہاں تو فرمایا کہ چونکہ آج سچی قسم کھانے پر میرے نفس نے جرأت کی ہے کل جھوٹی قسم کی جرأت کرے گا۔ اس لئے بہتر ہے کہ جب تک زندہ رہوں بات ہی نہ کروں۔ اس کے بعد چالیس سال تک زندہ رہے لیکن کسی سے کلام نہ کیا۔ یہ اس سچی قسم کا کفارہ تھا جو انھوں نے ایک مرتبہ کھائی تھی"۔

(۱۲) آداب قبرستان کے بارے میں فرمایا کہ "قبرستان میں عمداً کھانا کھانا یا پانی پینا کبیرہ گناہ ہے۔ جو عمداً کھائے وہ ملعون اور منافق ہے کیونکہ قبرستان عبرت کا مقام ہے نہ کہ حرص و ہوا کا"۔

(۱۳) پھر آپ نے آداب قبرستان کے بارے میں یہ حکایت فرمائی کہ "ایک مرتبہ خواجہ حسن بصری کا گذر قبرستان کی طرف ہوا۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ مسلمان قبرستان میں بیٹھے کھاپی رہے ہیں۔ آپ نے پاس جاکر پوچھا کہ بھائیو تم منافق ہو یا مسلمان۔ ان کو یہ بات بُری معلوم ہوئی تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں

نے اس واسطے یہ پوچھا ہے کیونکہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو قبرستان میں کھائے پئے وہ منافق ہے۔ اس لئے کہ یہ عبرت کا مقام ہے۔ یہاں تم جیسے اور تم سے بہتر خاک میں غافل پڑے ہیں۔ جو چیونٹیوں اور سانپوں کے بس میں ہیں اور قید میں گرفتار ہیں۔ ان کا گوشت و پوست گل سڑ گیا ہے۔ اور ان کا جمال خاک میں مل گیا ہے۔ تم نے اپنے ہاتھوں ان عزیزوں کو خاک میں دفن کیا ہے۔ پھر تمہارا دل کس طرح چاہتا ہے کہ یہاں بیٹھ کر کھانا کھاؤ اور لہو و لعب میں مشغول ہو۔ خواجہ صاحب کی یہ گفتگو سنکر سب نے توبہ کی۔"

(۱۴) والدین کی اطاعت کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "حدیث میں ہے کہ جو فرزند محبت اور احترام کی غرض سے والدین کا چہرہ دیکھتا ہے اس کے نامۂ اعمال میں ایک حج کا ثواب لکھا جاتا ہے بعد ازاں فرمایا کہ ایک فاسق و بدکار نوجوان فوت ہوا تو کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ حاجیوں کے ساتھ بہشت میں ٹہل رہا ہے۔ اسے تعجب ہوا سبب دریافت کیا کہا میری بڑھیا ماں تھی جب میں گھر سے نکلتا اس کے قدموں پر سر رکھ دیتا ماں دعا دیتی کہ اللہ تعالیٰ تجھے بخشے اور حج کا ثواب تجھے نصیب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور مجھے بخشدیا۔ اب میں حاجیوں کے ساتھ بہشت میں ٹہل رہا ہوں۔"

(۱۵) قرآن مجید کے بارے میں حضرت خواجہ غریب نواز نے فرمایا کہ "شرح اولیا میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص کلام اللہ کی طرف دیکھتا ہے یا پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے دو ثواب دو ایک قرآن شریف پڑھنے کا اور دوسرا قرآن شریف دیکھنے کا۔ اور ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں عطا ہوتی ہیں۔" بعد ازاں زبان مبارک سے فرمایا کہ "جو شخص قرآن شریف کو دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی بینائی زیادہ ہو جاتی ہے۔ اور اس کی آنکھ کبھی نہیں دکھتی۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ جا نماز پر بیٹھے تھے۔ سامنے قرآن شریف رکھا ہوا تھا کہ ایک نابینا نے آکر

التماس کی کہ میں نے بہت سے علاج کئے مگر آرام نہیں ہوا۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں میں آپ سے دُعا کے لئے ملتجی ہوں۔ اس بزرگ نے قبلہ رُو ہو کر فاتحہ پڑھی اور قرآن شریف اُٹھا کر اس کی دونوں آنکھوں پر ملا جس سے اس کی آنکھیں چراغ کی طرح روشن ہو گئیں۔"

(۱۶) قرآن مجید کے احترام کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ میں نے جامع الحکایات میں لکھا دیکھا ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک فاسق جوان تھا جس کی بدکاری سے مسلمان متنفر تھے۔ اسے بہت منع کرتے تھے مگر وہ سیاہکاری سے باز نہ آتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو اسے خواب میں دیکھا کہ سر پر تاج رکھے اور خرقہ پہنے فرشتوں کے ہمراہ بہشت میں جا رہا ہے۔ اس سے پوچھا کہ تو تو بدکار تھا تجھے یہ درجہ کیسے میسر آیا۔ جواب دیا کہ مجھ سے صرف یہ نیکی ہوئی ہے کہ جہاں کہیں قرآنِ مجید نظر پڑ جاتا تھا اسے کھڑے ہو کر بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے احترام قرآن مجید کی بدولت مجھے بخش دیا اور یہ درجہ عنایت فرمایا۔"

(۱۷) علمائے اسلام کی خدمت کرنے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص علما کے پاس آمد و رفت رکھتا ہے اور سات دن ان کی خدمت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے۔ اور سات ہزار سال کی نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیتا ہے۔ ایسی نیکی کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑے ہو کر عبادت کرے۔"

(۱۸) خانہ کعبہ کی زیارت کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت کرے گا۔ اس کی زیارت کی بدولت ہزار سال کی عبادت اور حج کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اور اولیا کا درجہ اسے نصیب ہو گا۔"

(۱۹) آپ نے اچھی اور بُری صحبت کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "حدیث شریف میں آیا ہے کہ صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اگر کوئی بُرا شخص نیکوں کی صحبت اختیار کرے تو امید ہے کہ وہ نیک ہو جائے گا۔ اور اگر نیک شخص بدوں کی صحبت میں بیٹھے تو بد ہو جائے گا کیونکہ جس کسی نے بھی کچھ حاصل کیا ہے وہ صحبت سے حاصل کیا ہے۔"

(۲۰) اہل سلوک اور عارفوں کے بارے میں حضرت خواجہ غریب نواز نے فرمایا کہ "جب تک آدمی راہ سلوک میں دُنیا و مافیہا اور پھر اپنے آپ کو نہ چھوڑ دے وہ اہل سلوک میں داخل ہی نہیں ہو سکتا۔ پس اگر اس کی یہ حالت نہ ہو تو سمجھ لو کہ جھوٹا ہے۔"

(۲۱) آپ نے فرمایا کہ "چار چیزیں نہایت ہی نفیس گوہر ہیں۔ اوّل وہ درویش جو اپنے تئیں دولتمند ظاہر کرے۔ دوسرے وہ بھوکا جو اپنے آپ کو پیٹ بھرا ظاہر کرے۔ تیسرے وہ غمزدہ جو اپنے آپ کو خوش ظاہر کرے۔ چوتھے وہ شخص جسے دشمن بھی دوست دکھائی دے۔"

ملفوظات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات فوائد السالکین سے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ ان نادر ملفوظات کو حضرت کے خلیفہ اعظم حضرت بابا فرید مسعود گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ نے سپرد قلم فرمایا ہے۔

(۱) قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے ارشاد فرمایا کہ "اہل سلوک اپنی خصلتوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انسان کا کمال ان چار چیزوں پر موقوف ہے۔ کم کھائے۔ کم سوئے۔ کم بولے۔ اور خلقت سے کم میل جول رکھے۔"

(۲) پھر فرمایا کہ "اگر درویش خلقت کو دکھانے کے لئے عمدہ لباس پہنے تو سمجھ لو کہ وہ درویش نہیں بلکہ راہ سلوک کا راہزن ہے۔ اور جو درویش نفس کی خواہش کے مطابق عمدہ کھانا پیٹ بھر کر کھائے تو یقین جانو کہ وہ بھی راہ سلوک میں دروغ گو اور جھوٹا ہے۔ اور جو درویش کہ دولتمندوں کی ہم نشینی کرے اسے درویش نہ خیال کرو بلکہ طریقت کا مرتد ہے۔ اور جو درویش نفسانی خواہش کے مطابق خوب دل کھول کر سوتا ہے یقین جانو کہ اس میں کوئی صفت نہیں۔"

(۳) آپ نے فرمایا کہ "جب لطف الٰہی کی نسیم چلتی ہے تو لاکھوں شرابیوں کو صاحب سجادہ بنا دیتی ہے اور بخش دیتی ہے اور خدا نہ کرے جب قہر الٰہی کی ہوا چلتی ہے تو لاکھوں سجادہ نشینوں کو راندہ درگاہ بنا دیتی ہے اور سب کو شراب خانوں میں دھکیل دیتی ہے۔ پس اے بھائی اس راہ میں بے فکر نہیں رہنا چاہیے۔"

(۴) صبر اور ضبط کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کے گلے پر چھری پھری تو آپ نے چاہا کہ فریاد کریں حکم ہوا اے

یحییٰ اگر تو نے دم مارا تو یاد رکھ کہ تیرا نام اپنے محبوں کی فہرست سے کاٹ ڈالونگا
اسی طرح جب زکریا علیہ السلام کے سر پہ آرا چلنے لگا تو انھوں نے چاہا کہ فریاد
کریں لیکن جبرئیل علیہ السلام نے نازل ہو کر کہا کہ "بارگاہِ الٰہی سے یہ حکم ہے
کہ اگر تو نے دم مارا تو تیرا نام پیغمبروں کے دفتر سے مٹا دیا جائے گا"۔ یہ فرمانے
کے بعد خواجہ قطب الاسلام آبدیدہ ہو گئے اور کہا کہ "جو شخص خدا کی محبت کا دعویٰ
کرے اور مصیبت کے وقت فریاد کرے وہ درحقیقت سچا دوست نہیں ہوتا
بلکہ جھوٹا ہے"۔

(۵) پھر آپ نے فرمایا کہ "حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہا کا یہ دستور
تھا کہ جب کبھی آپ پر بلا نازل ہوتی تو آپ خوشی مناتیں اور کہتیں کہ آج اس
بڑھیا کو دوست نے یاد کیا ہے۔ اور جس روز مصیبت نازل نہ ہوتی تو آپ رو کر کہتیں آج
کیا ہو گیا اور مجھ سے کونسی خطا سرزد ہوئی کہ دوست نے اس بڑھیا کو یاد نہیں کیا"۔

(۶) قرآن شریف کے پڑھنے اور اس کے یاد کرنے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "ابتدا
میں مجھے قرآن شریف یاد نہیں تھا اس لئے طبیعت پریشان سی رہا کرتی تھی۔
ایک رات میں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا تو
میں نے اپنی آنکھوں کو آنحضرت کے قدم مبارک پر ملا۔ اور زار زار روتے ہوئے عرض
کی کہ میری ایک التماس ہے۔ آپ نے فرمایا ہمیں معلوم ہے اور حکم دیا کہ سر اٹھا۔
میں نے سر اٹھایا۔ آپ نے فرمایا کہ سورہ یوسف کو ہمیشہ پڑھا کر تاکہ تجھے قرآن شریف
حفظ ہو جائے اس کے بعد میں ہمیشہ سورہ یوسف پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ جلد ہی
مجھے قرآن شریف حفظ ہو گیا"۔

(۷) دنیا کی فتنہ پردازی کی بابت ارشاد فرمایا کہ "جب دنیا میں دنیا کی محبت
رکھی گئی تو تمام فرشتے روئے لیکن ابلیس لعین خوش ہوا۔ اور کہا کہ آدم کے فرزندوں

میں فساد کی بُنیاد ڈال دی گئی۔ کیونکہ اس مُردار دُنیا کی خاطر بھائی بھائی کو ہلاک کرے گا رشتہ دار ایک دوسرے سے قطع تعلق کریں گے۔ شہر خراب اور برباد ہو جائیں گے۔ اور آدمی ایک دوسرے سے عداوت رکھیں گے اور ہلاک ہو جائینگے مگر دُنیا جوں کی توں برقرار رہے گی۔ چنانچہ دنیا کی محبت کو لعنتی شیطان نے جب بڑی تعظیم اور تکریم کے ساتھ سر آنکھوں پر رکھا تو ارشاد باری ہوا کہ اے عزازیل یہ کیا بات ہے کہ تو نے دُنیا کی محبت کو بڑے ادب کے ساتھ سر آنکھوں پر رکھا ہے اس نے کہا اے پروردگار محض اس لئے کہ جو شخص دُنیا کو دوست رکھیگا اور اس میں مشغول رہے گا وہ میرا پیرو ہوگا میں اسے تمام عبادتوں اور نیکیوں سے باز رکھنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور وہ میرا غلام بن جائے گا۔ پھر میں اسے ہلاک کردوں گا۔ اس کا مال دوسرے لوگ کھائیں گے اور وہ دُنیا سے اُٹھ جائیگا

خاموش رہنا بہت
دُشوار ہے اُس کو چھٹی دے
دو ہم اُس کو دیکھتا ہے

ملفوظات حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنجشکرؒ

ذیل میں حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنجشکر رحمتہ اللہ کے وہ ملفوظات درج کئے جاتے ہیں جن کو کتاب راحت القلوب میں حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیا دہلوی نے تحریر فرمایا ہے۔

(۱) عیب پوشی کے لئے ہدایت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ "شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرّہٗ نے چالیس سال تک آنکھیں بند رکھیں۔ جب آپ سے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے آنکھیں اس لئے بند کر لی ہیں تاکہ لوگوں کے عیب نہ دیکھ سکوں اگر اتفاقاً دیکھ لوں تو پردہ پوشی کروں اور کسی سے نہ کہوں۔"

(۲) حبِ دُنیا سے بچنے کے لئے فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دُنیا کی محبت تمام خطاؤں کی جڑ ہے پھر فرمایا اہل معرفت کا قول ہے کہ جس نے دنیا کو چھوڑ دیا وہ بادشاہ بن گیا اور جس نے اسے لے لیا وہ ہلاک ہو گیا۔"

(۳) شب معراج کی بابت فرمایا کہ "رجب کی ستائیسویں رات بڑی بزرگ مرتبہ رات ہے کیونکہ اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج حاصل ہوئی تھی۔ جو شخص اس رات کو جاگتا ہے گویا اس کو بھی معراج کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔"

(۴) مالی نقصان کے بارے میں فرمایا کہ "میں ایک روز بخارا میں شیخ سیف الدین باخرزی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ یا امام میرے پاس مال ہے مگر مدت سے اس میں نقصان ہو رہا ہے اور میں جسمانی تکلیف میں بھی مبتلا ہوں۔ شیخ نے فرمایا کہ اسے

بھائی مومن کے مال میں جب نقصان ہو تو سمجھ لو کہ اس نے زکوٰۃ دینے میں قصور کیا ہے۔ اور بیماری صحت ایمان کی علامت ہے۔"

(۵) ماہ رمضان کے احترام کی بابت فرمایا کہ "جو شخص ماہ رمضان کے آنے سے خوش ہوتا ہے حق تعالیٰ اسے کبھی ناخوش اور غمزدہ نہیں کرتا۔ اور اس کی روزی میں برکت اور نیکی عطا فرماتا ہے اور جو اس کے جاتے وقت رنجیدہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہان کی خوشیاں عنایت کرتا ہے۔"

(۶) رمضان کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ "ماہ رمضان کے روزے رکھنے سے ہزار سال کا ثواب نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور اسی قدر بدیاں دور کی جاتی ہیں۔ نیز فرمایا کہ "شب قدر صرف آخری عشرہ میں پائی جا سکتی ہے۔ اس عشرہ میں ایک شب قدر ہے۔ اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے تاکہ اس رات کی سعادت سے محروم نہ رہ جائے۔"

(۷) علم دین کے حصول کے بارے میں فرمایا کہ "اگر لوگوں کو علم کا درجہ معلوم ہو جائے تو تمام کام چھوڑ کر تحصیل علم میں مشغول ہو جائیں اس واسطے کہ علم ایک ایسا بادل ہے جو باران رحمت ہے۔ پس جو اس بادل کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔"

(۸) دنیا پرست علما کی بابت فرمایا کہ "قیامت کے دن ان علما کے لئے جو کے جھگڑوں میں پھنسے ہوتے تھے اور علم کا کام نہیں کرتے تھے حکم ہو گا کہ ان کے گلوں میں آگ کا طوق پہنا کر دوزخ میں لیجایا جائے۔"

(۹) دو آدمیوں کا ایک ہی کنگھی کرنا جدائی پیدا کر دیتا ہے۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ایک مرتبہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک عورت کے دو بچے پیدا ہوتے جو آپس میں جڑے ہوتے تھے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ان کو علیحدہ کرنے کی تدبیر پوچھی گئی تو آپ سوچ میں پڑ گئے اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام نے پیغام دیا کہ ایک ہی کنگھی دونوں کے لئے استعمال کرنے سے انشاء اللہ جدا ہو جائیں گے۔ آپ نے ہدایت کردی کہ دونو کے سر میں ایک ہی کنگھی کرو۔ چنانچہ چند روز بعد وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔"

(۱۰) قرآن مجید کی تلاوت کے بارے میں فرمایا کہ "کوئی ذکر کلام الٰہی سے بڑھ کر نہیں۔ اسے پڑھنا چاہیے کیونکہ اس کا پھل تمام عبادتوں سے بڑھ کر ہے۔"

(۱۱) حضرت امام ابوحنیفہ کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "حضرت امام ابوحنیفہ جب آخری بار حج کے لئے گئے تو آپ نے ختم قرآن کے بعد دُعا کی کہ پروردگار میں نے جیسا کہ حق ہے تیری عبادت نہیں کی اور نہ ہی جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے تجھے پہچانا میری خدمت کی کمی سے درگذر کر آواز آئی کہ اے ابوحنیفہ واقعی تو نے میری عبادت کی۔ اور مجھے پہچانا۔ میں نے تجھے بخشا اور نیز ان کو بھی بخشا جو قیامت تک تیرے مذہب کے پیرو ہوں گے۔" اس کے بعد شیخ الاسلام نے فرمایا کہ ا۔ "الحمد للہ ہم آپ ہی کے مذہب میں ہیں۔"

(۱۲) تنگی معاش کے علاج کے بارے میں فرمایا کہ "جس کو مفلسی لاحق ہو وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم بکثرت پڑھا کرے۔"

(۱۳) اہلبیت سے محبت کرنے کے بارے میں فرمایا کہ "بغداد میں ایک بزرگ تھا جب اس کے سامنے امیرالمومنین حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کے شہید ہونے کا حال بیان کیا گیا تو اہلبیت کی محبت کے سبب اس قدر سر زمین پر مارا کہ خون جاری ہو گیا اور جان دیدی۔ اسی رات اس بزرگ کو خواب میں دیکھا کہ امیرالمومنین امام حسین رض کے پاس کھڑا ہے۔ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ سے کیسا سلوک کیا۔ کہا مجھے بخشدیا اور حکم دیدیا کہ امیرالمومنین حضرت حسین رضی اللہ عنہ

1080000
9720000
160000

کے پاس جا کر کھڑے ہو"۔

(۱۴) ماہ صفر کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ ہر سال دس لاکھ اسی ہزار بلائیں نازل کرتا ہے جن میں سے صرف اس ایک مہینہ میں نو لاکھ بیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ اس مہینے میں دُعا اور عبادت کرنی چاہیے۔ پھر کوئی بلا پیش نہیں آتی"۔

حضرت بابا فرید کے مندرجہ بالا قیمتی اقوال وہ ہیں جن کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی نے تحریر فرمایا تھا۔ اب ذیل میں وہ ملفوظات پیش کئے جاتے ہیں جن کو کتاب اسرار الاولیا میں حضرت خواجہ بدر الحق رحمتہ اللہ علیہ نے سپرد قلم کیا ہے۔

(۱۵) عشق کے بارے فرمایا کہ "ایک واصل جوانی کے زمانہ میں ایک عورت پر عاشق تھا ایک رات وہ اپنی معشوقہ کے مکان کی دیوار کے پاس کھڑکی کے نیچے آ کر کھڑا ہو گیا معشوقہ بھی کھڑکی میں آ گئی۔ اور دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے۔ رات سے لیکر صبح تک باتیں ہی کرتے رہے۔ جب صبح کی اذان ہوئی تو اُنھوں نے سمجھا کہ شاید عشا کی اذان ہے لیکن بغور دیکھا تو صبح کا وقت تھا۔ اتنے میں غیب سے آواز آئی کہ اے جوان تو نے عورت کے عشق میں شام سے صبح کر دی کبھی یادِ حق کی خاطر بھی ایسا کیا ہے نوجوان کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے توبہ کی اور یادِ حق میں مشغول ہو گیا"۔

(۱۶) رزق کے بارے میں فرمایا کہ "جس طرح موت انسان کو ڈھونڈھتی ہے اور اس کے کندھے پر لکھی ہے۔ اسی طرح رزق بھی لکھا ہوا ہے۔ جہاں کہیں آدمی جاتا ہے وہ انسان کو ڈھونڈھتا ہے اور رزق اس کے ہمراہ رہتا ہے"۔

(۱۷) توبہ کی بابت فرمایا کہ "توبہ دل ہی کی ہوتی ہے۔ زبان سے خواہ لاکھوں مرتبہ توبہ کی جائے۔ جب تک دل سے تصدیق نہ کی جائے کبھی درست

نہیں ہوتی۔ جب زبان سے توبہ کرے تو دل سے بھی اس کی تصدیق کرنی چاہیئے۔

(۱۸) مہمانوں کی تواضع کرنے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ جو شخص آپ کے ہاں بطور مہمان وارد ہوتا۔ خود اس کے ہاتھ دھلاتے اور فرماتے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے پیغمبروں کی سنت ہے۔ امام مالک رحمتہ اللہ علیہ خود مہمانوں کے ہاتھ دھلایا کرتے اور اپنے ہاتھ سے پانی پلایا کرتے۔ پس جہاں تک ہو سکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو تاکہ ان سے شرمندگی نہ ہو۔"

(۱۹) قرآن مجید کی تلاوت کے بارے میں فرمایا کہ "قرآن شریف پڑھنے کے بہت سے فائدے ہیں۔ اول آنکھ کی روشنی بڑھتی ہے۔ اور آنکھ دکھتی نہیں۔ دوسرے ہر حرف کے بدلے ہزار سالہ عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ اور اسی قدر بدیاں اس کے نامۂ اعمال سے کاٹ دی جاتی ہیں۔"

(۲۰) مصافحہ کرنے کے بارے میں فرمایا کہ "جب لوگ نماز سے فارغ ہو کر ایک دوسرے کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہیں اور مصافحہ کر کے ہاتھ ملاتے ہیں تو اُنکے گناہ اس طرح جھڑتے ہیں جیسے موسم خزاں میں درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بزرگوں کے ہاتھ کو بوسہ دینے میں دین و دنیا کی برکت ہے۔"

(۲۱) مصیبت اور تکلیف کے بارے میں فرمایا کہ "جب لوگ مصیبت پر صبر کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔" پھر فرمایا کہ "درد اور تکلیف بڑی اچھی چیز ہے جو انسان کو گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔"

ملفوظات حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہیؒ

حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے قیمتی اقوال حضرت امیر خسروؒ نے کتاب افضل الفوائد میں تحریر فرمائے ہیں۔ ذیل میں حضرت کے اقوال اسی مستند کتاب سے درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) ماہ محرم کی فضیلت کے بارے میں حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا ہے کہ "ماہ محرم سے بڑھکر کوئی مہینہ افضل نہیں رسول خدا صلعم نے حضرت علی رضؓ سے فرمایا کہ اگر فریضہ روزوں کے بعد افضل روزے رکھنا چاہتے ہو تو ماہ محرم میں رکھو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی مہینہ میں حضرت آدم کی توبہ قبول فرمائی تھی جو شخص اس مہینہ میں توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ "راحت الارواح میں لکھا دیکھا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص لگاتار تین روزے بدھ جمعرات اور جمعہ کے رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ اس کے نامۂ اعمال میں نوسو سال کی عبادت کا ثواب لکھو اور اسی قدر بدیاں اس کے نامۂ اعمال سے دور کر دی جاتی ہیں"۔

(۲) عاشورہ کے روزہ کی بابت فرمایا کہ "شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرۂ العزیز کے اوراد میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن روزہ رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ساٹھ سال کی ایسی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے جس میں دن کو روزہ رکھے اور رات کو عبادت کے لئے جاگتا ہے۔ جو شخص عاشورہ کے روز روزہ رکھتا ہے اسے دس ہزار فرشتوں۔ دس ہزار حاجیوں اور دس ہزار شہیدوں کا ثواب عنایت ہوتا ہے"۔ پھر زبان مبارک سے فرمایا کہ "خواجہ ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ دلیل السالکین میں لکھتے ہیں کہ حدیث میں

آیا ہے کہ جو شخص عاشورہ کے روز اپنے اہل وعیال کو معمول سے زیادہ خرچ دیتا ہے اللہ تعالیٰ دوسرے سال تک اس کی روزی فراخ کر دیتا ہے۔"

(۳) شش عید کے روزوں کی بابت آپ نے فرمایا کہ" جو شخص ماہ شوال کے چھ روزے رکھتا ہے اللہ تعالیٰ آٹھوں بہشتوں کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ ہر ایک کے دروازہ پر اس کے لئے ہزار محل یاقوت سرخ کے بناؤ۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اُس خدا کی قسم جس نے مجھے بھیجا ہے کہ جو شخص ماہ شوال میں چھ روزے رکھے گا۔ فرشتہ اسے آسمان سے آواز دے گا کہ اے بندے اللہ تعالیٰ نے تیرے سارے پچھلے گناہ بخشدئے ہیں۔ اب تو کام از سرِ نو شروع کر۔"

(۴) ایام بیض کے روزوں کے بارے میں فرمایا کہ" جب آدم علیہ السلام کو بہشت سے دُنیا میں بھیجا گیا تو آپ کے سارے اعضا سیاہ ہو گئے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی توبہ قبول کی تو حکم دیا کہ ایام بیض یعنی تیرھویں۔ چودھویں اور پندرھویں کو روزہ رکھو۔ پہلا روزہ رکھنے سے جسم کا تیسرا حصہ سفید ہو گیا۔ چودھویں کا روزہ رکھنے سے دوسرا تہائی حصہ بھی سفید ہو گیا اور جب پندرھویں تاریخ کا روزہ رکھا تو سارا جسم سفید ہو گیا۔" بعد ازاں فرمایا کہ" شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے اوراد میں لکھا ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر مہینے میں (تیرھویں۔ چودھویں اور پندرھویں کے) تین روزے رکھتا ہے گویا وہ ساری عمر روزے رکھتا ہے۔ قیامت کے دن اس کی سفارش سے اس کے گھر کے ستر آدمی بخشے جائیں گے اور جب وہ قبر سے اُٹھے گا تو اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہو گا۔"

(۵) شب عید الضحیٰ کی نماز کی فضیلت کے بارے میں فرمایا کہ" پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص عید الضحیٰ کی رات کو دس رکعت نماز اس طرح

ادا کرے کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۂ اخلاص دس مرتبہ پڑھے اور نماز سے فارغ ہو کر سو مرتبہ درود بھیجے اور سو مرتبہ استغفار کرے اور سو مرتبہ کلمہ سبحان اللہ تا آخر پڑھے۔ ایسا شخص اگر میری ساری اُمت کی بخشش کے لئے دُعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ قبول کرے گا۔ اور اس نماز کی برکت سے اسے دیدارِ الٰہی حاصل ہوگا۔"

(۶) شب عید الفطر کی نماز کے بارے میں فرمایا کہ "شیخ سیف الدین باخرزی رحمۃ اللہ علیہ کے اوراد میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص عید الفطر کی رات بارہ رکعت نماز تین سلاموں سے اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں الحمد ایک بار اور سورہ اخلاص پانچ مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے دوسرے سال تک ہر رات اور ہر دن کو ایک سال کی عبادت کا ثواب عطا کریگا اور اگر اسی سال میں فوت ہو جائیگا تو شہیدوں کا درجہ پائے گا اور ہر رکعت کے بدلے اسے توحج اور عمرے کا ثواب ملیگا۔ اس کی دُعا مستجاب ہوگی۔ اس کا دل فارغ ہوگا عذاب قبر سے بے فکر ہو جائے گا۔ اور قیامت کے دن عرش کے نیچے سائے تلے ہوگا اور اسے مع اپنے اہل و عیال کے بہشت میں جانے کا حکم ہوگا۔"

(۷) ماہ شعبان کی فضیلت کے بارے میں فرمایا کہ "جو شخص ماہ شعبان کی پہلی رات کو بارہ رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں الحمد ایک مرتبہ اور قل ہو اللہ احد پندرہ مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے بارہ ہزار غازیوں کا ثواب عطا فرماتا ہے اور گناہوں سے اسے اس طرح پاک کر دیتا ہے گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ اور اگر اس سال کے اندر وہ مرجائے تو شہید کا مرتبہ پاتا ہے۔" پھر آپ نے فرمایا کہ "حسن بصری رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ "جس شخص نے بہت گناہ کئے ہوں

اور ان سے پشیمان ہو کر توبہ کرنی چاہئے تو اسے چاہئے کہ ماہ شعبان میں اتوار کے روز غسل کرے اور جب رات آئے تو عشا کی نماز سے فارغ ہو کر ستر بار استغفار کہے۔ تو اس کی توبہ قبول ہو گی اور اس کے گناہ معاف کر دئے جائیں گے"۔ ماہ شعبان کی پہلی رات کی فضیلت کے بارے میں پھر ارشاد فرمایا کہ "ماہ شعبان کی پہلی کو بندوں کے فعل اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اسی رات بندوں کی روزی تقسیم ہوتی ہے پس انسان کو اس رات غافل نہیں رہنا چاہئے"۔

(۸) بزرگوں کی تعظیم کے بارے میں فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے اس بوڑھے کی تعظیم واجب کی ہے جس کے بال سفید ہو گئے ہوں۔ توریت میں فرمان خداوندی ہے کہ اے موسیٰ بوڑھوں کی عزت کیا کرو۔ اور جب وہ آئیں تو ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جایا کرو۔ جب یہ دیکھو کہ جوان بوڑھوں کے آگے آگے چلتے ہیں یا ان سے پہلے پانی پیتے ہیں تو سمجھ لو کہ خلقت سے راحت دور ہو چکی ہے اور اس شہر میں خیریت نہیں"۔

(۹) حق ہمسائیگی کی بابت فرمایا کہ "ہمسایہ قرض مانگے تو اسے قرض دے اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو پوری کرے۔ اور جب بیمار ہو تو اس کی بیمار پرسی کرے۔ اگر مصیبت میں گرفتار ہو۔ تو اسے تسلی دے۔ اور جب مر جائے تو اس کی نماز جنازہ ادا کرے اور اس کے ہمراہ جائے"۔

(۱۰) پھر آپ نے فرمایا کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے ہمسایہ کو تکلیف نہیں دینی چاہئے۔ کیونکہ ہمسایہ کا حق والدین کا سا ہے"۔

(۱۱) قاضی کے عہدہ کی بابت فرمایا کہ "جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس آئے تو ارشاد فرمایا کہ دوزخ کو جب میرے سامنے کیا گیا

تو میں نے دیکھا کہ آگ کی چکی میں بہت سے سروں کا ڈھیر مع دستاروں کے پیسا جا رہا ہے۔ میں نے پوچھا اے جبرئیل یہ کن لوگوں کے سر ہیں جواب دیا۔ ان قاضیوں کے ہیں جنہوں نے ریا اور رشوت ستانی سے کام لیا۔ پھر سرور کائنات نے یہ حدیث فرمائی جو قاضی بنایا گیا وہ گویا بغیر چھری کے ذبح کیا گیا۔"

(۱۲) رحم و مروت کے بارے میں فرمایا کہ "جب اللہ تعالیٰ نے رحم پیدا کیا تو فرمایا" اے رحم میں رحیم ہوں اسی لئے رحم کو اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ پس جو تجھ سے قطع تعلق کرے گا میں اس سے قطع تعلق کروں گا اور جو تجھ سے تعلق پیدا کریگا میں اس سے تعلق پیدا کروں گا۔"

(۱۳) پھر اعزا اور اقربا کے ساتھ رحم و مروت کے بارے میں فرمایا کہ "میں نے تفسیر کشاف میں لکھا دیکھا ہے کہ جب کوئی شخص اپنوں پر رحم کرتا ہے تو اگر اس کی عمر کے تین سال باقی ہوں تو اللہ تعالیٰ تیس سال اور زیادہ کر دیتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنے اقربا سے قطع تعلق کرتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ لوح محفوظ سے اس کا نام مٹایا جائے اور اس کی عمر کے سال واپس کئے جائیں۔"

(۱۴) بیمار پرسی کے بارے میں فرمایا "میں نے صلوٰۃ مسعودی میں لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص کسی کی بیمار پرسی کے لئے جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال میں ستر ہزار نیکیاں لکھی جائیں اور ستر ہزار بدیاں دور کی جائیں اور ہر قدم کے بدلے ایک سال کی ایسی عبادت کا ثواب لکھا جائے جس میں کہ دن کو روزہ رکھا جاتا ہے اور رات کو کھڑے ہو کر عبادت کی جاتی ہے۔"

(۱۵) بیماری کے لئے صدقہ دینے کی بابت فرمایا کہ "جب بیمار کے پاس جائیں تو اسے صدقہ دینے کی ترغیب دیں اس واسطے کہ ابو ہریرہ رضؓ کے مطابق حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صدقہ دینے سے صاحب صدقہ سے

بلا ٹل جاتی ہے اور ثواب میں بھی کمی نہیں آتی۔ صدقہ سے غضب الٰہی فرو ہو جاتا ہے اور گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔"

(۱۶) لواطت کے بارے میں فرمایا کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر لوطی اپنے آپ کو سات دریاؤں میں بھی دھوئے تو پاک نہیں ہوتا۔"

(۱۷) بہتان لگانے کے بارے میں فرمایا کہ "خواجہ شبلی علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ اپنے یاروں کو نصیحت فرما رہے تھے کہ اے دوستو واضح ہو کر سب سے بڑا گناہ بہتان لگانا ہے اس واسطے کہ خدا نے بہتان کو کفر کی برابر فرمایا ہے۔"

(۱۸) نیک بختی اور بدبختی کے بارے میں فرمایا کہ "جو نیک بخت ہیں وہ ماں کے شکم ہی سے نیک بخت پیدا ہوتے۔ اور جو بدبخت ہیں وہ ہی ماں کے پیٹ ہی سے بدبخت ہوتے ہیں۔"

(۱۹) قرآن کی قسم کھانے والوں کے بارے میں فرمایا کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب سے جس سورۃ کی قسم کھاتا ہے۔ ہر حرف کے بدلے اتنی ہی بدیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔"

(۲۰) عیب جینی کرنے والوں کی بابت فرمایا کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج کی رات دوزخ میں ایسے لوگ بھی میں نے دیکھے جو اپنے ناخنوں سے ہاتھ پاؤں کو چھیل رہے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ کہا یہ عیب جینی کیا کرتے تھے۔"

(۲۱) قومی رہناؤں کی بابت فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آخری زمانہ میں قوم کے سردار ایسے لوگ ہوں گے جنہیں نہ خدا کا ڈر ہو گا اور نہ مجھے یاد کریں گے۔ ہمیشہ مسلمانوں کو ان کی زبان اور ہاتھ سے تکلیف پہنچا کرے گی اور یہ ہمیشہ مسلمانوں کو جانی تکلیف دینے کے درپے رہیں گے۔"

(۲۲) سیاہکاری اور بدکاری کے بارے میں فرمایا کہ "ایک روز ماعز اسلمی صحابی نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ میں نے ایک بڑا گناہ کیا ہے۔ میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں۔ دو تین مرتبہ اس نے ایسا ہی عرض کیا۔ آپ نے حکم دیا کہ گڑھا کھود کر اسے سنگسار کر دو۔ چنانچہ اسے سنگسار کیا گیا اور ایک روایت کے مطابق اسے ہلاک کر دیا گیا۔"

(۲۳) اچھی اور بُری صحبت کے بارے میں فرمایا کہ "نیک لوگوں کی صحبت نیک کام کرنے کی نسبت اچھی ہے اور بروں کی صحبت بُرے کام کرنے سے بدتر ہے۔"

(۲۴) بد دُعا کرنے کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ "جب انسان کو کوئی شخص تکلیف پہنچائے یا کوئی چیز زبردستی چھین لے تو اسے بد دُعا نہیں کرنی چاہئے بلکہ ضبط کرنا چاہیئے تاکہ خود اللہ تعالےٰ اس کا بدلہ لیلے۔"

(۲۵) صبر کے بارے میں فرمایا کہ "تمام چیزوں کی چابی صبر ہے۔ ارادت میں صبر سے کام بنتا ہے۔ جب ارادت درست ہو جاتی ہے تو برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔"

(۲۶) آخری زمانہ کی بابت فرمایا کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "آخری زمانہ میں عورتیں مردوں کے ساتھ شراب پئیں گی۔ اور رسوا ہو کر کوچہ بکوچہ پھریں گی۔ دف بجانے والے بکثرت ہوں گے۔ بے عمل علما زیادہ ہو جائیں گے اور حکمراں کھلم کھلا ظلم کریں گے۔"

(۲۷) آپ نے پھر آخری زمانہ کی علامتوں کے بارے میں فرمایا کہ "رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آخری زمانہ میں عالم تو بہت ہوں گے لیکن برکت کم ہو گی۔ درویشوں کو بیت المال سے کچھ نہیں ملے گا۔ عورتیں گھروں میں سوداگری شروع کر دیں گی۔ مطربوں اور بھانڈوں کو خوب مال دیا جائے گا۔ عورتیں کھلم کھلا

مصیبتیں برپا کریں گی۔ حکمراں ممالک فتح کریں گے اور فساد برپا کریں گے۔ پارساؤں کو تکلیف دیں گے۔ زاہدوں کو مار ڈالیں گے۔ شراب خواروں کو پسند کریں گے۔ اور دُنیا کو ویران کر ڈالیں گے۔ خلق خدا ان کے ہاتھوں قلاش ہو جائے گی۔ خوب شراب پئیں گے۔ بیگانی عورتوں کے ساتھ عیش کریں گے۔ اور لوگوں کی زندگیاں اپنے آدمیوں سے لڑائی جھگڑوں میں گذریں گی"۔

(۲۸) پھر آپ نے فرمایا کہ "آخری زمانہ میں ایسا وقت بھی آئے گا، جبکہ رنڈیاں۔ مطرب۔ بھانڈ اور فساد برپا کرنے والے اہل دُنیا کی نظروں میں عزیز ہوں گے۔ اور عالموں اور قرآن خوانوں کی کچھ قدر و منزلت نہ ہوگی تمام لوگ رنگین کپڑے پہنیں گے اور مرد عورت اکٹھے کھانا کھائیں گے۔ اور لواطت کو پیشہ قرار دیں گے۔ حاکم حکم کو بیچیں گے۔ عدل و انصاف اُٹھ جائیگا سوداگر لین دین میں جھوٹ بولیں گے۔ پانچ درم لیکر جھوٹی گواہی دیں گے پیداوار میں برکت نہیں رہے گی۔ آسمان سے مینہ کم برسیگا۔ اگر برسیگا بھی تو بے وقت جب یہ علامتیں نمودار ہوں تو سمجھ لینا کہ قیامت بالکل نزدیک ہے"۔

(۲۹) اولیا کے ذکر کے بارے میں فرمایا کہ "میں نے شیخ نجم الدین صغریٰ رحمتہ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے سُنا ہے کہ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ذکر الاولیا عبادت یعنی اولیا کا ذکر کرنا بھی عبادت ہے۔ جو اولیا کا ذکر کرتا ہے اس کے نامۂ اعمال میں عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

(۳۰) ہنسی کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ "قہقہہ بھی ایک قسم کا کبیرہ گناہ ہے ایک روز شیخ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رح ایسے آدمیوں کے پاس سے گذرے جو ہنس رہے تھے تو آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ تمہاری ہنسی پر مجھ کو حیرت ہے۔ شاید تم موت سے بے خبر ہو"۔

(۳۱) ماں کی خدمت کے بارے میں فرمایا کہ "ایک دفعہ کسی بزرگ نے حج کی نیت کی۔ جب بغداد پہنچا تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ واپس چلا جا تیرے گھر میں حج ہے یعنی تیری ماں زندہ ہے۔ جا کر اس کی خدمت کر وہ تیرے حق میں حج سے بہتر ہے۔ اس کی خوشنودی حاصل کر۔ وہ بزرگ واپس چلا گیا اور اپنی والدہ کی خدمت میں مصروف ہو گیا۔"

(۳۲) پھر آپ نے فرمایا کہ "اگر کوئی شخص والدین کو گردن پر بٹھا کر ساری عمر حج کراتا رہے تو بھی اس ایک رات کا حق ادا نہیں ہو سکتا جو انھوں نے اس کی خاطر پریشانی میں گذری ہے۔"

(۳۳) مسلمانوں کو ستانے کے بارے میں فرمایا کہ "مومن کے دل کو دکھ دینا گویا اللہ تعالیٰ کو دکھ دینا ہے۔ مومن وہ شخص ہے کہ اگر وہ مشرق میں ہو اور مغرب میں کسی مومن کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو اسے درد محسوس ہو۔"

(۳۴) چغلی کھانے والوں کی بابت فرمایا کہ "جس رات حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو گئے۔ اور نگاہ مبارک دوزخ پر پڑی تو وہاں ایک ایسا گروہ دیکھا جس کی زبانوں میں سوراخ تھے اور زنجیروں میں لٹکے ہوئے تھے۔ پوچھا بھائی جبرئیل یہ کون ہیں؟ عرض کی یا رسول اللہ یہ چغلخور ہیں۔"

(۳۵) سنگ اسود کی بابت فرمایا کہ "خانہ کعبہ میں جو سنگ اسود ہے۔ اس پر ایک مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوسہ دیا تھا۔ جو اُمتی اس پتھر کو دیکھتا ہے اسکے ستر سالہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ پتھر خانہ کعبہ میں اسی غرض سے رکھا گیا ہے۔"

(۳۶) رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بارے میں فرمایا کہ "میں نے حدیث میں دیکھا ہے کہ جو شخص آنحضرت صلعم پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اسے ایسا نور عنایت کرتا ہے

جس کی وجہ سے وہ پل صراط پر سے آسانی کے ساتھ گذر جائے گا۔"

(۳۷) انبیا اور اولیا کے ذکر کے بارے میں فرمایا کہ "رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو آپ انبیا اور اولیا کے حالات بیان کرتے اور فرماتے کہ جو شخص انبیا اور اولیا کے حالات بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آتش دوزخ اس پر حرام کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن اس کا حشر ان ہی کے ساتھ ہوگا۔ اور ان ہی کے ہمراہ بہشت میں داخل ہوگا۔"

(۳۸) ماہ رمضان المبارک کی فضیلت کے بارے میں فرمایا کہ "ماہ رمضان بڑا بزرگ مہینہ ہے۔ یہ مہینہ سراسر رحمت و برکت ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ اس مہینہ کے ایک روز میں اس قدر رحمت و برکت ہے کہ جو باقی تمام سال میں ہے۔"

(۳۹) بُری عادتوں کے بارے میں فرمایا کہ "میں نے قصص الانبیا میں لکھا دیکھا ہے کہ جب قوم لوط میں خرابی حد سے بڑھ گئی تو ان میں یہ دس بُری عادتیں پیدا ہوگئیں۔ شراب خواری۔ سُرخ لباس پہننا۔ مرد کا مرد سے بدفعلی کرنا۔ رنگین اور نازک کپڑے پہننا۔ اسلحہ سازی۔ کبوتر بازی۔ غیبت۔ راگ رنگ اور مسخرہ پن۔ ایک کا دوسرے کے ستر کو دیکھنا۔ پیغمبر سے برابری کرنا۔ جب ان میں مندرجہ بالا بدعادتیں پیدا ہوگئیں تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پتھر برسائے اور زمین کو حکم ہوا کہ انھیں نگل جا۔ عبداللہ مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ میری اُمت میں اس کے علاوہ گیارھویں اور عادت پیدا ہو جائے گی یعنی عورت عورت سے صحبت کرے گی۔"

(۴۰) ماہ صفر کی نحوست کے بارے میں فرمایا کہ "ماہ صفر بہت گراں مہینہ ہے جو بلا دُنیا پر نازل ہوتی ہے وہ اسی مہینہ میں نامزد ہوتی ہے۔ آثار میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے سال میں ایک لاکھ چوبیس ہزار بلائیں نازل

کرتا ہے جن میں سے بیشتر اس مہینہ میں نازل ہوتی ہیں۔ اس واسطے لوگوں کو چاہئے کہ اس مہینہ میں دُعا اور نماز میں مشغول رہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہیں۔"

(۴۱) والدین کی بزرگی کے بارے میں فرمایا کہ "والدین کی شفقت اور رحمت اللہ تعالیٰ کی شفقت اور رحمت ہے اور والدین کا قہر وغضب اللہ تعالیٰ کا قہر وغضب ہے جس فرزند سے والدین خوش نہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ بھی خوش نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب پریشانی اور بے بسی کی حالت میں بارگاہ الٰہی میں والدین کو شفیع بنایا جائے تو مہم سرانجام ہو جاتی ہے اور پریشانی و بے بسی سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔"

(۴۲) میاں بیوی کے حقوق کے بارے میں فرمایا کہ جو کچھ تم عورت اور اولاد کے لئے خرچ کرتے ہو اس کا حساب تم سے قیامت کے دن نہیں لیا جائے گا۔ ہاں مرد کو عورت پر پورا پورا قابو حاصل ہے۔ مگر وہ بھی چند باتوں کے لئے کہ اگر وہ نہ کرے تو مارے۔ اوّل نماز دوسرے فرمانبرداری تیسرے صحبت۔ اگر وہ نافرمانی کرے اور شوہر سے جھگڑا کرے تو اسے سزا دینی چاہئے۔ عورت کو چاہئے کہ خاوند کے مال واسباب کی نگہداشت کرے۔ کوئی چیز خاوند کی رضامندی کے بغیر نہ لے نہ چھپائے۔ نہ کسی کو دے۔ اس کے علاوہ عورت پر کچھ واجب نہیں۔ اگر روٹی پکانے چرخہ کاتنے۔ کپڑا سینے اور بچوں کو دودھ دینے میں تغافل کرے تو اُسے سزا نہ دے کیونکہ یہ مرد کا فرض ہے کہ معاش کے تمام لوازمات فراہم کرے۔ اور کوئی خدمتگار مقرر کرے جو یہ ساری خدمات بجالائے اس واسطے کہ عورت آزاد ہے اگر عورت یہ سب کام کرے تو اس کی مروت ہے ورنہ اس پر واجب نہیں۔"

ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رح

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے یہ قیمتی ملفوظات۔ کتاب
مفتاح العاشقین سے درج کئے جاتے ہیں۔ مفتاح العاشقین ایک نہایت ہی
مستند کتاب ہے جسے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی کے محب خاص حضرت
محب اللہ رح نے ترتیب دیا ہے۔

(۱) حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی توبہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ
"سب سے عمدہ اور افضل توبہ اس وقت سمجھی جاتی ہے جبکہ توبہ کرنے والا جس
کام سے توبہ کرے۔ پھر اس کے پاس تک نہ پھٹکے۔ اگر اس قسم کی توبہ نہ کی جائے گی
تو وہ توبہ نہ ہوگی۔"

(۲) حضرت نے فرمایا کہ "شیخ الاسلام خواجہ ابو یوسف چشتی قدس اللہ سرہٗ
العزیز ایک رسالے میں لکھتے ہیں کہ" اپنے اوپر پانچ چیزیں لازمی کرنی چاہئیں تاکہ
باطنی صفائی حاصل ہو۔ اوّل مسواک۔ دوم کلام الٰہی کا پڑھنا۔ اگر نہ پڑھ سکے
تو سورۂ اخلاص پڑھے۔ سوم برابر روزے رکھنا۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو ایام بیض ہی کے
روزے رکھے۔ چہارم قبلہ رُخ بیٹھے۔ پنجم باوضو رہے۔"

(۳) نماز کو وقت پر ادا کرنے کی بابت آپ نے فرمایا کہ "صلوٰۃ مسعودی میں
امام محمد باقر رحمتہ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ نماز وقت پر ادا کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ
ہو کہ وقت مکروہ ہو جائے اور نماز جائز نہ رہے۔"

(۴) قرآن شریف کی تلاوت کے بارے میں فرمایا کہ "قرآن شریف کی تلاوت
کرنا تمام عبادتوں سے افضل اور بہتر ہے۔ دنیا اور آخرت میں جو کچھ

بھی ہے ان سب سے بہتر قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ پھر فرمایا کہ جس دل میں قرآن شریف ہوتا ہے وہ گناہ اور حرص سے پاک ہوجاتا ہے"۔

(۵) قرآن شریف کے حفظ کرنے کے بارے میں فرمایا کہ "جو شخص قرآن شریف حفظ کرنا چاہے وہ سورہ یوسف یاد کرکے پڑھا کرے انشاءاللہ اس کی برکت سے باقی قرآن شریف بھی حفظ ہو جائے گا"۔

(۶) مولیٰ سے محبت کے بارے میں فرمایا کہ "محبت اور عزت ایک ہی درخت کے پھل ہیں جتنی محبت زیادہ ہوگی اتنی ہی عزت زیادہ ہوگی"۔

(۷) سماع کے بارے میں فرمایا کہ "سماع کی چار قسمیں ہیں۔ ایک حلال دوسرے حرام تیسری مکروہ۔ چوتھی مباح۔ اگر صاحب وجد کا دل اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ ہو تو مباح ہے۔ اگر مجاز کی طرف ہو تو مکروہ ہے۔ اگر دل بالکل اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو حلال ہے اور اگر بالکل مجاز کی طرف ہو تو حرام ہے"۔

(۸) سماع کے بارے میں پھر فرمایا کہ "صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ ایک لونڈی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے رُوبرو دف بجا رہی تھی اور گا رہی تھی امیرالمومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منع کیا تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انہیں منع نہ کرو۔ اسی حالت میں رہنے دو کیونکہ ہر قوم کی عید ہوا کرتی ہے۔

(۹) پھر فرمایا کہ "عوارف میں لکھا دیکھا ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میرے رُوبرو سرود کیا جا رہا تھا کہ اتنے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بغیر منع کئے بیٹھ گئے۔ امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ نے آکر دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سرود سُن رہے ہیں اور رو رہے ہیں۔ تو آپ بھی رونے لگے۔ پھر امیرالمومنین عثمان اور امیرالمومنین علی رضی اللہ عنہما آئے۔ جب سرود سُنا تو وہ بھی رونے لگے۔ پھر جب نماز کا وقت ہوا تو ظہر کی

نماز وضو کر کے ادا کی۔

(۱۰) ایام بیض کے بارے میں فرمایا کہ "میں نے دلیل عارفین میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک مرتبہ کسی آدمی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ایام بیض کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ ہر مہینے کی تیرھویں۔ چودھویں اور پندرھویں کا روزہ رکھنا ایسا ہے کہ گویا سارے سال کے روزے رکھنا۔"

(۱۱) بھوکوں کو کھانا کھلانے کے بارے میں فرمایا کہ "بھوکوں کو کھانا کھلانا ہر ایک مذہب میں پسندیدہ ہے۔ اور اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں کہ بھوکوں کا پیٹ بھرا جائے اور انہیں آرام دیکر اُن کے دل راضی کئے جائیں۔"

(۱۲) پھر فرمایا کہ "انس بن مالک روایت فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ خدا کی راہ میں روٹی دینا بہتر ہے یا سو رکعت نماز ادا کرنی۔ فرمایا روٹی دینا بہتر ہے۔ پھر پوچھا کہ مسلمان کی حاجت پوری کرنا بہتر ہے کہ یا سو رکعت نماز ادا کرنی۔ فرمایا مسلمان کی حاجت پوری کرنا۔

(۱۳) لوگوں کی دلداری کرنے کے بارے میں فرمایا کہ کوئی چیز اس سے افضل اور بڑھ کر نہیں کہ کسی کے دل کو راحت پہنچائی جائے۔ یہ سب عبادتوں سے افضل ہے۔

مغل بادشاہوں کا شاندار دورِ حکومت

مغلوں نے چار سو برس تک ہندوستان پر کس شان اور رواداری سے حکومت کی ہے

ہندوستان کے دوسرے مسلمان بادشاہوں نے عموماً اور مغل بادشاہوں نے خصوصاً ہندوستان پر کس شان و رواداری سے حکومت کی ہے اور ان کا سلوک غیر مسلموں کے ساتھ کس قدر ہمدردانہ اور برادرانہ تھا اسکی تفصیل ذیل کی عظیم الشان تاریخ میں دیکھئے

ہندوستان پر مغلیہ حکومت

از مفتی شوکت علی فہمی

یہ عظیم الشان تاریخ ان متعصب مورخوں کی تحریروں کا دنداں شکن جواب ہے جو شہنشاہ اورنگ زیب اور شاہجہاں کو خصوصاً اور دوسرے مسلمان بادشاہوں کو عموماً بدنام اور رسوا کرتے رہے ہیں اس تاریخ میں بتایا گیا ہے کہ شہنشاہ بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہجہاں، اورنگ زیب عالمگیر اور دوسرے مغل بادشاہوں نے کس طرح ہندوستان پر حکومت کی ہے یہ شاندار تاریخ مندرجہ ذیل چار ابواب پر منقسم ہے۔

پہلا باب مغلیہ حکومت کا قیام اس باب میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستان میں مغلیہ حکومت کا قیام کیونکر عمل میں آیا اور بابر، ہمایوں نے کس رواداری کے ساتھ ہندوستان پر حکومت کی ہے

دوسرا باب مغلیہ حکومت کا عروج اس باب میں مغلیہ حکومت کے عروج پر روشنی ڈالی گئی ہے اور شہنشاہ اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت پر روشنی ڈالی گئی ہے

تیسرا باب حکومت مغلیہ کا زوال اس باب میں شہنشاہ اورنگ زیب کے جانشینوں کے دورِ حکومت پر تبصرہ کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ حکومت مغلیہ کے زوال کے کیا اسباب تھے

چوتھا باب انگریزوں کا غاصبانہ قبضہ اس باب میں بتایا گیا ہے کہ انگریزوں نے کس عیاری اور مکاری کے ساتھ مغلیہ حکومت کے کھنڈروں پر برطانوی حکومت کی بنیاد رکھی۔

یہ عظیم الشان تاریخ فی الحقیقت مسلمان بادشاہوں کے دورِ حکومت کا ایک شاندار مرقع ہے جسے بلاشبہ اردو لٹریچر میں نایاب اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے کتابت، طباعت نہایت اعلیٰ، ٹائیٹل رنگین اور بے حد خوشنما

قیمت مع خوشنما ڈسٹ کور پانچ روپے آٹھ آنے

پتہ:- دین دنیا پبلشنگ کمپنی جامع مسجد دہلی

ہند اور پاکستان کے اولیا

از

مفتی شوکت علی فہمی